سیرتِ سلمانؓ

سیدنا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کی

سیرت و سوانح

از

علامہ فضل احمد عارف

ناشر

نذیر سنز پبلشرز

۴۰۔اے اردو بازار لاہور پاکستان

نام کتاب ———— سیرت سلمان رض

ناشر ———— نذیر سنز پبلشرز
۴۰۔اے اُردو بازار لاہور

کتابت ———— ابن الصادق عبیداللہ نوشہرہ ورکاں

مطبع ———— معظم پرنٹرز۔ لاہور

قیمت ———— 24 روپے

فہرست مندرجات

عرضِ مؤلّف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دین حق کی جستجو، اس کے مطابق زندگی کی تشکیل اور اپنی عاقبت سنوارنے کی کوشش بلاشبہ ہر راست باز انسان کا نصب العین ہے۔ وہ دنیا کی دلفریبیوں پر فریفتہ ہو کر نہیں رہ جاتا بلکہ دنیا میں رہتے ہوئے فکرِ آخرت اس کا مطمعِ نظر ہوتی ہے اور جب انسان اپنی عاقبت کو سنوارے تو اس کی دنیا بھی ازخود سنور جاتی ہے۔ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ایسے لوگ یقیناً قابلِ قدر ہیں۔ یہ لوگ عالمِ انسانیت کے لئے سرمایۂ افتخار ہیں اور ظلمت کدۂ حیات میں روشنی کے مینار کا درجہ رکھتے ہیں۔ تاریخ انھیں ہمیشہ عزت و احترام سے یاد رکھے گی اور زمانہ انھیں کبھی بھلا نہ سکے گا ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

تاریخ شاہد ہے کہ بعض لوگوں نے تو تلاشِ حق میں بڑی کد و کاوش کی ہے۔ ان مردانِ حق کو جاں گسل مصائب اور زہرہ گداز حوادث سے دوچار ہونا پڑا ہے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اس قافلے کے سالار اور اس گروہ کے سرخیل

ہیں۔ انھوں نے راہِ حق میں جس قدر مصائب و شدائد برداشت کئے ہیں اس نیلگوں آسمان کے نیچے شاید ہی کسی نے برداشت کئے ہوں۔ ان کا جذبہ صادق تھا اور شوق فراواں، اس لئے برسوں کی بادیہ پیمائی بالآخر رنگ لائی۔ دکھ سہتے، رنج اٹھاتے اور غلامی کی صعوبتیں برداشت کرتے کرتے منزلِ مراد پر جا ہی پہنچے۔ گوہرِ مقصود ہاتھ آیا اور وہ دنیا و آخرت میں سرخرو ہو گئے۔ داعیٔ حق پیغمبر آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی عظمت و جلالت قدر پر مہرِ توثیق ثبت فرمائی اور ارشاد فرمایا:۔

والذی نفسی بیدہ لو کان الایمان بالثریا لتناولہ رجال من ھولاء (ترمذی شریف)

یعنی اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے: ایمان اگر اوجِ ثریا پر ہوتا تو بھی سلمانؓ جیسے لوگ اسے ضرور جا حاصل کرتے۔

قبولِ اسلام کے بعد حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بقیہ زندگی مرضاتِ الٰہی کے حصول اور اتباعِ رسولؐ کے لئے وقف کر دی۔ سرکار رسالتؐ کی ذات اقدس سے انھیں بے پناہ محبت تھی۔ جب تک آقائے نامدارؐ اس دنیائے ناپائیدار میں رہے حضرت سلمانؓ ان کے ساتھ ساتھ رہے اور لمحہ بھر کے لئے بھی جدا نہ ہوئے۔ عشق رسولؐ نے ان کی سیرت و کردار میں نکھار پیدا کر دیا تھا اور وہ دوسرے صحابہ کرامؓ کی طرح مطلعِ ہدایت کے روشن ستارے بن کر چمکے۔ ان کی حیاتِ طیبہ فقرِ محمدی کی روح پرور عملی تفسیر پیش کرتی ہے۔ اس پیکرِ ایثار نے زندگی بھر اپنا مختصر سا اثاثہ رکھا۔ محنت و مشقت سے کماتے تھے لیکن گاڑھے پسینے کی یہ کمائی راہِ خدا میں خرچ کر ڈالتے تھے۔ خدمتِ خلق اور دوسروں کے کام آنا ان کی زندگی کا شعار رہا۔ وہ تمیزِ بندہ و آقا اور امتیازِ عرب و عجم کے قائل نہیں تھے۔ اپنی زندگی میں اپنے قول و عمل سے ہمیشہ اسلامی اخوتؓ کے خدوخال اُجاگر کرتے رہے۔ ان کا اسوۂ عمل رہتی دنیا تک ہم مسلمانوں کو یہ سبق دیتا رہے گا کہ

کہ علاقائی تعصبات سے نکل کر، نسلی تفاخر و تنافر سے بلند ہو کر اور اُخوتِ اسلامی پر عمل پیرا ہو کر ہی مسلمان ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن سکتے ہیں۔

راقم الحروف کی مؤلفانہ زندگی کا اہم مقصد اولیائے اللہ اور عاشقانِ رسول ؐ کی مہر و وفا کی داستانوں کو قلمبند کرنا اور تحقیق کے عصری تقاضوں کے مطابق ان جواہر کو جدید اسلوب میں پیش کرنا ہے۔ چنانچہ اس کتاب میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی زندگی کے حالات و واقعات، فضائل و مناقب، سیرت و کردار اور اقوال و آثار محققانہ انداز اور مؤثر پیرائے میں بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ خدا کرے کہ میری یہ سعی سعیِ مشکور ثابت ہو۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ

اپنی عصیاں شعاریوں کے شعور و احساس کے باوجود، رب العزت سے میری دعا ہے کہ وہ اس ادنیٰ سی خدمت کو شرفِ قبول بخشے اور ہم سب کو اسوۂ سلمان رضی اللہ عنہ پر چلنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین

آخر میں ان سب احباب اور بزرگوں کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں جنھوں نے فراہمی کتب کے سلسلے میں میری امداد فرمائی۔ ان حضرات میں بالخصوص حضرت مولانا غلام علی صاحب قادری، حضرت مولانا معین الدین صاحب لکھوی، مولانا عبدالرحمٰن صاحب جامعہ محمدیہ اوکاڑہ، مولوی محمد امین صاحب مدرس اوکاڑہ، مولانا مقبول احمد صاحب جامعہ رشیدیہ ساہیوال اور مولانا حافظ عبدالحق صاحب خلف الصدق حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری ملتان قابلِ ذکر ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب اصحاب کو جزائے خیر دے۔ آمین

دُعا گو اور دُعا جو

فضل احمد عارف

میونسپل ڈگری کالج

اوکاڑہ

باب اوّل

زندگانی سلمانؓ

(حالات و واقعات)

نام ونسب

اسلامی نام

حضرت سلمان فارسیؓ اسلام کے دامانِ رحمت میں آئے تو سلمان نام پایا۔ یہ نام معنوی حیثیت سے بھی قابل توجہ ہے چنانچہ امام عبدالوہاب شعرانیؒ اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

سَلْمَانُ مِنَ السَّلَامَةِ مِنَ الْآلَامِ وَالْاَمْرَاضِ [1]

ترجمہ: سلمان کا لفظ سلامتی سے مشتق ہے اور مطلب یہ ہے کہ سلمان ہر طرح کی بیماریوں اور تکلیفوں سے ہر طرح محفوظ ہے۔

تاریخ گواہی دیتی ہے کہ سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رکھا ہوا یہ مبارک نام واقعی اسم بامسمیٰ اور حسبِ حال ثابت ہوا۔ حضرت سلمانؓ نے بڑی طویل عمر پائی لیکن امراض واسقام سے ہمیشہ محفوظ رہے۔ قبولِ اسلام کے بعد وہ ایک اور صرف ایک بار بیمار ہوئے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عیادت کے لئے تشریف لائے۔ کچھ دیر بیمار پرسی فرمائی۔ اٹھ کر

---

[1]: الیواقیت والجواہر، ج ۲، صہ ۱۸۸

جانے لگے تو سلمانؓ کے حق میں ایسی دعا کی کہ شاید ہی کسی کے حصے میں آئی ہو۔ اس پاک پیغمبرؐ نے ہاتھ بلند کئے کہ جس کی کبھی کوئی دعا رد نہیں ہوئی اور دعا فرمائی۔ سننے والوں نے سنا تو آپؐ کے مقدس ہونٹوں پہ یہ الفاظ تھے:

يَاسَلْمَانُ! شَفَى اللهُ سُقْمَكَ وَغَفَرَ ذَنْبَكَ وَعَافَاكَ فِي دِينِكَ وَجَسَدِكَ إِلَى مُدَّةِ أَجَلِكَ [1]

ترجمہ:۔ اے سلمان! اللہ تمھیں تمھاری بیماری سے شفا عطا فرمائے، تمھاری لغزشوں کی بخشش کر دے اور تمھارے دین اور تمھارے جسم کو تا زیست عافیت نصیب فرمائے۔ آمین

یقیناً اسی دعائے رسولؐ کا اعجاز اثر تھا کہ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد میں سوائے مرض الموت کے کبھی بیمار نہیں ہوئے۔ وہ حرب و ضرب کے ہر میدان میں جوانمردی کے جوہر دکھاتے رہے، محنت کشی اور جفا طلبی کے ہر موقع پر دوسروں سے سبقت لے جاتے رہے اور آزمائش و ابتلا کی ہر گھڑی میں سلامتی افکار اور پختگیٔ کردار کا ثبوت فراہم کرتے رہے۔ خندق کی کھدائی سے لے کر محاربات ایران کی رزم آرائی تک ہر جگہ وہ مرد توانا اور جوان رعنا کی حیثیت سے نمایاں دکھائی دیتے ہیں۔

مجوسی نام

اسلام قبول کرنے سے پہلے حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام کچھ اور تھا۔ ماہرین انساب کے ہاں اس نام کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ حضرت سلمانؓ نے اپنی سرگزشت بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کی ہے لیکن کہیں بھی انھوں نے اپنے نام کی

---

[1] :۔ کنز العمال، ج ۵، ص ۲۵

صراحت نہیں فرمائی۔ تذکرہ نگاروں نے اپنی صوابدید اور تحقیق کے مطابق یہ نام بیان کر دیئے ہیں۔ یہ نام فارسی الفاظ میں مجوسی طرز فکر کے آئینہ دار ہیں۔ اکثر و بیشتر کی رائے میں آپ کا نام ' مابہ ' تھا[1]

مابہ غالباً ما اور بہ کا مجموعہ ہے جس کے معنیٰ ہم بہتر ہیں کے ہیں۔ یہ نام نسلی تفاخر اور خاندانی تفوق کی نشاندہی کرتا ہے۔ ایرانی اسماء اور القاب میں ماھو بہ لقب ہے کہ جو ساسانی عہد میں گورنر سیستان کا ہوا کرتا تھا[2] ممکن ہے مابہ اسی ماھوبہ کا مخفف بنا دیا گیا ہو۔

بعض تذکروں میں یہ نام مایہ (ی کے ساتھ) ملتا ہے[3]

مایہ فارسی زبان میں دولت اور سرمایے کو کہتے ہیں۔ قدیم ایرانی ناموں میں ماھویہ ایک نام موجود ہے اور وہ یزدگرد کے عہد کے گورنر سیستان کا نام تھا[4]

اسی طرح امام طبری نے ۱۳ھ کے واقعات میں مرو کے ایک دہقان کا نام بھی ماھویہ بتایا ہے[5]

ماھویہ کے معنیٰ یہ ہیں کہ ہم اس کی قوت بازو اور محافظین کیونکہ فارسی زبان کے ماہر مستشرق سٹینگاس Steingass نے ھوبہ کو بازو اور حفاظت کے معنوں میں لیا ہے۔ ہوسکتا ہے یہ نام مایہ، ماھویہ کی مخفف شکل ہو۔ ایک قول کے مطابق آپؓ کا نام

۱: ۔ الاصابہ، ج ۳ ص ۱۱۳، اسد الغابہ، ج ۲ ص ۳۲۸، تاریخ الامم والملوک طبری، ج ۱ ص ۵۰۴

۲: ۔ سٹین گاس تحت مادہ۔

۳: ۔ شارٹر انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ص ۵۰۱

۴: ۔ سٹین گاس تحت مادہ

۵: ۔ تاریخ الامم والملوک، ج ۱ ص ۳۴۴

روزبہ بیان کیا جاتا ہے۔[۱]

روزبہ کے لفظی معنیٰ ہیں اچھے دنوں والا۔ اور دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کرنے والا۔ ایرانیوں میں یہ نام رکھنا بڑا مقبول تھا چنانچہ اس نام کے کئی اشخاص ہو گزرے ہیں۔ مثلاً بہرام گور (عہد حکومت ۴۲۰ - ۴۴۰ء) کے ایک وزیر کا بھی یہی نام تھا۔

کنیت

عربوں میں عام رواج ہے کہ وہ اپنے بیٹے یا کسی وصف کی مناسبت سے اپنے اصل نام کے علاوہ ایک یا ایک سے زیادہ وصفی نام اختیار کر لیتے ہیں۔ یہ نام کنیت کہلاتی ہے۔ بعض لوگ تو اپنی کنیت سے اس قدر مشہور و متعارف ہو جاتے ہیں کہ ان کے اصلی نام نذرِ نسیان ہو کر رہ جاتے ہیں مثلاً حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کا اصلی نام عبدالرحمٰن تھا۔ حضرت سلمانؓ جب سرزمین عرب میں وارد ہوئے تو انھوں نے بھی کنیت اختیار کر لی۔ ان کی کنیت بالاتفاق ——— ابوعبداللہ (عبداللہ کے باپ) تھی۔ تذکرے ان کی اولادِ نرینہ کے بارے میں خاموش ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ان کے ہاں کوئی لڑکا پیدا ہوا ہو اور انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کے پسندیدہ ناموں عبداللہ اور عبدالرحمٰن میں سے اپنے بیٹے کے لئے ایک نام عبداللہ چن لیا ہو۔

لقب

قسّامِ ازل نے حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بے مثال فہم و فراست سے نوازا تھا۔ انھوں نے اپنے علم و دانش سے صحیح فائدہ اٹھایا اور اپنی زندگی ایک بلند مقصد

---

[۱] :- سارٹر انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ص ۵۰۱

کے لئے وقف کردی۔ عمر عزیز کا ایک حصہ تلاشِ حق میں گزارا تو دوسرا حصہ شہادتِ حق میں بسر کرتے رہے۔ اس طرح انھوں نے بلاشبہ اپنی ذات والاصفات کو خیر مجسّم بنالیا اور سلمان الخیر لقب پایا۔

وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا القرآن ۲/۲۶۹

غالب گمان یہ ہے کہ یہ لقب انھیں بارگاہِ رسالتؐ سے ملا ہے۔

سوانح نگار اس امر پر متفق ہیں کہ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لقب الخیر تھا۔ علامہ ابن اثیرؒ اور حافظ ابن عبد البرؒ حضرت سلمانؓ کے متعلق بیان کرتے ہیں یعرف بسلمان الخیر یعنی آپؓ سلمان الخیر کے نام سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ رقم طراز ہیں یقال له سلمان الخیر یعنی آپ سلمان الخیر کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔

بعض محدثین نے آپ سے روایتِ حدیث کرتے وقت انھیں اسی لقب کے ساتھ یاد کیا ہے۔

علامہ ابن حبانؒ نے اس بات کی بھی وضاحت کردی ہے کہ یہ نام ولقب صرف آپ ہی کا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ سلمان فارسی اور سلمان الخیر دو مختلف شخص ہیں وہ یقینی طور پر غلط فہمی کا شکار ہوا ہے۔[1]

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلاشبہ اس لقب کی بدولت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں اپنی انفرادیت کے مالک ہیں اور یہ اختصاص ان کی عظمت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

---

[1] :۔ تہذیب التہذیب، ج ۴ ص ۱۳۸، اصابہ ج ۳ ص ۱۱۳

نسبت وطنی

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے وطن فارس کی نسبت سے فارسی مشہور ہوئے ہیں۔ فارس درحقیقت ملکِ ایران کا ایک صوبہ ہے لیکن عرب پورے ملک کو بالعموم فارس کا نام دے دیتے تھے اور اس کے حکمران (کسریٰ) کو عظیم الفرس کہہ کر پکارتے تھے۔

امام زرقانی نے دو اور نسبتوں کا بھی تذکرہ کیا ہے:

(۱) رامہرمزی (۲) اصبہانی [1]

نسب ذاتی

علمائے انساب نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نسب حسب ذیل تحریر کیا ہے:۔

مابہ بن بوذخشان بن مورسلان بن بہبوذان بن فیروز بن سہرک [2]

مجوسی روایت کے مطابق حضرت سلمان رضؓ کے والد کا نام شخشان بتایا جاتا ہے [3]

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی تہذیب التہذیب میں مورسلان کی جگہ مورسلا تحریر ہے اور ان کی کتاب اصابہ میں بہبوذان کی بجائے ایک مقام پر حافظ ابن مندہ کے حوالے سے بود اور دوسرے ایک قول کے مطابق بہبود ملتا ہے۔ تاہم اس سلسلے میں کتابت کی غلطی کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ تاریخ طبری میں دادے کا نام دہ دیرہ دیا

---

[1] :۔ شرح موطا امام مالک ج ۴، ص ۷۴

[2] :۔ اسد الغابہ ج ۲، ص ۳۲۸

[3] :۔ سیاسی وثیقہ جات ص ۳۳۱

گیا ہے[1] جو غالباً نام نہیں بلکہ لقب ہے۔

نسب صفاتی

آبا و اجداد پر فخر کرنا اور اپنے نسب پر اترانا عرب و عجم میں یکساں طور پر ایک غالب جذبہ رہا ہے لیکن حیرت ہے کہ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں ہم اس کی پرچھائیں تک نہیں پاتے۔ وہ حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو اسلام سے اپنے تعلق کو اس قدر مضبوط اور استوار کر لیا کہ باقی سب رشتے ماند پڑ گئے۔ ان کی ذات "تبتل الیہ تبتیلا" کی عملی تفسیر بن گئی۔ اسلام ہی ان کا اوڑھنا تھا اور اسلام ہی بچھونا۔ یہی ان کا حسب تھا یہی نسب۔ اسی کے لئے وہ جیتے تھے اور اسی کے لئے مرتے تھے۔ اسلام سے یہی عشق و جنوں ہمیشہ ان کے لئے سرمایہ سکون رہا۔

یقیناً حضرت سلمانؓ جانتے تھے اور اچھی طرح جانتے تھے کہ راہ عشق کی پہلی منزل اور اخلاص محبت کا اولین تقاضا ترکِ نسب ہے بقول عارف جامیؒ ؎

بندہ عشق شدی، ترکِ نسب کن جامی

کاندریں راہ فلاں ابنِ فلاں چیزے نیست

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سلمان واحد فرد ہیں جن کی ولدیت کے خانے میں والد کے نام کی جگہ ہم اسلام لکھا ہوا پاتے ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی اپنی کتاب اصابہ میں حضرت سلمانؓ کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ابوعبداللہ بن الاسلام۔ اسی طرح وہ اپنی دوسری کتاب تہذیب التہذیب میں اسی حقیقت کی نشاندہی یقال لہٗ سلمان بن الاسلام کے الفاظ کے ساتھ کرتے ہیں۔ علامہ ابن اثیر الجزریؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سلمانؓ سے

---

[1]: تاریخ الامم والملوک ج ۱، ص ۵۰۴

ان کے نسب کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا انا سلمان بن الاسلام (میں اسلام کا بیٹا سلمان ہوں)[1]

علامہ ابن عبدالبرؒ اسی امر کی توثیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت سلمان رضؓ سے جب کبھی یہ دریافت کیا جاتا تھا کہ آپ کس کے بیٹے ہیں تو ہمیشہ یہ فرمایا کرتے تھے انا سلمان بن الاسلام من بنی آدم یعنی میں اولاد آدم میں سے ہوں اور فرزندِ اسلام سلمان ہوں[2]

غالباً اسلام سے والہانہ وابستگی اور مخلصانہ شیفتگی کی یہی دلربا ادائیں تھیں کہ پیغمبر اسلامؐ نے سلمان منا اہل البیت کا اعلان کرکے انھیں اپنے خاندان کا ایک فرد قرار دے دیا۔ اس شرف پر سلمان جس قدر ناز کریں، بجا ہے۔

یہ رتبہ بلند ملا، جس کو مل گیا۔

خاندانی حالات

اجداد کا وطن — رام ہُرمُز

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آبا و اجداد غالباً اصل میں ملک فارس (ایران) کے ایک شہر رام ہرمز کے رہنے والے تھے۔ جیسا کہ بعض تذکرہ نگاروں نے بیان کیا ہے[3]

---

[1] :۔ اسد الغابہ ج ۲، ص ۳۲۸

[2] :۔ استیعاب ج ۲ ص ۵۴

[3] :۔ اسد الغابہ ج ۲ ص ۳۲۸، اصابہ ج ۳ ص ۱۱۳

رام ہرمز کا لفظ رام اور ہرمز سے مل کر بنا ہے۔ فارسی زبان میں رام کے معنی مرادیا مقصود کے ہیں اور ہرمز فارس کے ایک شہنشاہ (کسریٰ) کا نام تھا۔ لہٰذا اس مرکب نام رام ہرمز کا مطلب ہرمز کی مراد والا شہر ہے۔ بقول مرزا بدخشانی اس شہر کو ہرمز اوّل عہد حکومت ۲۷۱ - ۲۷۲ء نے اپنے مختصر دورِ حکومت میں آباد کیا۔ یہ خوزستان (اہواز) کے صوبے میں واقع ہے اور اسے سوق الاہواز (اہواز کی منڈی) بھی کہا جاتا ہے[1]

یہ شہر ہرمز اوّل کا پایہ تخت بھی رہا ہے۔ اس شہر کا طول بلد ۲۷ دقیقہ - ۴۹ درجے اور عرض بلد ۱۶ دق ۳۱ درج بیان کیا جاتا ہے ملاحظہ ہو[2]

ابوعثمان النہدی بیان کرتے ہیں کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا اتعلم مکان رام ہرمز؟ (کیا آپ رام ہرمز کا مقام جانتے ہیں؟) میں نے اثبات میں جواب دیا تو فرمایا فانی من اھلہا (پس بے شک میں اس کے باشندوں میں سے ہوں)[3]

مولد و منشا — جَیّ

قرین قیاس یہ ہے کہ حضرت سلمانؓ کے خاندان والے بعد ازاں نقل مکانی کر کے قصبہ جَیّ میں آکر بس گئے تھے۔ یاقوت الحموی جی کا محل وقوع بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ شہر اصفہان کے پرانے شہر کے نواح میں واقع تھا۔ اصفہان آج کل قریب قریب کھنڈرات میں بدل چکا ہے اور اب اسے اہل عجم شہرستان کہہ کر پکارتے ہیں[4]

---

[1] :- تاریخ ایران ج ۱، ص ۲۵۵

[2] :- فرہنگ آبادیہائی ایران تحت مادہ

[3] :- طبقات ابن سعد ج ۴، ص ۷۵

[4] :- معجم البلدان تحت مادہ

اصفہان کا طول بلد اور عرض بلد بالترتیب ۴۹ - ۵۱ اور ۳۸ - ۳۲ ہے[1]
مستشرق فِدا Levidella Vida جَیّ کو اصفہان قدیم ہی قرار دیتے دکھائی دیتے ہیں. ملاحظہ ہو[2]

حالانکہ قدیم نقشوں اور صاحب فتوح البلدان کے بیانات کی روشنی میں ظاہر یہ ہوتا ہے کہ دونوں شہروں کے درمیان بیس پچیس میل کا فاصلہ تھا اور جَیّ، اصفہان کے شمال میں واقع تھا۔ بعض شعرائے نے اہلِ جَیّ کے بخل کی مذمت میں اشعار بھی کہے ہیں۔ یہ شہر زمانہ قدیم میں صوبہ فارس یا اہواز کا ضلعی صدر مقام رہا ہے۔ اس کے قریب ایک اور شہر بھی تھا جسے سابور (شاہ پور) کہتے ہیں۔

(حضرت سلمانؓ جَیّ میں پیدا ہوئے اور اسی شہر میں پرورش پائی۔ اس بات کی توثیق حضرت سلمان کے اپنے ایک قول سے ہوتی ہے جس میں انھوں نے فرمایا کہ میں اہل جَیّ میں سے تھا۔)[3]

خاندان کی سیاسی وسماجی حیثیت

تاریخ بتاتی ہے کہ ایران کا بادشاہ اپنے آپ کو شہنشاہ اس لئے کہلاتا تھا کہ اس کے ماتحت کئی بادشاہ ہوا کرتے تھے۔ شاہی خاندان کے جو افراد کسی صوبے یا علاقے کے حکمران بنائے جاتے تھے وہ بادشاہ کا لقب اختیار کرسکتے تھے لیکن اگر کوئی حکمران شاہی خاندان سے نہ ہوتو مرزبان کہلاتا تھا۔ ملاحظہ ہو[4]

---

[1] :- فرہنگ آبادی ہای ایران تحت مادہ

[2] :- شارٹر انسائیکلوپیڈیا آف اسلام صہ ۵۰۰

[3] :- سیرۃ ابن ہشام القسم الاوّل صہ ۲۱۴، طبقات ابن سعد ج ۴، صہ ۷۵- حلیۃ الاولیاء ج ۱ صہ ۱۹۰-

[4] :- تاریخ ایران در عہد ساسانیان ج ۱، صہ ۵۰۸

اصفہان میں بھی ایک بادشاہت قائم تھی اور وہاں کا بادشاہ شاہی خاندان کا ایک فرد تھا۔

امام طبریؒ عہد فاروقی کی فتوحات کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ (سالار لشکر) عبداللہ بن ورقاً رستاق الشیخ سے جی کی طرف روانہ ہوئے اور ان دنوں اصفہان کا بادشاہ فاذوسفان تھا۔[1]

ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تعلق بھی اسی شاہی خاندان سے تھا چنانچہ تذکرہ نگار حضرت سلمانؓ کا تعارف من ولد آب الملک کے الفاظ کے ساتھ کراتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔[2]

تاریخی شواہد کی بنا پر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت سلمانؓ کا خاندان سیاسی اور سماجی لحاظ سے بلند مرتبے پر فائز تھا۔ شاہی خاندان سے تعلق کے علاوہ ان لوگوں کا شمار شاہسواران کسریٰ میں ہوتا تھا۔ عرب مؤرخ انھیں اساورہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اساورہ لفظ سوار کی جمع الجمع ہے۔ ایران کے عسکری نظام میں اساورہ کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے ساسانی عہد میں بطور خاص ان پر توجہ دی گئی۔ یہ لوگ چاق و چوبند شہسوار تھے شہسواری کے ساتھ ساتھ تیر اندازی میں بھی اس قدر مشاق تھے کہ ان کا کوئی تیر خطا نہ ہوتا تھا۔ کسریٰ وقت کو ایام جنگ میں ان کی امداد پر بڑا بھروسہ ہوتا تھا۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ لشکر اسلام کے مقابلے میں آخری کسریٰ یزدگرد کو جب اپنے پایۂ تخت مدائن سے بھاگنا پڑا تو اساورہ اس کے ہمرکاب تھے۔ تاریخ طبری میں تحریر ہے کہ فتوحاتِ ایران کے سلسلے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہرمزان سے صلاح مشورہ کیا تو اس نے انکشاف کیا تھا کہ فارس کا سر نہاوند میں ہے

---

[1]۔ تاریخ الامم والملوک ج ۲ ص ۲۲۴

[2]۔ اسد الغابہ ج ۲ ص ۳۲۸ ، اصابہ ج ۲ ص ۱۱۳

جہاں اساورہ اور اہل اصفہان کسریٰ کی مدد کے لئے مستعد اور تیار ہوں گے۔ حضرت سلمانؓ خاندانی اعتبار سے انہی اساورہ میں سے تھے جیسا کہ ابوقرہ الکندی بیان کرتے ہیں کہ حضرت سلمانؓ نے فرمایا کہ میں اساورہ فارس کی اولاد میں سے تھا[1]

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد کو یہ اعزاز بھی حاصل تھا وہ شہر اور علاقے کے دہقان تھے۔ حضرت سلمانؓ خود فرماتے ہیں کہ میرے والد اپنی بستی دجیّ کے دہقان تھے[2]

ایک اور روایت میں دہقان ارضہ کے الفاظ ملتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ پورے علاقے کے دہقان تھے۔ ملاحظہ ہو[3]

دہقان دراصل دہ خان کا معرب ہے جس کے معنیٰ گاؤں کے سردار کے ہوتے ہیں۔ دہقان بڑا معزز عہدہ سمجھا جاتا ہے۔ وہ زمین اور کاشت کاری کا ماہر ہوا کرتا تھا۔ دور دراز سے لوگ زرعی مشوروں کی خاطر اس کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔ وہ شہر اور علاقے کے دیوانی اور فوجداری مقدمات کی سماعت بھی کیا کرتا تھا۔ اس عہدے پر عموماً ایسے آدمی کا تقرر کیا جاتا تھا کہ جو خوب چست اور پھرتیلا ہوتا کہ فرائض منصبی مستعدی کے ساتھ سرانجام دے سکے۔

مختصر یہ کہ حضرت سلمانؓ کے والد نہ صرف قصبہ جیّ کے بلکہ پورے ضلع کے حکمران تھے۔ مزید براں وہ اپنے علاقے کے بہت بڑے جاگیردار بھی تھے۔ حضرت سلمانؓ کا بیان ہے کہ علاقے میں میرے والد کی ایک بہت بڑی جاگیر تھی[4]

---

[1] :۔ طبقات ابن سعد ج ۴ ص ۸۱، استیعاب ج ۲ ص ۵۴، مسند احمد ج ۵، ص ۴۳۸

[2] :۔ سیرۃ ابن ہشام قسم اول ص ۶۹

[3] :۔ طبقات ابن سعد ج ۴ ص ۷۵

[4] :۔ سیرۃ ابن ہشام قسم اول ص ۶۹، طبقات ابن سعد ج ۴ ص ۷۵

خاندان کی مذہبی سیادت

اسلام سے پہلے ایران میں مجوسیت کا بڑا زور رہا ہے۔ سرکاری سرپرستی میسّر تھی لہٰذا یہ مذہب خوب پروان چڑھا۔ اس مذہب میں آگ حقیقت مطلق کا مظہر سمجھی جاتی ہے اور اسے تقدس کا اونچا درجہ حاصل ہے۔ ملک کے طول و عرض میں آتشکدے تعمیر کئے گئے تھے، جہاں ہر وقت آگ روشن رکھی جاتی۔ اگر کسی آتشکدے کی آگ بجھ جاتی تو سمجھا جاتا کہ ان کے خدا آہورامزدا کا عذاب نازل ہونے والا ہے۔ یہ آتشکدے بالعموم ہشت پہلو والے کمروں پر مشتمل ہوتے جن کے دروازے بھی عام طور پر آٹھ ہی ہوا کرتے تھے۔ مجوسیوں کے پروہتانی نظام میں موبد موبدان پیشوائے اعظم ہوتا تھا۔ اس کے ماتحت موبد ہوا کرتے تھے اور ہر موبد کے تحت کئی ہیربد ہوتے تھے۔ عام آتش کدے کے محافظوں کو اتھروان کہتے تھے جب کہ قبیلے، بستی یا گاؤں کے مرکزی آتش کدے کے نگران کو ہیربد کہا جاتا تھا۔ پورے ضلع کے آتش کدوں کا انتظام موبد کی ذمہ داری تھی۔[1]

قرائن بتاتے ہیں کہ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاندان کے افراد مختلف مذہبی عہدوں پر متمکن تھے۔ حضرت سلمان بذاتِ خود اپنے شہر کے آتشکدے کی خدمت پر مامور تھے جیسا کہ ان کے اپنے الفاظ میں "کنت قطن النار" سے ظاہر ہے ملاحظہ ہو۔[2] ممکن ہے کہ حضرت سلمانؓ بلحاظ عہدہ ہیربد ہوں اور ان کے والد موبد مقرر ہوں۔

---
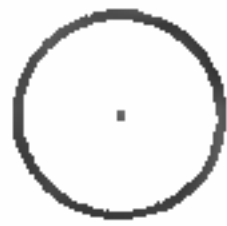
[1]:۔ تاریخ ایران بعہد ساسانیاں ج ۱

[2]:۔ سیرۃ ابن ہشام قسم اول ص ۲۱۴، طبقات ابن سعد ج ۴ ص ۷۵

بچپن اور تعلیم تربیّت

مکتب

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک کھاتے پیتے گھرانے میں آنکھیں کھولی تھیں اس لئے بچپن یقیناً ناز و نعمت میں بسر ہوا ہو گا۔ والدین کو اپنے اس بچے سے بے پناہ محبت تھی اس لئے وہ ان کی ہر ضرورت کا پورا پورا خیال رکھتے تھے۔ تعلیم و تربیت کی طرف خصوصی توجہ دی گئی اور انھیں لڑکوں کے ایک سکول میں داخل کرا دیا گیا جہاں انھوں نے فارسی زبان و ادب کی تعلیم حاصل کی۔ دوران تعلیم انھوں نے بڑی محنت اور تندہی سے کام لیا جیساکہ زیاد البکائی کی روایت میں حضرت سلمانؓ کا یہ قول ملتا ہے : اجتہدت فی الفارسیۃ [1]

آپؓ بڑے ذہین اور محنتی طالب علم واقع ہوئے تھے چنانچہ اساتذہ ان کے ساتھ بڑی محبت اور شفقت سے پیش آتے تھے۔ والدین اپنے اس فرزند دلبند کو گھر سے باہر تنہا بھیجنے سے احتراز کرتے تھے لہٰذا انھوں نے دوسرے طالب علموں کے ذمہ یہ فرض لگا رکھا تھا کہ وہ ساتھ لے جائیں اور سکول کے بعد واپس گھر چھوڑ جائیں۔ وہ بالعموم ایک یا دو ہم جماعتوں کے ہمراہ سکول جایا کرتے تھے اور وہی انھیں گھر چھوڑ جاتے تھے۔

مذہبی تعلیم

حضرت سلمانؓ ایک مذہبی گھرانے کے چشم و چراغ تھے اس لئے قرین قیاس یہ ہے

---

[1] ۔ اسد الغابہ ج ۲ ص ۳۲۸

کہ مجوسیت کی تعلیم انھوں نے گھر پر اپنے والد اور دیگر بزرگوں سے حاصل کی ہوگی۔ یہاں انھیں اپنی مذہبی کتب ژند اور پاژند وغیرہ کے مطالعہ بلکہ سبقاً سبقاً پڑھنے کا موقع مل جانا خارج از امکان نہیں، ہوتے ہوتے مذہبی علوم پر انھیں اس قدر قدرت حاصل ہوگئی تھی کہ وہ اپنے آبائی مذہب کی تعلیمات کے حسن و قبح کا بخوبی جائزہ لے سکتے تھے اور بآسانی ان پر ناقدانہ نگاہ ڈال سکتے تھے۔

مجوسیّت میں انہماک

حضرت سلمانؓ نے نہ صرف اپنے مذہب کی تعلیم کے حصول میں ذوق و شوق کا مظاہرہ کیا بلکہ مذہبی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے میں بھی بڑی مستعدی دکھائی۔ سکول سے واپس آتے اور آتش کدے کی خبر گیری میں لگ جایا کرتے۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد یہ انہماک اس قدر زیادہ ہوگیا کہ آتش کدہ ہی ان کی تمام تر توجہات کا مرکز قرار پایا۔ ہمہ تن اس کی خدمت میں سرگرم رہتے اور کوئی لمحہ غفلت میں نہ گزرتا۔ اپنی سرگذشت کے آغاز میں فرماتے ہیں:۔

اجتہدت فی المجوسیۃ حتّٰی کنت قطن النار الذی یوقدھا لا یترکھا تخبو ساعۃً۔[1]

ترجمہ:۔ میں نے مجوسیت میں اس قدر کوشش اور جانفشانی سے کام لیا کہ بالآخر آتشکدے کا خادمِ خاص بن گیا اور آگ کو اس طرح روشن رکھتا تھا کہ پل بھر کے لئے بھی وہ نہ بجھنے پاتی تھی۔

علامہ ابن اثیر الجزریؒ بھی حضرت سلمانؓ کا تعارف سادنُ النّار (نگران آتشکدہ) کی حیثیت سے کراتے ہیں ملاحظہ ہو۔[2]

---

[1] :۔ سیرۃ ابن ہشام قسم اول صہ ۲۱۴ - ۲۱۵، طبقات ابن سعد ج ۴ صہ ۵،

[2] :۔ اسد الغابہ ج ۲ صہ ۳۲۸

تحقیق و تجسّس

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کچھ زیادہ عمر کے ہوئے تو کائنات اور خالق کائنات کے بارے میں تحقیق و تجسس کا جذبہ ابھر آیا۔ ذاتی غور و فکر کے علاوہ اپنے اور دیگر مذاہب کے علماء سے تبادلہ خیالات کرنے لگے۔ اس سلسلے میں انھیں متعدد عیسائی پادریوں اور راہبوں سے استفادے کا موقع ملا اور ان سے وہ بے حد متاثر ہوئے۔ عیسائی علماء سے میل جول کا آغاز ان کے زمانہ طالب علمی سے ہو گیا تھا۔ یہ ملاقاتیں اکثر و بیشتر خفیہ اور چھپ کر کی جاتی تھیں کیونکہ والدین اپنی اولاد کو عیسائیوں کے قریب جانے کی قطعاً اجازت نہ دیتے تھے۔ اس کی بڑی وجہ اہلِ ایران کی رومیوں سے صدیوں پرانی دشمنی تھی اور یہ رومی بالعموم اب عیسائی تھے۔ حضرت سلمان رضؓ کے کئی اقوال ان ملاقاتوں کی نشاندہی کرتے ہیں۔ مثلاً وہ فرماتے ہیں کہ میں لڑکوں کے سکول میں زیر تعلیم تھا میرے ساتھ دو اور لڑکے تھے جو استاد کے پاس پڑھنے جایا کرتے تھے۔ جب وہ پڑھ کر واپس آتے تو وہ عیسائی پادری کے ہاں ضرور حاضری دیتے۔ ایک بار میں بھی ان ساتھیوں کے ہمراہ اس پادری کے پاس چلا گیا۔ مجھے دیکھ کر وہ ان لڑکوں سے ناراض ہونے لگے اور کہنے لگے کہ میں نے تمھیں کسی کو ساتھ لانے سے منع کر رکھا ہے پھر تم اسے کیوں ساتھ لائے ہو۔ میں نے معذرت کی اور اجازت کی درخواست کی۔ اس کے بعد میں اس پادری کے ہاں آنے جانے لگا۔ رفتہ رفتہ وہ مجھے ان لڑکوں سے زیادہ محبوب رکھنے لگے۔ انھوں نے مجھے یہ سمجھا دیا کہ اگر والدین تاخیر کی وجہ پوچھیں تو انھیں بتا دینا کہ استاد کے ہاں دیر ہو گئی ہے اور اگر استاد پوچھے تو والدین کا نام لے دینا[1]

اس سلسلے کی دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت سلمان رضؓ نے فرمایا کہ ہم مجوسی لوگ تھے

---

[1] :۔ طبقات ابن سعدؒ ج ۴ ص ۸۱، کنز العمال ج ۷ ص ۴۵

اتفاق سے ہمارے ہاں باشندگانِ جزیرہ میں سے ایک نصرانی آیا اور معبد بنا کر رہنے لگا۔ میں اس وقت مدرسے میں فارسی کی کوئی کتاب پڑھا کرتا تھا اور ایک لڑکا ہمیشہ میرے ساتھ مدرسے آیا جایا کرتا تھا۔ جب وہ مجھے سکول ساتھ لے جانے کے لئے آتا تو ہمیشہ گھر سے مار کھا کر آتا اور راستے میں روتا رہتا۔ ایک روز میں نے پوچھ لیا کہ تم روتے کیوں رہتے ہو۔ کہنے لگا کہ میرے والدین میری پٹائی کرتے رہتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب سے یہ معبد والا آیا ہے میں اسے ملنے جاتا ہوں۔ تم بھی اگر اس کے پاس چلو تو بڑی انوکھی باتیں سن سکو گے۔ میں بھی اس کے ساتھ جانے کے لئے آمادہ ہوگیا۔ وہاں پہنچے تو وہاں انسان کی پیدائش، زمین وآسمان کی تخلیق اور جنت و دوزخ کی ماہیت کے بارے میں واقعی عجیب اور دلچسپ باتیں ہوئیں۔ اب میری آمد ورفت جاری ہوگئی۔ سکول کے دوسرے لڑکوں کو پتہ چلا تو وہ بھی ہمارے ساتھ وہاں جانے لگے بستی والوں نے یہ حال دیکھا تو اس نصرانی کے پاس جا دھمکے اور اسے بُرا بھلا کہنے لگے ان کا کہنا یہ تھا کہ تم ہمارے لڑکوں کو بگاڑ رہے ہو۔[1]

بعینہٖ ایسا ہی الزام معلمِ اخلاق سقراط پر ان کے ہم وطنوں نے لگایا تھا حالانکہ وہ نوجوانوں کے اخلاق سنوارنے کی بے لوث خدمت سرانجام دے رہے تھے۔

ع ما اشبہ اللیلۃ بالبارحۃ

تیسری روایت یہ ہے کہ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ میں شہر رامہرمز کا ایک یتیم لڑکا تھا۔ اسی شہر کے دہقان کا بیٹا ایک معلم کے ہاں تحصیلِ علم کے لئے جایا کرتا تھا میں بھی اس کے ساتھ ہو لیا تا کہ میں بھی استاد سے مستفید ہو سکوں۔ میرا ایک بھائی تھا جو مجھ سے بڑا تھا لیکن تھا بالکل بے نیاز۔ اسے اپنے سوا کسی کی پروا نہیں ہوتی تھی جب کہ میں خود چھوٹے سے قد وقامت کا لڑکا تھا۔ جب لڑکے سبق یاد کرنے کی خاطر بکھر جاتے تو وہ لڑکا کپڑے کا سہارا

---

[1] :۔ تفسیر درمنثور ج ۵ ص ۱۱۵، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۳۴۱

لے کر پہاڑ پر چڑھ جاتا جہاں کچھ عیسائی راہب مصروفِ عبادت ہوتے [1]

اس روایت میں حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یتیم ہونے کا تذکرہ ہے حالانکہ دوسری روایات اس کے خلاف ہیں۔ البتہ ان کے ایک بھائی کے ہونے کا جہاں تک تعلق ہے تو اس کی تائید سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے منسوب ایک فرمان سے ہوتی ہے۔ یہ فرمان سرخ رنگ کے چمڑے پر حضرت علی ابن ابی طالبؓ کے قلم سے ہے اور اسے ۱۸۵۱ء میں بمبئی (انڈیا) سے رئیس اعظم مجوس سر جمشید جیتجی بھائی نے ظاہر کیا تھا۔ اس فرمان میں حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی کا نام مہدی فردح ابن شخسان بیان کیا گیا ہے ملاحظہ ہو [1]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جن عیسائی علماء سے حضرت سلمانؓ کی نشست و برخاست رہی وہ تثلیث کی بجائے عقیدۂ توحید کے قائل تھے چنانچہ حضرت سلمانؓ کا میلان توحید کی طرف بڑھتا گیا اور شرک سے انھیں نفرت ہوگئی۔ اس حقیقت کا انکشاف اس روایت سے بخوبی ہوتا ہے۔ حضرت سلمانؓ کہتے ہیں کہ میں جیّ کا رہنے والا تھا اور میرے بستی والے ابلق گھوڑوں کی پرستش کیا کرتے تھے حالانکہ میں اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ عقیدہ غلط اور بے بنیاد ہے" [2]

رفتہ رفتہ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر یہ حقیقت اجاگر ہوتی جا رہی تھی کہ مجوسیت روحانی معاملات اور مسائلِ حیات کے حل میں مکمل رہنمائی کرنے سے قاصر ہے اور یہ مقصد یقیناً کوئی الہامی مذہب ہی پورا کر سکتا ہے چنانچہ بہتر مذہب کی طلب اور جستجو پیدا ہوئی۔

حضرت ابوالطفیل البکری حضرت سلمانؓ سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا،

---

[1] :- مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۹۹

[2] :- سیاسی وثیقہ جات ص ۳۳۱

[3] :- حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۹۰، مستدرک حاکم ج ۳ ص ۶۰۳

میں اہلِ جیّ میں سے ایک شخص تھا۔ ابھی اثنا میں اچانک اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ بات ڈال دی کہ یہ معلوم کروں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے۔ اس سلسلے میں میں ایک ایسے شخص سے جا ملا کہ جو لوگوں سے الگ تھلگ رہتا تھا اور بالعموم خاموش رہا کرتا تھا۔ میں نے اس سے دریافت کیا کہ کونسا دین افضل ہے۔ یہ سن کر وہ کہنے لگا کہ آپ کو ایسی باتوں سے کیا سروکار؟ کیا تم اپنا آبائی دین چھوڑ کر کوئی اور دین اختیار کرنا چاہتے ہو؟ میں نے جواباً کہا نہیں ایسی بات تو نہیں البتہ اتنا ضرور ہے کہ میں ارض وسما کے پالنے والے کی معرفت حاصل کرنا چاہتا ہوں اور بہتر دین معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ اس پر وہ کہنے لگا کہ میری معلومات کے مطابق تمھیں موصل میں ایک راہب کے پاس جانا چاہیئے۔ وہیں تمھاری مشکل حل ہو گی[۱]

○

تلاشِ حق کی سرگذشت

ابن اسحاق حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت بیان کرتے ہیں اور یہی روایت امام احمد بن حنبلؒ نے بھی اپنی المسند میں درج فرمائی ہے کہ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اصفہان کی بستی جیّ کا رہنے والا ایرانی شخص تھا۔ میرا باپ بستی کا دہقان تھا اور میں انھیں سارے جہاں سے عزیز تھا۔ ان کی اس بے پناہ محبت نے مجھے گھر کی چار دیواری میں مقیّد کر کے رکھ دیا۔ بعینہٖ اسی طرح جس طرح لڑکیاں گھروں میں بند ہوتی ہیں۔ میرے والد کی اس علاقے میں بہت بڑی جاگیر تھی۔ ایک روز جب کہ ہمارے مکان کی تعمیر ہو رہی تھی اور والد صاحب اس کام میں مصروف تھے، انھوں نے مجھے فرمایا جانِ پدر! میں آج اس کام میں مشغول ہوں لہٰذا

۱: حلیۃ الاولیاء ج ۱ صـ ۱۹۳، مجمع الزوائد ج ۹ صـ ۳۳۹

تم جاگیر کی طرف چلے جاؤ۔ وہاں دیکھ بھال کرنا اور یہ یہ کام سرانجام دے آنا۔ لیکن یاد رکھو وہاں جا کر دیر نہ لگانا اور ٹھہر نہ جانا ورنہ مجھے پریشانی لاحق رہے گی کیونکہ تم جانتے ہی ہو کہ تم مجھے جاگیر سے زیادہ عزیز ہو۔

نمازِ نصاریٰ کا مشاہدہ

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں والد کے حکم کے مطابق جاگیر کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستے میں میرا گزر عیسائیوں کے ایک گرجے پر ہوا۔ میرے کانوں میں ان کی آوازیں پڑیں۔ درحقیقت وہ لوگ نماز پڑھ رہے تھے۔ مجھے چونکہ گھر سے باہر نکلنے کا زیادہ موقع نہیں ملا تھا اس لئے مجھے عیسائیوں کے طریقۂ نماز کی خبر نہیں تھی۔ آوازیں سن کر مجھ میں تجسس پیدا ہوا اور ان کے پاس جا کر انھیں نماز پڑھتے دیکھنے لگا۔ جب ان کی نماز دیکھ چکا تو وہ نماز مجھے واقعی عجیب اور اچھی لگی۔ اب مجھے ان کے مذہب کے بارے میں دلچسپی پیدا ہو گئی اور میں دل ہی دل میں کہنے لگا بخدا یہ مذہب یقیناً ہمارے مذہب سے بہتر ہے۔ میں اس روز عیسائیوں کے پاس ٹھہرا رہا حتیٰ کہ سورج ڈوب گیا اور رات کی تاریکی پھیلنے لگی۔

مختلف مذاہب کی نمازیں اور ان کا فرق

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سرگذشت بیان کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختلف مذاہب کی نمازوں کا جائزہ لیا جائے۔

مجوسیت میں نماز آگ کے سامنے بیٹھ کر چند کلمات دہرانے کا نام ہے۔ اس میں نہ قیام ہے اور نہ رکوع و سجود۔ نماز کا لفظ غالباً نم اور آز سے مل کر بنا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اس طریقۂ عبادت کے ذریعے حرص و ہوس کی آگ بجھا دی جاتی ہے۔ کلماتِ نماز قدیم زبان اوستائی میں تھے جس کا مفہوم سمجھنا عہدِ سلمان رضی میں آسان نہ تھا۔ جب کہ عیسائیوں کی نماز کے کلمات

اس ملک کی مروجہ زبان میں اور قابل فہم تھے۔ نمازِ نصاریٰ میں نماز مجوس کے مقابلے میں قعود و قیام کی کیفیت ہے یعنی عیسائی دوزانو ہو کر اور کھڑے ہو کر نماز و دعا پڑھتے ہیں حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کلمات اور ہیئت دونوں نے متاثر کیا ہوگا۔ ان کی نگاہ سے ابھی مسلمانوں کا طریقۂ نماز۔صلوٰۃ نہیں گزرا تھا جو تمام مذاہب سے افضل و برتر ہے۔ دوسرے مذاہب میں کہیں قیام ہے تو رکوع نہیں، رکوع ہے تو سجود نہیں، قعود ہے تو قیام نہیں۔ اسلام اور صرف اسلام کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس کی نماز میں قیام وقعود اور رکوع و سجود ہیں سجدہ کرنا اور صرف معبود حقیقی کو کرنا مسلمانوں کا امتیازی نشان ہے۔ عجز و تواضع کی انتہا اور عبودیت اور عبادت کا منتہائے کمال یہ ہے کہ بندہ اپنے پروردگار کے سامنے سربسجود ہو جائے۔

تبدیلی مذہب

ابن اسحاق کی روایت ہے کہ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میری منزل مقصود تو جاگیر تھی لیکن اب میری منزل بدل گئی تھی لہٰذا جاگیر کی طرف جانے کا خیال ترک کر دیا۔ عیسائیوں سے دریافت کیا کہ تمہارے مذہب کا سرچشمہ کہاں پر ہے۔ وہ کہنے لگے کہ وہ تو شام میں ہے۔ رات گئے گھر پہنچا تو والد صاحب کو بڑا پریشان پایا۔ میں شام تک گھر نہ آیا تو انھوں نے میری تلاش میں آدمی روانہ کر دیئے تھے۔ آتے ہی بازپرس شروع ہو گئی۔ والد صاحب کہنے لگے بیٹے بتاؤ تو سہی تم اتنی دیر کہاں رہے ہو حالانکہ میں نے تمھیں جلد واپس آجانے کی تاکید بھی کی تھی۔ میں نے عرض کیا ابا جان! بات دراصل یہ ہوئی کہ جاگیر کی طرف جاتے وقت راہ میں کچھ لوگوں کو دیکھا کہ اپنی عبادت گاہ گرجے میں نماز پڑھ رہے ہیں میں وہیں ٹھہرا رہا اور ان کی عبادت کا مشاہدہ کرتا رہا۔ ان کی نماز مجھے بڑی اچھی اور بڑی بھلی لگی۔ بخدا انہی لوگوں کے پاس رہا حتیٰ کہ آفتاب عالمتاب غروب ہو گیا اور رات ہو گئی۔ اس وجہ سے

نہ جاگیر کی طرف نہ جاسکا اور واپس آنے میں بھی تاخیر ہو گئی۔ یہ سن کر والد صاحب کہنے لگے پیارے بیٹے! اس مذہب میں قطعاً کوئی بھلائی نہیں۔ تیرا اپنا اور تیرے باپ دادے کا مذہب اس مذہب سے کہیں بہتر ہے۔ میں نے اختلاف کی جرات کی اور کہنے لگا، نہیں، خدا کی بزرگ و برتر کی قسم وہ مذہب یقیناً ہمارے مذہب سے اچھا اور بہتر ہے۔

ابتلا و آزمائش

ایرانیوں اور رومیوں میں صدیوں سے دشمنی چلی آرہی تھی۔ اس لئے کسی ایرانی کا عیسائیت قبول کرنا ایرانیوں کے نزدیک ناقابل برداشت جرم تھا کیونکہ یہ ان کے دشمن رومیوں کا مذہب تھا۔ ویسے بھی آبائی مذہب کی تبدیلی کسی معاشرے میں کبھی پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد نے اپنے بیٹے سے انتہائی محبت کے باوجود اس تبدیلی مذہب کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہیں کیا بلکہ حضرت سلمانؓ کو ابتلاء و آزمائش سے دوچار ہونا پڑا۔ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی بلاکشی کی روداد سناتے ہوئے کہتے ہیں کہ میرے باپ میری مذہب کی تبدیلی پر نہ صرف سخت سست کہا بلکہ ڈرایا اور دھمکایا بھی۔ پھر میرے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی گئیں اور مجھے گھر میں قید کر دیا گیا۔

روانگی شام

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ گو میں پابند سلاسل تھا تاہم کسی نہ کسی طرح ایک شخص کے ذریعے نصرانیوں کو کہلا بھیجا کہ جب شام سے کوئی قافلے والے سوار آئیں تو مجھے خبر کر دینا۔ اتفاقاً انہی دنوں ان لوگوں کے پاس شام سے کچھ نصرانی تاجر آنکلے اور گرجے والوں نے مجھے ان کی آمد کی اطلاع دی۔ میں نے جواباً کہلا بھیجا کہ جب وہ اپنی ضروریات

پوری کر چکیں اور ان کا وطن واپسی کا ارادہ ہو تو مجھے بتلا دینا۔ چنانچہ جب وہ تاجر واپس جانے لگے اور مجھے اطلاع ملی فوراً اپنے پاؤں سے بیڑیاں نکال لیں اور چھپتے چھپاتے ان سے جا ملا۔ ہمارا سفرِ شام شروع ہوگیا۔ کئی دن کی مسافت طے کرنے کے بعد ہم شام پہنچے۔ وہاں پہنچتے ہی میں نے لوگوں سے پوچھنا شروع کیا کہ یہاں علم و فضل کے اعتبار سے سب سے بڑا شخص کون ہے۔ لوگوں نے گرجے میں رہنے والے بڑے پادری (اسقف) کی نشاندہی کی۔ میں اس کے پاس پہنچا اور ان سے گذارش کی کہ میں تمہارے اس مذہب سے رغبت رکھتا ہوں، میری خواہش ہے کہ تمہاری صحبت میں رہ کر تمہاری اور کلیسا کی خدمت کروں۔ تم سے علم و تربیت حاصل کروں اور تمہارے ساتھ نماز پڑھنے کی سعادت حاصل کروں۔ اسقف نے بڑی خوشی سے مجھے اپنے پاس ٹھہرنے کی اجازت دے دی۔

عالم ریاکار اور زاہد دنیا دار

میں بڑی امیدیں لے کر یہاں آیا تھا لیکن یہاں آکر مجھے بڑی مایوسی ہوئی کیونکہ یہ اسقف بہت بُرا آدمی تھا جیسا کہ بعد کے واقعات نے ثابت کیا۔ اس کا وتیرہ یہ تھا کہ لوگوں کو زور شور سے صدقہ و خیرات کرنے کی ترغیب دیا کرتا تھا۔ لوگ اسے قابلِ اعتماد اور خدا ترس سمجھتے ہوئے غریبوں کی امداد کرنے کے لئے اس کے پاس مال جمع کراتے رہتے تھے لیکن وہ مسکینوں کو ایک کوڑی تک نہ دیتا تھا۔ سب کچھ اپنے لئے جمع کر لیتا تھا۔ ہوتے ہوتے اس کے پاس درہم و دینار سے سات مٹکے بھر گئے۔

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ اس کی اس حرکت کو دیکھ کر مجھے اس سے شدید نفرت ہوگئی۔ لیکن میں مجبور تھا کرتا تو آخر کیا کرتا۔ کچھ عرصہ بعد روحانی کوفت ختم ہوگئی کیونکہ وہ شخص مرگیا۔ دور و نزدیک سے عیسائی اس کی رسوم تدفین میں شرکت کے لئے اکٹھے ہوئے اس موقع پر میں لوگوں کو یہ بتائے بغیر نہ رہ سکا کہ یہ شخص اچھا نہیں تھا۔ یہ تمہیں تو صدقہ کا حکم دیا

کرتا تھا اور جب تم لوگ اموالِ صدقہ اس کے پاس لے آتے تھے تو وہ خود اپنے لئے ذخیرہ کر لیتا تھا اور مسکینوں کو کچھ دینے کا روادار نہ تھا۔

وہ سب حیران ہو کر مجھے پوچھنے لگے کہ تمھیں اس بات کا کیسے پتہ چلا ہے میں نے جواب دیا آؤ سب کچھ تمھیں دکھائے دیتا ہوں، پھر میں نے انھیں وہ جگہ دکھائی جہاں اس نے درہم و دینار اور سونا چاندی جمع کر رکھے تھے۔ پورے سات مٹکے سیم و زر کے بھرے ہوئے برآمد ہوئے۔ جب انھوں نے یہ منظر دیکھا تو اس اسقف کی حقیقت ان پر آشکار ہوئی تو وہ سب قسمیں کھا کر کہنے لگے کہ اس بدبخت کو ہم ہرگز دفن نہیں کریں گے، چنانچہ انھوں نے اس کی نعش کو صلیب پر لٹکا کر سنگسار کیا۔

اس کے بعد انھوں نے اسقف کے عہدے کے ایک اور آدمی کا انتخاب کیا اور وہ عالم اس مسند کی زینت بنا۔

اسقف صالح

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ یہ آدمی بڑا نیک اور پارسا تھا شب و روز عبادتِ الٰہی میں مشغول رہتا تھا۔ میری نگاہوں سے اس سے بہتر کوئی نمازی، ان سے بڑھ کر دنیا میں زاہد اور ان سے زیادہ آخرت کی رغبت رکھنے والا کوئی شخص اس سے پہلے کبھی نہیں گزرا تھا۔ مجھے اس کے ساتھ اس قدر محبت ہو گئی کہ اتنی محبت کبھی کسی سے نہیں ہوئی تھی۔ مدتوں میں اس کے ساتھ رہا اور کسبِ فیض کرتا رہا، آخر ان کا وقتِ وفات قریب ہوا۔ اس پر میں نے سے عرض کی۔ استاذ مکرم! میں عرصہ سے آپ کی صحبت میں رہا ہوں۔ مجھے جس قدر آپ سے محبت و عقیدت ہے وہ شاید ہی کسی سے ہو۔ اب آپ کا وقتِ آخر آن پہنچا ہے۔

فرمایئے میرے لئے کیا حکم ہے؟ وصیت فرمایئے کہ میں کہاں اور کس کے پاس

جاؤں؟

یہ سن کر فرمانے لگے پیارے بیٹے! دین کی جس سچی تعلیم پر میں کار بند تھا بخدا اس پر تو شاید کوئی بھی باقی نہیں رہا۔ ایسے لوگ تو چل بسے جو سچے مذہب کے پیرو تھے۔ باقی جو رہ گئے ہیں وہ بہتیرے اصولوں کو سرے سے چھوڑ بیٹھے ہیں۔ افسوس ان لوگوں نے دین میں اتنی تبدیلیاں کر لی ہیں کہ اصل دین تو کہیں دکھائی ہی نہیں دیتا۔ ہاں ایک شخص جو میرے عقیدے اور مسلک پر ہے وہ فلاں شخص ہے اور وہ مُوصِل شہر میں رہتا ہے۔ اس لئے میرے بعد تم اسی سے جا ملنا۔ میرا سلام کہنا اور ان کی خدمت میں جا رہنا۔

مُوصِل میں قیام

مُوْصِلْ (میم کی زبر اور صاد کی زیر کے ساتھ) بڑا مشہور شہر ہے۔ یہ عراق کا دروازہ اور خراسان کی کنجی سمجھا جاتا ہے۔ یہ شہر الجزیرہ اور عراق سے ملا ہوا ہے اس لئے اس کا نام موصل (ملاپ کرانے والا) پڑ گیا۔

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب وہ اسقف صالح وفات پا گئے اور انھیں دفن کر دیا گیا تو میں موصل والے بزرگ سے جا ملا۔ اس سے مل کر عرض کیا کہ فلاں بزرگ نے دمِ واپسیں آپ سے ملنے کی وصیت کی تھی اور انھوں نے مجھے یہ بھی بتایا تھا کہ آپ بھی انہی کے مسلک پر ہیں۔ اس بزرگ نے میری باتیں سنیں اور اپنے ہاں قیام کی اجازت دے دی۔ وہ بڑے اچھے انسان تھے اور واقعی وہ بھی اپنے مرحوم ساتھی کے مذہب اور مسلک پر قائم تھے۔ میرے قیام کو زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا کہ ان کا بھی وصال ہو گیا۔ بسترِ مرگ پر فرشتۂ اجل کا انتظار کر رہے تھے۔ میں نے التجا کی کہ اپنے شاگرد کو یہ تو بتاتے جائیں کہ وہ فیضِ صحبت اٹھانے کے لئے اب کس کے پاس جائے۔

فرمانے لگے بیٹا! خدا گواہ ہے کہ میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا کہ جو ہمارے عقیدے پر ثابت قدم ہو سوائے نصیبین کے ایک شخص کے۔ اور وہ فلاں شخص ہے۔ اسی سے جا کر ملاقات کرو۔

نصّیبین میں رہائش

نصیبین الجزیرہ کے شہروں میں سے ایک شہر ہے جو موصل سے شام جانے والے قافلوں کے راستے میں آتا ہے۔ اس شہر اور موصل کے درمیان چھ روز کی مسافت تھی حضرت سلمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب موصل والے بزرگ وفات پا گئے تو میں نصیبین والے بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انھیں اپنا سارا حال کہہ سنایا اور انھیں موصل والے استاد کی وصیت بتائی۔ وہ سن کر فرمانے لگے اچھا میرے پاس ٹھہر جاؤ۔ چنانچہ میں ان کے ہاں ٹھہر گیا۔ اس بزرگ کو میں نے ویسا ہی پایا جیسا کہ مجھ سے بیان کیا گیا تھا۔ لیکن افسوس ان سے بھی زیادہ عرصہ فیض اٹھانے کا موقع نہ مل سکا کیونکہ جلد ہی ان کا پیمانہ عمر لبریز ہو گیا۔ میں نے اشکبار ہو کر عرض کیا میرے محترم! فلاں بزرگ نے مجھے فلاں بزرگ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے کہا تھا اور اس بزرگ نے مجھے آپ کے ہاں بھیجا۔ اب آپ بھی دنیا سے رختِ سفر باندھ رہے ہیں۔ بتائیے میرے لئے کیا حکم ہے۔ جاؤں تو کس کے پاس جاؤں۔ فرمانے لگے خدا کی قسم! میرے علم میں تو کوئی شخص اب باقی نہیں رہا جو دینِ حق کی اصل تعلیمات پر کاربند ہو۔ ہاں ایک شخص سرزمین روم کے شہر عموریہ میں ضرور موجود ہے۔ پسند کرو تو اس کے پاس چلے جانا۔ یہ کہہ کر انھوں نے اپنی جانِ شیریں جان آفریں کے سپرد کر دی۔ شہر عمّوریہ، ملک ترکیہ کے علاقہ اناطول میں استنبول کے پاس واقع تھا۔

عمّوریہ میں اقامت حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ان کی وفات

حضرت آیات کے بعد میں عازمِ عموریہ ہوا۔ اپنے حالات سنائے اور پھر ان کی خدمت میں دل و جاں سے مصروف ہو گیا۔ وہاں رہ کر میں نے کاروبار تجارت بھی شروع کر دیا چنانچہ میرے پاس کافی بھیڑ بکریاں ہو گئیں۔ پھر اس بزرگ کے لئے پیغامِ اجل آ گیا۔ میں نے انھیں کسی اور بزرگ کی طرف رہنمائی کرنے کے لئے کہا تو فرمانے لگے کہ میرے خیال میں تو ہمارے عقیدے (توحید) کا ایک فرد بھی اب روئے زمین پر زندہ نہیں رہا کہ اس کے پاس جانے کی ہدایت کروں۔ البتہ ایک پیغمبر کے ظہور کا وقت قریب آ گیا ہے۔ وہ پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین و ملت پر مبعوث ہو گا۔ ان کا ظہور سرزمینِ عرب سے ہو گا پھر وہ ایسے مقام کی طرف ہجرت کرے گا کہ جو دو حَرّتوں (سیاہ سنگلاخ میدانوں) کے درمیان واقع ہے اور وہاں کھجور کے درخت ہیں۔

مقام کا تعین

اس روایت سے واضح ہوتا ہے کہ مقامِ ہجرت دو حَرّتوں کے درمیان ہو گا۔ حَرّہ اس میدان کو کہتے ہیں جہاں کے پتھر جل گئے ہوں۔ ایسے میدان مدینہ منورہ کے مشرق اور مغرب دونوں طرف شمالاً جنوباً ملتے ہیں۔ اسی طرح اس شہر میں نخلستان کی بھی کثرت ہے۔

علاماتِ خاتم النبیین

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ اس بزرگ نے مزید یہ فرمایا کہ اس پیغمبر کی نبوت کی علامتیں واضح ہوں گی وہ ہدیہ قبول کرے گا لیکن صدقہ نہیں کھائے گا اور ان کے دونوں کندھوں کے درمیان مہرِ نبوت ہو گی۔ اگر تم سے ہو سکے تو ان علاقوں میں چلے جاؤ اور ہدایت کا بہرۂ وافر پاؤ۔

دادیم ترا ز گنجِ مقصود نشان
گر ما نرسیدیم تو شاید برسی

بنی کلب کی بدعہدی

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ اپنی داستان بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس بزرگ کی رحلت کے بعد جب تک خدا نے چاہا میں عموریہ میں ٹھہرا رہا اور انتظار میں رہا کہ ملک عرب کی طرف جانے کی کوئی سبیل پیدا ہو جائے۔ بالآخر قبیلہ کلب کے کچھ تاجروں کا گزر میرے پاس سے ہوا۔ میں نے ان سے التجا کی کہ میری بھیڑ بکریاں لے لو اور مجھے اپنے ساتھ اپنے ملک لے چلو۔ وہ مان گئے اور اپنے ساتھ مجھے بھی سوار کر لیا۔ جب ہم وادی القریٰ میں پہنچے تو ان کی نیت میں فتور آگیا۔ میری بھیڑ بکریاں تو لے ہی چکے تھے مجھ پر مزید یہ ستم ڈھایا کہ ایک یہودی کے ہاتھ غلام بنا کر فروخت کر دیا۔

وادی القریٰ کا عہدِ غلامی

وادی القریٰ یہودیوں سے آباد ایک بستی تھی جو مدینے سے شام کے راستے پر واقع ہے۔ شتر سوار مدینہ سے اس بستی میں چھ سات روز میں پہنچ جاتا ہے[1]

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اب میں اس یہودی کا زر خرید غلام تھا اور وادی القریٰ میں زندگی کے بھلے بُرے دن گزار رہا تھا۔ البتہ یہ دیکھ کر مجھے یک گونہ اطمینان ہوا تھا کہ اس بستی میں کھجور کے درخت ضرور موجود ہیں۔ اس سے یہ آس بندھتی تھی کہ شاید یہی وہ سرزمین ہے جس کا تذکرہ میرے بزرگ نے وصیت میں فرمایا تھا۔

---

[1] :- وفا الوفا صہ ۳۲۸

وادی القریٰ میں رہتے ہوئے کچھ عرصہ گزرا تھا کہ اتنے میں میرے یہودی آقا کا چچازاد بھائی ادھر آنکلا۔ اس نے مجھے محنت کے ساتھ کام کرتے دیکھا تو اس نے مجھے خرید لیا اور یثرب (مدینہ منورہ) لے آیا۔ میرا یہ آقا بھی یہودی تھا اور بنی قریظہ میں سے تھا۔

مدینہ منورہ میں قیام

مدینہ منورہ میں آنے کے بعد میں نے اس شہر کو بغور دیکھا تو اپنے بزرگ کی بتائی ہوئی نشانیوں سے اچھی طرح پہچان لیا کہ واقعی یہی وہ شہر ہے کہ جو پیغمبر آخر الزمان کا دار الہجرۃ ہے۔ اب میرا قیام مدینہ منورہ میں تھا۔ اسی اثنا میں پیغمبر اسلام علیہ والہ السلام کی مکہ مکرمہ میں بعثت ہوئی اور وہ ایک عرصہ تک مکے میں ٹھہرے رہے۔ میں چونکہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا اس لئے مجھے آنحضرتؐ کے بارے میں کچھ زیادہ معلوم نہ ہو سکا۔

آنحضرتؐ کا قبا میں ورود مسعود

قبا مدینہ منورہ سے دو تین میل کے فاصلے پر ایک بستی ہے۔ مدینہ سے مکہ جاتے ہوئے بائیں طرف یہ بستی آتی ہے۔ اصل میں یہ ایک کنویں کا نام تھا۔ یہاں انصار میں سے بنی عمرو بن عوف کے مکانات تھے۔ اس کے تھوڑے فاصلے پر بنی قریظہ کا نخلستان واقع تھا۔[1]

حضرت سلمانؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے قبا میں تشریف لے آئے میں اس وقت اپنے آقا کے نخلستان میں پھل سے لدے ایک کھجور کے درخت کی چوٹی پر چڑھا ہوا تھا۔ میرے آقا نے مجھے کوئی کام (مثلاً پکی ہوئی کھجوروں پر

---

[1] ۔ معجم البلدان تحت مادہ

کپڑا اچڑھانا یا انھیں توڑنا، بتایا تھا وہی کام میں کر رہا تھا۔ میرا آقا خود نیچے بیٹھا ہوا تھا۔ اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ میرے آقا کا ایک چچازاد بھائی تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ہماری طرف آ رہا ہے آتے ہی اس نے بنی قیلہ (انصار) کو بددعا دے کر کہنا شروع کیا کہ وہ سارے قبا میں ایک شخص کے پاس جمع ہو رہے ہیں کہ جو آج مکہ سے آیا ہے۔ وہ لوگ سمجھتے ہیں کہ بے شک وہ خدا کا پیغمبر ہے۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کا اشتیاق واضطراب

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ جب میں نے اس سے یہ خبر سنی تو مجھ پر کپکپی سی طاری ہو گئی حتیٰ کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں میں اپنے آقا کے اوپر درخت سے گر نہ پڑوں چنانچہ فوراً درخت سے اتر آیا اور اپنے آقا کے چچازاد سے پوچھنے لگا۔ آپ ابھی کیا کہہ رہے تھے؟ اور آپ کیا خبر سنا رہے تھے؟ میرے آقا نے میرا یہ اشتیاق دیکھا اور میری باتیں سنیں تو غصے میں آگیا اور مجھے زور کا طمانچہ دے مارا۔ پھر مجھے ڈانٹ کر کہنے لگا تمھیں ان باتوں سے کیا غرض؟ جاؤ اور جا کر اپنا کام کرو۔ جواب میں، میں نے صرف اتنا کہا کہ اور تو کچھ نہیں، میں تو محض یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ جو کچھ انھوں نے کہا ہے وہ درست ہے یا نہیں۔

ابن ہشام بنی قیلہ کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بنی قیلہ انصار کو کہتے ہیں کیونکہ قیلہ اوس اور خزرج کی ماں کا نام تھا۔

بارگاہِ رسالت میں صدقہ پیش کرنا

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ جب رات ہوئی تو میں کھانے کی کوئی چیز لے کر جو میں نے جمع کر رکھی تھی بارگاہ رسالتؐ میں حاضر ہوا۔ آپ قبا میں تشریف

فرماتھے (غالباً حضرت کلثوم بن الہدمؓ کے گھر) جاتے ہی میں نے عرض کیا حضور! مجھے خبر ملی ہے کہ آپ نیک آدمی ہیں اور آپ کے ساتھ آپ کے کچھ غریب اور حاجت مند ساتھی بھی ہیں۔ یہ چیز آپ لوگوں کے لئے صدقے کے طور پر لے کر حاضر ہوا ہوں۔ میرے خیال میں آپ لوگوں سے بڑھ کر اور کوئی حق دار نہیں۔ یہ سن کر آنحضرت نے اپنے ساتھیوں سے کھانے کے لئے فرمایا لیکن خود کچھ نہیں کھایا۔ پس یہ دیکھ کر میں اپنے دل میں کہنے لگا کہ ایک علامت تو پوری ہوگئی۔ اس کے بعد میں واپس چلا آیا۔

آنحضرتؐ کی مدینہ میں آمد

قبا میں ہفتہ عشرہ ٹھہرنے کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ مشتاقانِ دید عرصہ سے چشم براہ تھے۔ حضور پُر نورؐ کے رخِ انور کو دیکھا تو خوشی سے جھوم اٹھے۔ وہ خوش تھے کہ مدت کے بعد ان کی آرزوئیں پوری ہوئی تھیں۔ اسی طرح حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تمنا پوری ہونے کے دن بھی قریب آگئے تھے۔ ان کی برسوں کی سعی مسلسل بار آور ہونے والی تھی۔

سلمانؓ کا ہدیہ پیش کرنا

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے پھر کھانے کی چیز جمع کی اور اسے لے کر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ آپ اس اثنا میں مدینہ جا چکے تھے۔ ہدیہ پیش کرتے ہوئے عرض کیا حضور! میں نے دیکھا ہے کہ آپ صدقہ نہیں کھاتے اس لئے آپ کے اعزاز میں یہ ہدیہ لایا ہوں۔ از رہِ کرم اسے قبول فرمائیے اور غلام کی عزت بڑھائیے۔ حضرت سلمانؓ کا بیان ہے کہ آنحضرتؐ نے خود بھی کھایا اور اپنے صحابہ کو بھی شریک دعوت فرمایا۔ یہ دیکھ کر میں نے دل میں کہا کہ دو نشانیاں تو پوری ہوگئیں۔

کھانے کی کیا چیز پیش کی گئی؟

حضرت ابو الطفیلؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہدیے اور صدقے کے طور پر خشک کھجوریں (تمر) پیش کی گئی تھیں جب کہ حضرت بریدہؓ کی روایت میں ہے کہ حضرت سلمانؓ ایک دسترخوان پر تازہ کھجوریں (رطب) سجا کر لائے تھے۔ ملاحظہ ہو[1]

تاریخ ۱ھ کی روشنی میں جب ہجرت کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ وارد ہوئے حضرت عبداللہ بن سلام نخلستان میں فصل خریف کا پکا ہوا پھل چن رہے تھے جیسا کہ بخاری شریف کی ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے۔ لہٰذا امکان اسی بات کا ہے کہ تازہ پکی ہوئی کھجوریں یعنی رطب پیش کی گئی ہوں گی۔ علامہ سمہودی کی یہ روایت بھی اسی مؤقف کی توثیق کرتی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ جب حضرت کلثوم بن الہدمؓ کے ہاں قبا میں اترے تو ان کے غلام نجیح نے رطب (تازہ کھجوریں) پیش کی تھیں۔[2]

البتہ اتنا ضرور ہے کہ یہ رطب پچھیتی فصل کی ہوں گی۔

ابو قرہ الکندیؒ کی روایت میں پکے ہوئے کھانے کا ذکر ہے اور کچھ تفصیل بھی ہے۔ اس کے مطابق حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک خاتون کا غلام تھا۔ جب لوگوں کو پیغمبر اسلامؐ کا تذکرہ کرتے سنا تو اپنی مالکہ سے ایک روز کی چھٹی لی، جنگل میں جا کر لکڑیاں کاٹیں، شہر میں لایا اور انہیں فروخت کیا۔ جو رقم ملی اس سے کھانا تیار کیا اور آنحضرتؐ کے سامنے بطور صدقہ پیش کیا۔ آنحضرتؐ نے نہیں کھایا البتہ صحابہ کو کھانے کی اجازت دے دی۔ دوسری دفعہ پھر اسی طرح کیا۔ اس دفعہ کچھ زیادہ قیمت پر لکڑیاں بیچیں اور کھانا لے

---

[1]: مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۳۶، شمائل ترمذی ص ۵۶۹

[2]: وفا الوفا ص ۲۴۵۰

آیا اور وضاحت کی کہ یہ ہدیے کے طور پر ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتھیوں سے فرمایا بسم اللہ کھانا تناول کرلو اور خود بھی کھایا۔[1]

ایک اور روایت میں یہ وضاحت موجود ہے کہ حضرت سلمانؓ بیان کرتے ہیں کہ میں بازار میں گیا۔ اونٹ کا گوشت خریدا۔ اسے پکایا اور ایک بڑے پیالے میں ثرید بنا کر اور اپنے کندھوں پر اٹھا کر لایا اور اسے آنحضورؐ کے سامنے پیش کیا۔[2]

حضرت سلمانؓ کا قبولِ اسلام

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ آئے ہوئے تھوڑا عرصہ گزرا تھا کہ حضرت کلثوم بن الہدم انصاریؓ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ ان کی تدفین بقیع الغرقد میں ہوئی۔ ہجرت کے بعد آپ پہلے مسلمان تھے جن کے جنازے میں رحمت دو عالم نے شرکت فرمائی۔ اسی تاریخی روز حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ چنانچہ خود بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام جنازے کی مشایعت سے فارغ ہو کر قبرستان بقیع میں تشریف فرما تھے۔ چاروں طرف صحابہ کرام پروانہ وار فدا ہو رہے تھے۔ میں نے حاضر ہو کر سلام کیا پھر آپ کے گرد پھر کر مہرِ نبوت دیکھنے کی کوشش کرنے لگا۔ آنحضورؐ کے جسمِ اطہر پر دو موٹی موٹی چادریں تھیں۔ ایک آپ اوڑھے ہوئے تھے دوسری کا تہ بند باندھے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے مقصد کو سمجھ گئے چنانچہ انھوں نے پشت مبارک سے چادر ایک طرف ہٹا دی۔ اب میرے سامنے مہرِ نبوت جلوہ گر تھی۔ آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور مہرِ نبوت پر جھک کر عقیدت اور محبت سے بوسے دینے لگا۔ نجانے میں کب تک روتا رہا اور مہر مبارک کو

---

[1]: مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۳۶، مسند احمد ج ۵ ص ۴۳۸

[2]: مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۴۳، تفسیر درمنثور ج ۵ ص ۱۳۲

چومتا رہا۔ پھر رسول اقدس نے مجھے متوجہ کیا اور سامنے آنے کے لئے فرمایا۔ میں حاضر ہوا اور اپنی حدیثِ درد کہہ سنائی۔

قبولِ اسلام اور سرگذشت کی دیگر روایات

مورخینِ اسلام نے ابن اسحاق کی اس طویل روایت کے علاوہ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلاشِ حق کے سلسلے میں کئی اور روایات بھی بیان کی ہیں۔ ان روایات کو اختصار کے ساتھ یہاں درج کرنا یقیناً خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔

روایت حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہؓ

حضرت سلمانؓ فرماتے ہیں کہ میں باشندگان جَیّ میں سے تھا اور میرے اہلِ قصبہ ابلق گھوڑوں کی پرستش کیا کرتے تھے حالانکہ میں اچھی طرح سمجھتا تھا کہ یہ لوگ بے بنیاد مذہب کی پیروی کر رہے ہیں۔ مجھے حق کی تلاش تھی۔ اس سلسلے میں مجھے بتایا گیا کہ یہ گوہرِ مقصود المغرب میں مل سکے گا۔ اسی لئے میں سفر پر نکل کھڑا ہوا اور موصل کی سرزمین پر جا پہنچا۔ وہاں میں نے سب سے بڑے عالم کا پتہ پوچھا۔ لوگوں نے کنیسے میں رہنے والے ایک عالم کا نام بتایا۔ چنانچہ اس کی خدمت میں حاضر ہو کر اسے بتایا کہ میں مشرق سے یہاں بھلائی کی تلاش میں آیا ہوں۔ آپ اجازت دیں تو آپ کی خدمت میں رہ کر آپ سے وہ علم سیکھوں کہ جو اللہ تعالےٰ نے آپ کو عطا کیا ہے۔ انھوں نے اجازت دے دی۔ وہ مجھے تعلیم دیتے تھے اور میں ان کی خدمت میں لگا رہتا تھا۔ ہم باہم خوب شیر و شکر ہو گئے۔ جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا میں ان کی خدمت میں رہا پھر ان کا وقتِ وفات آ گیا۔ میں ان کے سرہانے بیٹھ کر رونے لگا۔

انھوں نے تسلی دی اور فرمایا کہ فلاں مقام پر میرا ایک دینی بھائی رہتا ہے تم انہی کے پاس چلے جانا۔ انھیں میرا سلام کہنا اور ان کے پاس رہنا۔ چنانچہ ان کی وفات کے بعد اس بزرگ کے ہاں چلا گیا۔ کچھ عرصہ بعد ان کا ساتھ بھی چھوٹ گیا۔ مرتے وقت انھوں نے روم کے صدر دروازے پر رہنے والے اپنے ایک ساتھی سے ملنے کی وصیت کی۔ حسب وصیت ان کے پاس گیا اور وہاں کچھ عرصہ رہا پھر وہ بھی چل بسے۔ میں نے رو رو کر مرتے وقت ان سے پوچھا کہ اب میں کہاں جاؤں۔ فرمانے لگے کہیں بھی نہیں کیونکہ میرے علم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصل دین پر کوئی آدمی بھی باقی نہیں رہا۔ ہاں البتہ تہامہ سے ایک نئے نبی کے ظہور کا وقت قریب ہے بلکہ ممکن ہے کہ ان کا ظہور ہو بھی چکا ہو۔ تم یہیں ٹھہرے رہو اور حجاز کے تاجروں کا پتہ کرتے رہو۔ جب وہ آئیں تو پوچھ لینا کہ ان کے ہاں کسی نے دعویٰ نبوت کیا ہے یا نہیں۔ اگر وہ اثبات میں جواب دیں تو وہ وہی نبی پاک ہوں گے جن کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی تھی۔ ان کی نشانیاں یہ ہوں گی کہ ان کے شانوں کے درمیان مہرِ نبوت ہوگی۔ وہ ہدیہ کھائیں گے اور صدقے کو ہاتھ نہ لگائیں گے۔

اسی اثنا میں اہلِ حجاز میں سے کچھ لوگ میرے پاس سے گذرے۔ میں نے ان سے حال پوچھا اور درخواست کی کہ مجھے ساتھ لیتے چلو۔ میں تمھارے بچے کھچے ٹکڑے کھانے اور غلام بننے تک کو تیار ہوں۔

ان میں سے ایک شخص نے مجھے ساتھ لے جانے کی ہامی بھرلی۔ مکہ مکرمہ پہنچا تو وہاں اتفاق سے مجھے ایک ہم وطن خاتون مل گئی۔ میں نے بات چیت کی تو پتہ چلا کہ اس کے آقا کا خاندان مشرف با سلام ہو چکا ہے۔ اسی نے یہ بھی بتایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منہ اندھیرے ایک محفوظ مقام پر اپنے اصحاب کے ساتھ رونق افروز ہوتے ہیں اور سورج کے نکلتے ہی یہ مجلس برخواست ہو جاتی ہے۔ میں اپنے آقا سے پیٹ کی خرابی کا بہانہ کر کے مقررہ وقت پر خدمت اقدس میں حاضر ہو گیا۔ مہرِ نبوت دیکھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

اپنے دل میں کہا اللہ اکبر! یہ پہلی علامت ہے جو صحیح نکلی ہے۔ دوسری رات بھی اسی طرح کیا اور کچھ سوکھی کھجوریں بطور صدقہ لے کر حاضر خدمت ہوا صحابہ کرام نے وہ کھجوریں کھا لیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ نہ بڑھایا۔ یہ دوسری نشانی تھی جو پوری ہوئی۔ اسی طرح تیسری رات کھجوروں کا ہدیہ پیش کیا جو آنحضرت نے خود بھی کھائیں اور صحابہ کو بھی کھلائیں اب ساری علامتیں پوری ہو چکی تھی لہٰذا کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا[1]

حضرت ابوالطفیلؓ کی دوسری روایت

اس روایت میں قریب قریب ابن اسحاق والی روایت کا تتبع کیا گیا ہے۔ اس کے مطابق حضرت سلمان رضی اللہ عنہ موصل، الجزیرہ اور عموریہ میں تیس تیس سال رہے۔ عموریہ کے بزرگ نے اپنی وفات کے وقت وصیت کی کہ حضرت ابراہیمؑ کے گھرانے سے ایک نبی آخر الزمان مبعوث ہونے والا ہے تم اگر ان کے زمانے کو پا سکو تو ان کی صحبت اختیار کرنا ان کی نبوت کی علامتیں یہ ہوں گی کہ ان کے ہم وطن انھیں ساحر، مجنون اور کاہن کہیں گے۔ وہ ہدیہ کھائیں گے لیکن صدقے سے اجتناب کریں گے۔ ان کے شانوں پر مہر نبوت کا نشان ہوگا۔ چنانچہ اس وصیت کے بعد غلام بننے کی شرط پر عرب تاجروں کے ایک کارواں کے ساتھ مدینہ طیبہ پہنچا اور کھجوریں لے کر دوبار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا[2]

ابوقرہؓ الکندیؒ کی روایت

ابوقرہ الکندی حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں

---

[1]: حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۹۰-۱۹۲، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۳۷-۳۳۸

[2]: ایضاً ص ۱۹۳-۱۹۴، ایضاً ص ۳۳۹، ۳۴۰

نے بتایا کہ میں شاہسواران فارس کی اولاد میں سے تھا اور لڑکوں کے سکول میں پڑھتا تھا میرے ساتھ دو اور لڑکے بھی پڑھنے جایا کرتے تھے۔ جب استاد سے رخصت ملتی تو وہ دونوں چپکے سے ایک پادری کے ہاں چلے جاتے۔ ایک روز میں بھی ان کے ساتھ اس پادری کے پاس گیا۔ اس کے بعد وہاں آنا جانا میرا روزمرہ کا معمول بن گیا اور میں ان لڑکوں سے بھی زیادہ اس پادری کا منظورِ نظر بن گیا۔ انھوں نے مجھے سمجھا دیا تھا کہ اگر استاد پوچھے کہ اتنی دیر کہاں رہے ہو تو کہنا کہ گھر والوں نے روک لیا تھا اور اگر گھر والے پوچھیں تو استاد کا نام لے دینا۔ کچھ عرصہ بعد اس پادری نے وہاں سے کوچ کا ارادہ کیا۔ میں بھی ساتھ ہو لیا چلتے چلتے ایک بستی میں جا اترے۔ وہاں ایک عورت ان کے پاس آیا کرتی تھی۔ جب وہ مرنے لگے تو مجھے سرہانے کے پاس زمین کھودنے کا حکم دیا۔ میں نے زمین کھودی، تو چاندی کے سکوں سے بھرا ہوا ایک مٹکا ملا۔ انھوں نے ان درہموں کو اپنے سینے پر بکھیر دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ میں نے ایسا کر دیا۔ جب وہ وفات پا گئے تو مجھے خیال آیا کہ ان دراہم کو ان کے سینے سے ہٹا کر کہیں رکھ دوں پھر سوچا کہ بہتر یہ ہے کہ پہلے عیسائی عالموں اور راہبوں کو ان کے مرنے کی اطلاع دے دوں۔ اطلاع دینے پر وہ سب لوگ آ گئے۔ ان سے میں نے پادری کے ترکے کا تذکرہ کیا تو ایک نوجوان اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ مرحوم میرے والد بزرگوار تھے اور اس ترکے کا میں وارث ہوں۔ جو خاتون ان کے پاس آتی جاتی تھی وہ ان کی کنیز تھی۔ اس موقع پر میں نے راہبوں سے کسی عالم کی طرف رہنمائی کی درخواست کی تاکہ میں اس کی پیروی کر سکوں۔ انھوں نے حمص کے ایک عالم کا نام لیا چنانچہ اس کے پاس چلا گیا اور اپنی سرگذشت سنائی۔ وہ کہنے لگے کہ تمھیں اس مقصد کے لئے ایک اور عالم کے پاس جانا پڑے گا جو ہر سال بیت المقدس میں آیا کرتا ہے۔ اگر تم ابھی روانہ ہو جاؤ تو وہ بزرگ تمھیں بیت المقدس کے دروازے پر ملیں گے۔ ایک گدھا ان کے ساتھ ہو گا۔ میں اسی وقت روانہ ہو گیا۔ وہ بزرگ واقعی اسی جگہ موجود ملے۔ میں نے اپنا قصہ کہہ سنایا۔ سن کر کہنے لگے اچھا آپ یہاں تشریف

رکھیں۔ یہ کہہ کر خود چلے گئے۔ میں وہیں انتظار کرتا رہا حتیٰ کہ پورا سال گزر گیا۔ سال کے بعد ان کی زیارت ہوئی تو میں نے گلہ شکوہ کیا اور کہا بندۂ خدا! مجھ سے آپ نے کیا سلوک کیا؟ انتظار کرتے کرتے سال ہو گیا ہے۔ فرمانے لگے اچھا تو آپ ابھی تک انتظار میں تھے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ تمھارے درد کا درماں میرے علم میں ارض تیما (صحرائے عرب) میں رہنے والے بزرگ ہیں وہی صحیح معنوں میں تمھاری رہنمائی کا حق ادا کر سکتے ہیں۔ اگر اسی وقت عازمِ سفر ہو جاؤ تو امید ہے کہ تمھاری ان سے ضرور ملاقات ہو جائے گی۔ ان کی تین نشانیاں ہوں گی:۔

۱- ہدیہ کھائے گا۔

۲- صدقہ نہیں کھائے گا۔

۳- ان کے دائیں کندھے پر کرتی ہڈی کے پاس جلد کے ہم رنگ کبوتری کے انڈے کے برابر مہرِ نبوت ہو گی[1]

حضرت زید بن صوحان کی روایت

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں رامہرمز کا یتیم تھا اور دہقان شہر کا بیٹا میرا ہم جماعت تھا۔ ہم ایک استاد کے ہاں جایا کرتے تھے۔ جب سبق پڑھ چکتے اور لڑکے اپنا اپنا سبق یاد کرنے کے لئے ادھر اُدھر بکھر جاتے تو میرا وہ ہم جماعت کپڑے کے سہارے پہاڑ پر چڑھ جاتا تھا اور وہاں کہیں چلا جاتا تھا۔ میں نے تقاضا کیا کہ جہاں تم جاتے ہو مجھے بھی ساتھ لے چلو۔ وہ کہنے لگا کہ تم ابھی چھوٹے ہو اس لئے ہو سکتا ہے کہ تم یہ راز کہیں ظاہر نہ کر دو۔ میں نے مکمل رازداری کا یقین دلایا تو اس نے بتایا کہ وہاں پر غاروں میں کچھ لوگ رہتے ہیں جو آخرت کو یاد رکھتے اور ذکر الٰہی کرتے رہتے ہیں۔ وہ ہمیں آتش پرست اور مشرک سمجھتے

---

[1] ۱- طبقات ابن سعد ج ۴ ص ۸۱-۸۲، کنز العمال ج ۷ ص ۴۵

ہیں۔ اجازت ملنے پر وہ مجھے وہاں لے گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہاں چھ سات آدمی رہتے ہیں جن کے بدن عبادت کی کثرت کی وجہ سے کمزور پڑ چکے ہیں۔ وہ دن کو روزہ اور رات کو قیام کرتے ہیں، تھوڑا بہت کھاتے ہیں تو صرف سحر کے وقت۔ ہم ان کی خدمت میں جا بیٹھے تو انھوں نے اللہ کی حمد و ثنا بیان کی پھر انبیائے کرام کا ذکر خیر کیا بالآخر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ کیا اور کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں پیغمبر بنا کر بھیجا تھا۔ وہ اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ، پرندوں کو پیدا، جذامیوں کو تندرست اور مادرزاد اندھوں کو بینا کر دیتے تھے۔ کچھ لوگ ان پر ایمان لائے اور کچھ نے تکذیب کی۔ بے شک وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے وہ ہرگز ہرگز خدا نہیں تھے۔ ان کے ذریعے مخلوق خدا کی آزمائش ہوئی۔

مجھے بطور خاص وعظ و نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ تمھارا ایک پالنے والا ہے۔ اس دنیا کے بعد ایک اور دنیا بھی ہے۔ تمھارے سامنے جنت بھی ہے اور جہنم بھی۔ جو لوگ آگ کے پرستار ہیں بلاشبہ وہ گمراہی کا شکار اور کفر میں مبتلا ہیں۔ اللہ ہرگز ان کے اعمال سے راضی نہیں اور نہ وہ دین حق کے پیرو ہیں۔

اس روز اتنی باتیں سن کر اپنے ہم جماعت کے ساتھ واپس آگیا۔ اگلے روز پھر گیا اور وہاں دعوت و ارشاد کی ویسی ہی باتیں ہوئیں۔ اسی اثنا میں دہقان جو علاقے کا حکمران تھا اسے اپنے بیٹے کے عیسائیوں کے ہاں جانے کی خبر ہو گئی۔ اس نے گھڑ سواروں کے ہمراہ ان عیسائیوں پر چڑھائی کر دی اور حکم دیا کہ وہ تین روز کے اندر اندر ملک سے باہر نکل جائیں ورنہ ان کا گھر بار جلا دیا جائے گا۔ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جب وہ اپنے وطن روانہ ہوئے تو میں ان کے ساتھ ہو لیا۔ وہ برابر مجھے راہ کی دشواریوں اور عبادت کی تکلیفوں کی وجہ سے روکتے رہے لیکن میں بضد رہا۔ ہم چلتے چلتے موصل جا پہنچے۔ وہاں ان کے پاس ایک بزرگ تشریف لے آئے۔ ان لوگوں نے سلام و دعا کے بعد فارس کا حال کہہ سنایا اور میرا بھی تعارف کرا دیا۔ میرے وہ ساتھی اس بزرگ کی بڑی عزت و تکریم کرتے تھے اور وہ بھی

ان سے بڑی محبت سے پیش آتا تھا۔ اس بزرگ نے میرے ساتھیوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصل دین پر کاربند رہنے کی تلقین کی اور یہ پیشکش بھی کی کہ اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو بخوشی لے سکتے ہو۔ انھوں نے مجھے بھی دینِ حق پر ثابت قدم رہنے کی ہدایت کی۔ میں ان کے خلوص سے بہت متاثر ہوا اور ان سے ان کی صحبت میں رہنے کی درخواست کی۔ وہ بزرگ فرمانے لگے عزیزم! تم میں ابھی اتنی ہمت نہیں کہ میرے ساتھ عزلت نشینی کی زندگی بسر کر سکو۔ میرا تو معمول یہ ہے کہ سوائے اتوار کے کبھی باہر نہیں نکلتا۔ میں نے اصرار کیا تو میرے ساتھیوں نے مجھے بار بار سمجھایا کہ ان جیسی زندگی گزارنا تمہارے بس کی بات نہیں لیکن میں بضد رہا تو انھوں نے پاس رہنے کی اجازت دے دی۔ انھوں نے مجھے ہفتہ بھر کی کھانے پینے کی چیزیں ساتھ لے لینے کے لئے فرمایا چنانچہ میں نے خورد و نوش کا سامان لے لیا۔ وہاں جا کر اس بزرگ کی عبادت کا حال دیکھا تو واقعی بڑی حیرانی ہوئی۔ وہ دن رات عبادت میں مصروف رہتے تھے اور کوئی لمحہ یادِ خداوندی سے غافل نہ رہتے تھے۔ اپنے پرانے ساتھیوں سے ہر اتوار کو ملاقات ہوتی رہتی تھی۔ آخر کار ان ساتھیوں نے رختِ سفر باندھا۔ بزرگ نے انھیں نصیحتیں کیں اور فرمایا "عزیز ساتھیو! میں اب بوڑھا ہو چکا ہوں۔ قُویٰ مضمحل ہوتے جا رہے ہیں۔ نجانے کب موت کا فرشتہ آموجود ہو۔ میری نصیحت اور وصیت تم سے یہی ہے کہ آپس میں اتفاق اور اتحاد قائم رکھو اور سچے دین کے پابند رہو۔ زندگی رہی تو تم سے ضرور آملوں گا اور اگر مجھے موت آجائے تو خدا کی ذات حیّ و قیوم ہے۔

یہ سن کر میرے ساتھی رونے لگے روتے روتے جدا ہوئے اور اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔ میں وہیں رہ گیا۔ کچھ عرصہ بعد میرے بزرگ نے بھی بیت المقدس کا سفر اختیار کیا۔ میں ساتھ تھا۔ ہم مسجد اقصیٰ کے صدر دروازے پر پہنچے تو وہاں پاؤں سے معذور ایک شخص بیٹھا تھا۔ اس نے ہمیں دیکھتے ہی سوال کیا لیکن میرے بزرگ نے کوئی توجہ نہ دی اور سیدھے مسجد میں داخل ہو گئے۔ وہاں انھوں نے کونے کونے میں ہر جگہ نمازیں پڑھیں۔ کچھ دیر کے

بعد مجھے کہنے لگے کہ میں نے عرصہ دراز سے نیند کا مزا نہیں چکھا پسند خاطر یہ ہے کہ محوِ خواب بھی ہوں تو اس خانۂ خدا میں۔ اور کہیں اور نہیں۔ جب سایہ فلاں جگہ تک پہنچ جائے تو مجھے جگا دینا۔ میں نے جگانے کا وعدہ کیا اور وہ سو گئے۔ جب وہ محوِ خواب تھے تو مجھے یہ خیال ہوا کہ وہ اتنے عرصہ سے کبھی نہیں سوئے لہٰذا انھیں اطمینان سے نیند کرنے کا موقع دینا چاہیے چنانچہ وقت پر انھیں جگانے سے پرہیز کیا۔ اس دوران میں، مَیں خود خیالوں میں کھویا رہا۔ رہ رہ کر مجھے ان کی نصیحتیں یاد آتی ہیں۔ مجھے یہ بھی یاد آیا کہ انھوں نے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ عنقریب ایک رسول آنے والے ہیں جن کا نام احمد ہو گا اور وہ ارضِ تہامہ سے ظاہر ہوں گے۔ ہدیہ کھائیں گے لیکن صدقے سے پرہیز کریں گے۔ ان کے شانوں کے درمیان نبوت کا نشان ہو گا اور یہ کہ ان کا زمانۂ ظہور قریب آ گیا ہے۔ انھوں نے حسرت بھرے لہجے میں فرمایا تھا کہ میں تو بوڑھا شخص ہوں ممکن ہے کہ ان کے پاس نہ جا سکوں البتہ تم ان کو پا سکتے ہو۔ اگر ان کی زیارت ہو تو ان کی نبوت کی تصدیق کرنا اور ان کی پوری پوری پیروی کرنا۔ مجھے یاد آیا کہ میں نے اس موقع پر اعتراض کیا تھا کہ اگر وہ پیغمبر مجھے دینِ عیسائیت ترک کرنے کا حکم دیں تو پھر کیا کروں۔ اس پر ان کا جواب یہ تھا کہ ہاں عیسائیت بھی ترک کر دینا کیونکہ وہ جو کچھ کہیں گے وہ برحق ہو گا۔ میں انھی خیالات میں مگن تھا کہ وہ جاگ اٹھے۔ نہ جگانے پر باز پرس کی۔ میں نے معذرت کر دی۔ اس کے بعد وہ مسجد سے نکلے میں پیچھے پیچھے ہو لیا۔ جب اپاہج کے پاس سے گزرے وہ شکوے کرنے لگا کہ آپ نے میری مدد نہیں کی۔ وہ بزرگ یہ سن کر کھڑے ہو گئے۔ ادھر اُدھر دیکھا کہ کوئی دیکھ تو نہیں رہا پھر بسم اللہ کہہ کر اس کا ہاتھ پکڑا۔ وہ اپاہج فوراً تندرست ہو کر کھڑا ہو گیا۔ پھر اسے چھوڑ کر چل دیئے۔ میں کپڑے اٹھا کر اسے دینے لگا تو بزرگ دور نکل گئے۔ میں ان کی تلاش میں نکلا جس کسی سے پوچھتا وہ یہی کہتا کہ آپ کے آگے آگے جا رہے ہیں۔ چلتے چلتے مجھے بنی کلب کے نشتر سوار ملے۔ میں نے ان میں سے ایک سے دریافت کیا تو اس نے اونٹ بٹھا کر

نے مجھے اپنے پیچھے بٹھا لیا بالآخر وہ لوگ مجھے اپنے علاقے میں لے آئے اور ایک انصاری عورت کے ہاتھ بیچ ڈالا[1]

مندرجہ بالا روایت اور بیت المقدس سے متعلق چند اور روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت سلمانؓ کی ملاقات حضرت عیسیٰؑ سے ہوئی ہے یا ان کو ان کے کسی صحابی یا تابعی سے ملنے کا موقع ملا ہے۔

⊙

روایات کا تحقیقی جائزہ

علامہ ابن حجر عسقلانی حضرت سلمان رضی اللہ تعالے عنہ کے اسلام لانے کی سرگذشت کے اختلاف کا تذکرہ کرتے ہوئے بجا طور پر فرماتے ہیں:۔

فی سیاق قصتہ فی اسلامہ اختلافٌ یتعسر الجمع فیہ[2]

ترجمہ:۔ حضرت سلمانؓ کے اسلام لانے والے قصے میں اختلاف موجود ہے اور روایات کو جمع کر کے ترتیب دینا بہت دشوار امر ہے۔

علامہ ابن اثیر الجزری جو ایک نامور مورخ اور ممتاز تذکرہ نگار ہیں وہ رقمطراز ہیں:۔

قیل انہ لقی بعض الحواریین وقیل انہ اسلم بمکۃ و لیس بشئ[3]

---

[1]:۔ مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۹۹۔ ۶۰۲، تفسیر درمنشور ج ■ ص ۱۳۱۔ ۱۳۳

[2]:۔ الاصابہ ج ۲ ص ۱۱۳

[3]:۔ اسد الغابہ ج ۲ ص ۳۳۰

ترجمہ :- ضعیف روایات کے مطابق، کہا گیا ہے کہ بے شک سلمانؓ حضرت عیسٰے علیہ السلام کے کسی حواری سے ملتے تھے اور اسی طرح یہ کہا گیا ہے کہ وہ مکہ میں اسلام لائے تھے۔ ایسی روایات کی کوئی تاریخی اور مستند حیثیت نہیں ہے۔

محققین کے نزدیک حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی روایت جسے ابن اسحاق نے اختیار کیا ہے اور وہ ابتدا میں پوری تفصیل کے ساتھ بیان ہوئی ہے یقیناً لائق ترجیح ہے۔ قدیم ترین مورخین اسی پر اپنا اعتماد ظاہر کرتے ہیں۔ داخلی اور خارجی شہادت کی بنا پر یہی صحیح معلوم ہوتی ہے۔

حافظ ابن کثیر کا موقف بھی یہی ہے چنانچہ وہ حضرت زید بن صوحان والی روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

فی هذه السیاق غرابة کثیرة و فی بعض المخالفة لسیاق محمد بن اسحاق وطریق محمد بن اسحاق اقوی إسناداً و احسن اقتصاصاً واقرب ما رواه البخاری فی صحیحه من حدیث معتمر بن سلمان بن طرخان الیتمی عن ابیه عن ابی عثمان النهدی عن سلمان الفارسی إنّهٗ تداوله بضعة عشر من رب الی رب ای من معلم الی معلم و رب ای مثله فال السهیلی تداوله ثلاثون سیداً من سیدٍ الی سید

ترجمہ :- اس سلسلہ بیان میں بہت زیادہ غرابت (عجیب ہونا) پائی جاتی ہے۔ مزید براں اس روایت میں کسی قدر ابن اسحاق کی روایت کی مخالفت بھی موجود

لے :- البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۳۱۶

ہے حالانکہ ابن اسحاق کا سلسلۂ روایت سند کے اعتبار سے زیادہ قوی اور صحتِ بیان اور ربطِ واقعہ کے لحاظ سے زیادہ عمدہ ہے۔

ابن اسحاق کی روایت معنوی حیثیت سے امام بخاری کی کتاب صحیح بخاری میں درج اس حدیث سے بھی زیادہ قریب ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ حضرت سلمانؓ دس سے کچھ اوپر استادوں کے ہاں ایک معلم سے دوسرے معلم کی جانب منتقل ہوتے رہے۔ سہیلی (صاحب روض الانف) تو یہاں تک کہتے ہیں کہ وہ تیس آقاؤں میں ایک سے دوسرے کی طرف آتے جاتے رہے۔

ابن عباس والی روایت جو ابن اسحاق کا ماخذ و مختار ہے وہ مسند احمد بن حنبل کی جلد نمبر ۵ کے صفحات ۴۴۱ تا ۴۴۴ پر سیرت ابن ہشام قسم اول کے صفحات ۲۱۴ تا ۲۲۰ پر طبقات ابن سعد جلد نمبر ۴ کے صفحات ۷۵ تا ۸۰ پر اور مجمع الزوائد جلد نمبر ۹ کے صفحات ۳۳۲ تا ۳۳۶ پر موجود ہے۔

○

قیدِ غلامی سے آزادی کے واقعات

غلامی در غلامی

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنے بارے میں مشہور قول ہے کہ میں دس سے اوپر آقاؤں کی خدمت میں یکے بعد دیگرے رہا ہوں[1]

---

[1]: الاصابہ ج ۳ ص ۱۱۳، تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۳۹۔ یعاب ج ۲ ص ۵۴، حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۹۵

اس روایت کا ایک مطلب تو متعدد معلموں اور بزرگوں کے ہاں رہ کر تعلیم و تربیت حاصل کرنا ہے اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ بہت سے آقاؤں کے پاس غلامی کی زندگی بسر کرتے رہے جیسا کہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ تصریح کرتے ہیں۔ دریں مدت زیادہ از دہ جا فروختہ شدہ و بندہ گشتہ تا بعد از ظہور نور نبوت بسعادت اسلام مشرف گشت[1]

اس دورِ غلامی میں انھیں بہت سی شدائد و تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک روایت میں خود بیان کرتے ہیں کہ میں نخلستان کو پانی دینے کی خاطر کنویں کو اس طرح کھینچتا تھا جس طرح اونٹ کھینچتا ہے حتیٰ کہ میری پیٹھ اور سینے پر اس مشقت کے سبب گٹے اور نشان پڑ گئے[2]

لیکن حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان نامساعد حالات سے دل برداشتہ نہیں ہوئے۔ برابر صبر کرتے رہے۔ کہتے ہیں کہ صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔ ان کی محنت بالآخر رنگ لائی اور وہ ایمان کی دولت سے مالا مال ہوئے۔ غلامی ان کا مقدر بنی لیکن اسی نے ان کی تقدیر بدل کر رکھ دی۔ یہ ان کے لئے ذریعہ ہدایت اور نوشتۂ نجات بن گئی۔

ع   اس غلامی کے صدقے ہزار آزادی

شرائطِ آزادی

آقا کو کچھ رقم دے کر یا کوئی کام کر دینے کی شرط پر آزاد ہونا مکاتبت کہلاتا ہے۔

قبولِ اسلام کے موقع پر حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک یہودی کے غلام تھے۔ اسی غلامی کی وجہ سے وہ بدر اور احد کے غزوات میں شریک نہ ہو سکے۔ اس عرصہ کے دوران میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمانؓ کو اپنے آقا سے مکاتبت کر لینے کا مشورہ

لے ١:۔ جذب القلوب صہ ۵۹

لے ٢:۔ مجمع الزوائد ج ۹ صہ ۳۴۴، حلیۃ الاولیاء ج ۱ صہ ۱۹۴

دیا چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے آقا سے فُقیر کے مقام پر تین سو کھجور کے درخت لگا دینے نلائی کرنے اور پانی وغیرہ دے کر انھیں تیار کرنے اور چالیس اُوقیہ (چاندی) ادا کرنے کی شرط پر مکاتبت کرلی[1]

اصحاب رسولؐ کی امداد

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو حکم دیا کہ اپنے بھائی کی مدد کرو چنانچہ انھوں نے پودوں کے ذریعے مدد کی صحابہ کرامؓ اپنی اپنی حیثیت کے مطابق پودے لے آئے۔ کوئی تیس کوئی بیس کوئی پندرہ اور کوئی دس پودے لے آیا حتیٰ کہ میرے پاس پورے تین سو پودے ہو گئے۔ اب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے فرمایا کہ جاؤ اور جا کر گڑھے کھودو۔ جب کام سے فارغ ہو جاؤ تو مجھے اطلاع کر دینا میں خود وہاں جا کر اپنے ہاتھوں سے پودے لگا دونگا۔ حضرت سلمانؓ کا بیان ہے کہ میں نے گڑھے کھودے اور ساتھی صحابیوں نے بھی پوری پوری میری مدد کی[2]

دستِ رسالت مآبؐ کی برکت

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں فارغ ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ اور اطلاع دی تو حضورؐ وہاں تشریف لے گئے۔ ہم صحابہ ایک ایک پودے کو آپؐ کے قریب لاتے اور آپؐ اپنے دستِ مبارک سے اسے گڑھے میں رکھ دیتے تھے۔ اس طرح سارے کے سارے پودے آپؐ نے لگا دیئے۔ حضرت سلمانؓ

---

[1] :۔ سیرۃ ابن ہشام قسم اول ج ۱ ص ۲۲۰، مسند احمد ج ۵ ص ۴۴۳، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۳۵

[2] :۔ ایضاً، طبقات ابن سعد ج ۴ ص ۷۹

کہتے ہیں کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں سلمان کی جان ہے ان پودوں میں سے ایک پودا بھی نہیں مرا۔[1]

تلقینِ دعا

حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ادائیگی قرض کی ایک دعا سکھائی تھی ممکن ہے کہ یہ دعا مکاتبت کے موقع پر سکھائی گئی ہو کیونکہ انھوں نے اسی وقت مقررہ رقم کی ادائیگی کرنی تھی اور وہ اس سلسلے میں فکرمند تھے۔ آپؐ نے فرمایا تھا اے سلمان! اکثر یہ دعا پڑھا کرو۔

رَبِّ اقْضِ عَنِّي الدَّيْنَ وَاَغْنِنِيْ مِنَ الْفَقْرِ[2]

ترجمہ: اے میرے پالنے والے! میرے قرض کو ادا کر دے اور مجھے ناداری سے مستغنی بنا دے۔

رقم کی ادائیگی

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ کھجوریں لگانے کی شرط تو میں نے پوری کر دی تھی۔ اب مال کی ادائیگی مجھ پر باقی رہ گئی تھی۔ اسی اثنا میں رسول پاکؐ کے پاس کسی معدن سے نکلا ہوا مرغی کے انڈے کے برابر سونا آیا۔ آنحضرتؐ نے فوراً دریافت فرمایا کہ فارسی مکاتب کہاں ہے۔ چنانچہ مجھے بلوایا گیا۔ حاضر ہوا تو آنحضرتؐ نے مجھے وہ سونا عطا کر دیا اور فرمایا تم اس سے وہ رقم ادا کر دو۔ جو تمھارے ذمے ہے۔ میں نے عرض کی کہ حضور!

---

[1] :- سیرت ابن ہشام قسم اول ص ۲۲۱، مسند احمد ج ۵ ص ۴۴۳، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۳۵، طبقات ابن سعد ج ۴ ص ۹۔

[2] :- کنز العمال ج ۳ ص ۲۲۳

اس سے تو میری رقم جو مجھ پر واجب الادا ہے۔ پوری نہ ہو سکے گی۔ آپؐ نے فرمایا کہ آپ لے تو لیں۔ اللہ تعالیٰ تمھاری رقم ادا کر دے گا۔ پس میں نے وہ سونا لے لیا اور اس خدا کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں سلمان کی جان ہے۔ اسی سے چالیس اوقیہ چاندی کی مالیت پوری ہو گئی اور میں آزاد ہو گیا۔[1]

لعابِ دہنِ رسولؐ کا اعجاز

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بھی کہا ہے کہ جب میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! اس سے میرے واجبات کیسے ادا ہو سکیں گے تو رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس سونے کی ڈلی کو پکڑ کر اپنی زبان مبارک پر پھیرا پھر مجھے دے دیا اور فرمایا کہ اس سے ان کی رقم ادا کر دو۔ چنانچہ میں نے پورے چالیس اوقیہ ادا کر دیئے۔[2]

مکاتبت کے واقعات میں اختلاف و تفصیل

طبقات ابن سعد میں یہ وضاحت ہے کہ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آقا مکاتبت پر آمادہ نہیں ہوتا تھا۔ بار بار مطالبہ کرنے اور اصرار کرنے پر وہ رضامند ہوا۔ پودوں کی تعداد میں بھی قدرے اختلاف ہے۔ بعض سو پودے بتاتے ہیں، ابن اسحاق تین سو بیان کرتے ہیں جب کہ طبقات ابن سعد کی ایک روایت میں یہ تعداد پانچ سو ہے۔ پودوں کے نہ مرنے کا جہاں تک تعلق ہے ابن اسحاق کے مطابق سارے پودے لگ گئے تھے البتہ ابو عثمان النہدی کہتے ہیں کہ ایک پودا مر گیا تھا اور حضرت سلمان بیان کرتے ہیں کہ میں نے خود

---

[1] :- سیرت ابن ہشام قسم اول ص ۲۲۱، طبقات ابن سعد ج ۴ ص ۷۹، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۳۵، مسند احمد ج ۵ ص ۴۴۴

[2] :- سیرت ابن ہشام قسم اول ص ۲۲۱، طبقات ابن سعد ج ۴ ص ۷۵، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۳۶

وہ پودا لگا دیا تھا۔[1]

ابو جعفر کا بیان یہ ہے کہ حضرت سلمان کا آقا بنی قریظہ کا نہیں بلکہ بنی نضیر سے تھا اور شرط یہ بھی تھی کہ جب پودوں کے دس دس خوشے اور شاخیں نکل آئیں تو وہ آزاد ہو جائیں گے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سلمان کو ہدایت فرمائی تھی کہ ہر گڑھے کے پاس ایک ایک پودا رکھ دیا جائے۔ دوسرے روز حضور بنفس نفیس وہاں تشریف لے گئے تھے۔ اپنے مبارک ہاتھوں سے پودے رکھے اور حضرت سلمانؓ کے لئے بھی دعا فرمائی۔ وہ پودے بڑی سرعت کے ساتھ بڑھنے اور پروان چڑھنے لگے جیسے کہ وہ ساحل سمندر پر ہوں۔[2]

معمول کے مطابق ایسے پودے سات آٹھ سال کے بعد پھل دینے کے قابل ہوتے ہیں لیکن یہ پودے دستِ رسولؐ کی برکت سے اسی سال بارآور ہو گئے تھے اور ان کا پھل کھانا نصیب ہوا۔ ملاحظہ ہو۔[3]

ایک روایت یہ ہے کہ صرف ایک پودا ثمردار نہ ہوا وجہ یہ ہوئی کہ وہ حضرت عمرؓ نے لگا دیا تھا۔ حضور علیہ السلام نے اسے اکھیڑ کر پھر اپنے بابرکت ہاتھوں سے دوبارہ لگا دیا اور وہ بھی اسی سال پھل لے آیا۔[4]

دوسری روایت کے مطابق یہ پودا حضرت سلمانؓ نے لگایا تھا۔

رقم مکاتبت کے بارے میں ایک اختلافی روایت یہ بھی ہے ایک نواہ (بقدر پانچ درہم وزن) سونے پر معاملہ طے ہوا تھا۔ جب سونے کی ڈلی جو حضرت سلمانؓ کو ملی وہ ترازو میں

۱:۔ مسند احمد ج ۵ ص ۴۴۰۔ طبقات ابن سعد ج ۴ ص ۸۱

۲:۔ کنز العمال ج ۷ ص ۴۵

۳:۔ ایضاً

۴:۔ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۳۷، شمائل ترمذی ص ۵۶۹

عہدِ رسالتمآبؐ کے حالات

موالات

عربوں میں عام رواج تھا کہ اگر کوئی شخص کسی غلام کو آزاد کر دیتا یا آزاد کرا دیتا تو وہ آزاد کردہ غلام اس کا مولیٰ، (دوست اور ساتھی) کہلاتا تھا اور دونوں کے درمیان محبت و تعاون کا ایک رشتہ قائم ہو جاتا تھا۔ اسلام نے بھی موالات کے نظام کو برقرار رکھا۔ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بھرپور امداد کے طفیل آزادی کی فرحت بخش فضا میں سانس لینے کے قابل ہوئے تھے لہٰذا تذکرہ نگاران کا تعارف مولیٰ الرسول کی حیثیت سے کراتے ہیں اور انھیں خود بھی اس تعلق پر بجا طور پر بڑا ناز تھا۔

مواخات

اسلام عالمِ انسانیت کے لئے ایک نعمتِ عظمیٰ اور رحمت بے پایاں تھا۔ اس کی پاکیزہ تعلیمات ہی کا یہ نتیجہ تھا کہ خون کے پیاسے آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔ پیغمبرِ اسلامؐ کا مشن ہی محبت کو عام کرنا، یگانگت پیدا کرنا، بنائِ مغائرت کو توڑنا اور دلوں کو جوڑنا تھا۔

مدینہ طیبہ آتے ہی ملتِ اسلامیہ میں اخوت کے رشتے کو مزید مستحکم بنانے کی خاطر مہاجرین اور انصار کے مابین مواخات (خصوصی بھائی چارہ) کی بنیاد ڈالی، مزاج اور جذباتی مناسبت اور موافقت کا لحاظ رکھتے ہوئے ہر مہاجر کو ایک انصاری کا بھائی بنا دیا گیا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ہمیشہ اس رشتے کی تقدیس کا خیال رکھا اور وہ اس رشتے کو اپنے خونی رشتے پر ترجیح دیتے رہے۔

حضور نبی کریمؐ نے حضرت سلمانؓ اور حضرت ابوالدرداء انصاریؓ کے درمیان

رشتہ مواخات استوار کیا تھا[1] ابن اسحاق، ابن سیرین، حُمید بن ہلال اور ابو جُحیفہؓ یہی بات بتاتے ہیں۔

حضرت سلمانؓ کو اپنے پیارے رسولؐ کا قائم کیا ہوا یہ پیار بھرا رشتہ زندگی بھر عزیز رہا اور زندگی کی آخری سانسوں تک اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ اپنے بھائی ابوالدرداءؓ اور اپنی بھاوج ام الدرداؓ کی خیر خواہی ان کی زندگی کا شعار رہا۔ حق تو یہ ہے کہ انھوں نے صحیح معنوں میں مواخات کا حق ادا کر دیا۔ جب بھی موقع ملتا اپنے بھائی کی زیارت کے لئے جن کی رہائش غالباً قبا میں تھی ضرور جایا کرتے۔ وہ کہیں دور چلے جاتے تو خط و کتابت کے ذریعے اس تعلق خاطر کو تر و تازہ رکھتے۔ عہدِ نبویؐ کا یہ مشہور واقعہ ہے جو درج ذیل ہے۔

حضرت ابو جُحیفہؓ کہتے ہیں کہ حضرت سلمانؓ ایک بار حضرت ابوالدرداؓ سے ملنے کیلئے گئے۔ ام الدرداءؓ کو پریشان حال دیکھا تو وجہ دریافت کی۔ وہ کہنے لگیں کہ تمھارے بھائی کو دنیاوی عورتوں سے کوئی غرض نہیں رہی۔ ساری رات نفلی نمازیں پڑھتا رہتا ہے اور دن کو روزے سے رہتا ہے۔ کچھ دیر کے بعد حضرت ابوالدرداءؓ خود تشریف لے آئے۔ حضرت سلمانؓ کا خیر مقدم کیا اور کھانا پیش کیا۔ حضرت سلمانؓ نے انھیں کھانے میں شریک ہونے کے لئے کہا تو وہ کہنے لگے کہ میں تو نفلی روزے سے ہوں۔ حضرت سلمانؓ نے قسم دے کر کہا کہ روزہ افطار کرو اور میرے ساتھ کھانا کھاؤ ورنہ میں ہرگز نہ کھاؤں گا۔ اصرار سے مجبور ہو کر حضرت ابوالدداؓ نے کھانا کھا لیا۔ حضرت سلمانؓ رات کو وہیں ٹھہرے۔ رات کو جب حضرت ابوالدرداءؓ اُٹھ کر نفل پڑھنے لگے تو انھوں نے روک دیا اور فرمایا جس طرح تمھارے پالنے والے کا تم پر حق ہے اسی طرح بے شک تمھارے جسم کا اور تمھارے گھر والوں کا بھی تم پر حق ہے۔ روزہ

---

[1] :- الصحیح البخاری ج ۲ ص ۸۹۸

رکھو اور افطار بھی کرو۔ نماز پڑھو لیکن سوؤ بھی اور اپنی بیوی کے پاس بھی ضرور جاؤ۔ غرضیکہ ہر حق دار کا حق ادا کرو۔ جب سحر ہوئی تو فرمایا اٹھنا ہو تو اب اٹھو۔ دونوں بزرگ اٹھے وضو کیا چند رکعتیں پڑھیں پھر مسجد نبویؐ میں نماز باجماعت پڑھنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ نماز سے فارغ ہو کر حضرت ابوالدرداءؓ نے سارا حال نبی کریمؐ کو کہہ سنایا۔ آنحضورؐ نے حضرت سلمانؓ ہی کے الفاظ دہراتے ہوئے فرمایا اے ابوالدرداء واقعی تیرے جسم کا بھی تجھ پر حق ہے۔ اور اسی طرح فرمایا جس طرح حضرت سلمانؓ نے کہا تھا[1]

حضرت ابوالدرداءؓ کا مکان غالباً قبا لبستی کے آخر میں تھا جس کا تذکرہ ابن جُبیر نے اپنے سفرنامے میں کیا ہے اور وہ عرفات مدنی کے ٹیلے کے پاس دارالصفہ کے نام سے متعارف ہے جہاں عمارؓ، سلمانؓ اور دیگر اصحاب صفہ رہے ہیں[2]

اصحابِ صفّہ میں شمولیت

عربی میں صفہ چبوترے کو کہتے ہیں بقول حافظ ابن حجر عسقلانی مسجد نبوی کے آخر والے حصے میں ایک چھتا ہوا سایہ دار چبوترہ تھا۔ حافظ ذہبی کہتے ہیں کہ قبلہ کی تبدیلی سے پہلے یہ مسجد کے شمال میں واقع تھا قبلہ کی تحویل کے بعد دیوار قبلہ مقام صفہ پر باقی رہ گئی[3]

غریب صحابہ کرامؓ جن کا گھر بار نہیں ہوتا تھا وہ صفّہ پر ٹھہر جاتے تھے اور صدقات و خیرات پر ان کی بسر اوقات ہوتی تھی۔ یہ لوگ بڑے خوددار واقع ہوئے تھے کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہیں کرتے تھے۔ کچھ مل جاتا تو کھا لیتے اور شکر الٰہی ادا کرتے۔ نہ ملتا تو صبر

---

[1]: سنن الدار قطنی ج ۱ ص ۲۳۶

[2]: وفا الوفا ج ۲ ص ۴۵۴

[3]: وفا الوفا ج ص ۴۵۳

کر لیتے۔ یہاں رہ کر قرآن و حدیث کے معارف اپنے سینوں میں جمع کرتے رہتے اور ذکر و اذکار کی ایمان افروز محفلیں آراستہ کئے رہتے۔ یہ محفلیں بالعموم مسجدِ نبوی میں ستونِ توبہ پر جمتی تھیں۔ یہ محفلیں تصنّع سے پاک اور خلوص پر مبنی تھیں۔ اللہ تعالٰی نے اپنے رسول کو ان مجالس ذکر سے وابستہ رہنے کا حکم دیا تھا۔ حضرت سلمانؓ ان مجالس کی زینت تھے اور ان میں برابر شریک رہتے تھے۔

حضرت سید علی ہجویری گنج بخشؒ نے تصریح فرمائی ہے کہ حضرت سلمانؓ کا شمار اصحابِ صفّہ کے قابل قدر گروہ میں تھا۔ ملاحظہ ہو[۱]

غزوۂ خندق

۵ھ میں قریشِ مکہ بہت سے قبائل اور لشکروں کو اپنے ساتھ ملا کر مدینہ پر حملہ آور ہوئے۔ یہ فوج دس سے چوبیس ہزار کے درمیان تھی جب کہ مسلمان مقابلے میں تین ہزار سے ہرگز زیادہ نہ تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے شہر میں رہ کر مقابلہ کرنا مناسب سمجھا اور مؤثر دفاع کی خاطر خندق کھودنے کی تدبیر کی۔

خندق کا محلِ وقوع

شہر مدینہ کی جغرافیائی حالت ایسی تھی کہ اگر شمال کی طرف سے حفاظت کا مناسب انتظام کر لیا جاتا تو دوسری اطراف سے دشمن کے یکبارگی حملے کر دینے کا کوئی خدشہ نہ تھا۔ چنانچہ شمال کی جانب حرّہ شرقی سے حرّہ غربی کو ملاتی ہوئی خندق کھودی گئی جو نیم دائرہ بناتی ہوئی سلع پہاڑ کے مغربی کنارے سے آملی۔[۲]

۱؎ :۔ کشف المحجوب ص ۱۱۱

۲؎ :۔ عہد نبوی کے میدان جنگ ص ۳۶

یہ خندق حرّہ شرقیہ کے مقام اَجَم الشیخین سے شروع ہوئی۔ یہ مقام درحقیقت دو چھوٹے چھوٹے قلعوں پر مشتمل ہے اور مدینہ اور احد پہاڑ کے درمیان حرّہ شرقی کے ساتھ واقع ہے۔ یہاں بنی حارثہ کے گھر تھے اور مغرب جاتے ہوئے کچھ فاصلے پر بنی حارثہ کی زمین کی حد (طرف بنی حارثہ) آکر ملتی ہے اور یہیں عبداللہ بن ابی راس المنافقین کا گھر تھا۔

خندق کا مقام اختتام مغرب میں المذاد تھا۔ یہ بنی سلمہ کی شاخ بنی حرام کے قلعے اور علاقے کا نام تھا اور موجودہ مسجد الفتح کے مغرب میں واقع تھا۔ اس کے پاس ہی بنی عبید کی پہاڑی ہے۔ خندق کی حدود میں تین پہاڑیاں کوہ راتج، کوہ ذباب اور کوہ بنی عبید آئیں۔ سلع کا پہاڑ کے جنوب میں مغربی حصے کے بالمقابل تھا۔

ابن سعد لکھتے ہیں کہ ہر طرف سے مقررہ حد تک خندق کھودنے کی ذمہ داری لوگوں کو سونپی گئی تھی۔ مہاجرین کوہ راتج کے نواح سے لے کر کوہ ذباب تک تھے جب کہ انصار کوہ ذباب سے لے کر کوہ بنی عبید تک کھدائی کر رہے تھے۔ بنو دینار نے اپنے علاقے سے عبداللہ بن ابی کے گھر کی جگہ تک کھدائی کی اور ان سے آگے بنو عبد الاشہل نے کوہ راتج کے ساتھ ساتھ اپنے سے پیچھے تک خندق کھود دی۔ کھدائی کا کام چھ دن میں مکمل ہو گیا۔[1]

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ انصار کے دس آدمیوں کی ایک ٹکڑی میں شامل تھے اور ان کا کھدائی والا ٹکڑا کوہ ذباب کے بالکل پاس تھا جہاں حضور سرور کائنات ﷺ ترکی خیمے میں بیٹھ کر خندق کی کھدائی کی نگرانی کر رہے تھے اور وقتاً فوقتاً صحابہ کی کھدائی میں مدد بھی فرما دیا کرتے تھے۔ اس خیمے کی جگہ پر اب مسجد ذباب موجود ہے۔ خندق والی جگہ پر موجود وادی بطحان ہے۔

---

[1] :۔ وفاالوفا ج ۴ صفحات مسلسل صہ ۱۲۰۵

جنگ کے موقعے پر آنحضرتؐ کوہ سلع پر ایک خیمے میں فروکش ہوئے تھے وہاں پر اب مسجد الفتح پائی جاتی ہے۔

مشورۂ خندق

• محمد بن عمر واقدی کا بیان ہے کہ جس شخص نے حضور علیہ السلام کے سامنے خندق کھودنے کا مشورہ دیا تھا وہ حضرت سلمان فارسیؓ تھے۔ وہ پہلی بار رسول اللہؐ کے ہمراہ آزاد مرد کی حیثیت سے شریکِ جنگ ہو رہے تھے اور انھوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! ہم فارس میں جب کبھی محصور ہو جاتے تھے تو اپنے ارد گرد خندق کھود لیا کرتے تھے[1]

یاد رہے کہ خندق کا لفظ بھی فارسی زبان کے لفظ کندہ (کھودا ہوا) کا معرب ہے مزید براں اس مشورے کا تذکرہ سیرت ابن ہشام قسم ثانی صہ ۲۲۴، تاریخ الکامل ابن اثیر جلد ۲ صہ ۱۲۲، اور تاریخ ابن کثیر یعنی البدایہ والنہایہ جلد ۴ صہ ۹۵ پر بھی موجود ہے۔

مستشرق کا اعتراض اور تردید

انسائیکلو پیڈیا آف اسلام انگریزی میں تحریر ہے کہ یہ مستشرق ہاروفیز Horovitz نے ۱۹۲۲ء میں اپنے رسالے "اسلام" Der Islam میں حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشورۂ خندق پر شبہات کا اظہار کیا تھا۔ اس کا کہنا یہ تھا چونکہ متقدمین کے ہاں یوم الخندق کے بیانات میں حضرت سلمان کے مشورہ دینے کا کہیں ذکر نہیں ہے اور محض اس وجہ سے کہ خندق کا لفظ فارسی مادے سے ماخوذ تھا اس لئے اس دفاعی نظام سے متعارف کرانے کی حیثیت سے غالباً ایک فارسی النسل شخص کا نام لے لیا گیا اور اس پر مشورے والی کہانی

---

[1] :- تاریخ الامم والملوک ج ۲ صہ ۲۲۴

اختراع کرلی گئی۔

اس کے جواب میں فرانسیسی مستشرق ماسینوں Massignon نے ۱۹۳۴ء میں ماخذوں کی اچھی طرح چھان بین کرنے کے بعد یہ نتیجہ نکالا کہ حضرت سلمان کے مشورے والی روایت غلط نہیں بلکہ اپنے دامن میں تاریخی صداقت لئے ہوئے ہے۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کی عبارت حسب ذیل ہے۔

Massignon, on the other hand, has come in 1934 after a careful consideration of sources..to the conclusion that the legend of Salman contains elements of historic truth.

حقیقت یہ ہے کہ ہاروفیز کا اعتراض محض ماخذوں کو احتیاط کے ساتھ نہ دیکھ سکنے کی وجہ سے تھا۔ ورنہ واقدی (م ۔ ۲۰۷ھ) ابن ہشام اور ابن سعد (م ۔ ۲۳۰ھ) قدیم مؤرخ ہیں اور ان کے ہاں حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشورے کا ذکر موجود ہے۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ اس سلسلے میں آنحضرت ختمی مرتبت ؐ کو وحی خفی اور الہام سے یہی بات بتائی گئی ہو اور جنگ کے بارے میں جب آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا ہو جیسا کہ آپ کا معمول تھا تو اس وقت حضرت سلمانؓ نے اپنی تجویز کا اظہار کر دیا ہو۔

سلمانؓ کی مقبولیت

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس لحاظ سے مہاجر تھے کہ انھوں نے حق و صداقت کی خاطر اپنا گھر بار چھوڑا، وطن سے ہجرت کر کے اور سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے مدینہ منورہ پہنچے۔ اسی طرح وہ بجا طور پر انصار کا ایک فرد ہونے کا شرف بھی رکھتے ہیں۔

کیونکہ وہ ہجرت سے پہلے مدینہ طیبہ میں مقیم تھے اور حضور علیہ السلام کی تشریف آوری پر ہدیہ پیش کرنے کی بھی سعادت حاصل کی تھی۔

چنانچہ وہ مہاجرین اور انصار دونوں طبقوں میں یکساں طور پر مقبول تھے اور ہر طبقہ انھیں اپنے میں سے ایک فرد ہونے پر فخر کرتا تھا۔ مزید براں وہ مضبوط جسم کے جفاکش انسان تھے۔ اس وجہ سے بھی خندق کی کھدائی کے موقع پر مہاجرین اور انصار دونوں گروہوں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے تقاضا کیا کہ سلمانؓ کو ان کے گروہ میں شامل کیا جائے محدثین اور مورخین کا متفقہ بیان ہے کہ حضرت سلمان طاقتور مرد تھے۔ مہاجرین اور انصار دونوں نے ان کے بارے میں حجت بازی کی۔ مہاجروں کا کہنا یہ تھا کہ سلمانؓ ہم میں سے ہیں اسی طرح انصار بضد تھے کہ وہ ان سے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا تو فرمایا سلمانؓ ہمارے اہل بیت میں سے ہیں۔

یہ واقعہ اور فرمان رسالت طبقات ابن سعد جلد ۴ ص ۸۳، سیرت ابن ہشام قسم ثانی ص ۲۲۴، تاریخ طبری جلد ۲ ص ۲۳۵، کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۱۲۲، البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۹۹، مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۹۸، اور کنز العمال جلد ۶ ص ۱۷۹ وغیرہ سب کتابوں میں موجود ہے۔

سلمانؓ کا اعزاز

سید لولاک کا گھرانا بڑی قدر و منزلت کا مالک ہے۔ یہاں سے رشد و ہدایت کے چشمے پھوٹے ہیں اور اسی گھرانے سے نے صدق و صفا، تقویٰ و طہارت اور ایثار و وفا کا درس لیا۔

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خوش نصیبی کے کیا کہنے؟ خود رسول پاکؐ نے انھیں سلمان منّا اھل البیت کہہ کر منتخب روزگار گھرانے کا ایک فرد قرار دے

دیا۔ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ

سلمان رضؓ کی انفرادیت

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کھدائی کی غرض کے لئے حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو انصار کے ساتھ شامل کر دیا۔ وہ سب سے زیادہ کام کرتے تھے اور ان کے ساتھی بڑے خوش ہوتے تھے۔ واقدی کی کتاب مغازی جو مخطوطہ کی شکل میں برٹش میوزیم لائبریری لندن میں موجود ہے، میں تحریر ہے:۔

جعلوا له خمس اذرع طولاً وخمس فی الارض یعنی ان کے لئے پانچ ذراع لمبائی اور اتنی ہی گہرائی تک کھودنے کی ذمہ داری لگائی گئی۔[1]

حالانکہ باقی ہر شخص کے لئے چار چار ذراع زمین مقرر کی گئی تھی۔

کھدائی کے لئے تقسیم کار

کثیر بن عبد اللہ بن عمرو بن عوف المزنی اپنے باپ دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اَجم الشیخین سے بنی حارثہ کی طرف المذاد کی سرزمین کے ایک حصے پر خندق کا نشان لگایا اور دس دس آدمیوں کے گروہ بنا کر ہر گروہ کے لئے چالیس ذراع (ہاتھ) زمین کھودنا لازم قرار دیا۔[2]

یاد رہے چالیس ذراع بیس گز کے برابر ہوتے ہیں۔

---

[1]:۔ عہدِ نبوی کے میدانِ جنگ ص ۳۸

[2]:۔ طبقات ابن سعد ج ۴ ص ۸۲-۸۳۔ البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۹۹، ۱۰۰۔

سلمانؓ اور ان کے رفقاء کار

حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں خود حضرت سلمانؓ، حضرت حذیفہ بن الیمانؓ، حضرت نعمان بن مُقرّن المزنیؓ اور چھ اور انصاری اصلِ ذباب (ذباب پہاڑی کی جڑ) کے نیچے داخل ہوئے۔ ہم لوگ لگاتار زمین کھودتے رہے حتیٰ کہ تری تک پہنچ گئے۔ خدا کی قدرت خندق کے درمیان ایک سفید رنگ کی گول گول چٹان نکل آئی۔ وہ اتنی سخت تھی کہ ہماری کدالیں ٹوٹ گئیں مگر وہ ٹوٹنے میں نہ آئی۔ اب ہمارے لئے مزید کھودنا دشوار ہو گیا تھا۔ میں نے حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ آپ خندق کے اوپر چڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جائیں اور انہیں صورتِ حال سے آگاہ کریں حضورؐ اس وقت ایک ترکی خیمے میں تشریف رکھتے تھے۔ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور سارا حال کہہ سنایا۔ مزید یہ عرض کی حضورؐ! ایک تو یہ ہو سکتا ہے کہ چٹان کو اس کے حال پر چھوڑ دیں اور اس سے ذرا ہٹ کر کھود لیں۔ ہم چونکہ آپ کی اجازت کے بغیر مقررہ نشان سے اِدھر اُدھر ہونا پسند نہیں کرتے لہٰذا جیسا حکم ہو ہمیں فرمائیں تا کہ ہم ویسا کریں۔[1]

حضرت سلمانؓ کے ساتھیوں میں غالباً حضرت براء بن عازبؓ انصاری بھی تھے۔
ڈاکٹر حمید اللہ حیدر آبادی کے خیال میں چٹان سنگِ مرمر کی تھی۔

چٹان کا توڑنا اور عجائبات کا ظہور

حضرت عمرو بن عوفؓ اپنی روایت جاری رکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا اے سلمان! ذرا مجھے اپنی کدال دکھایئے۔ آنحضرتؐ نے کدال لے لی اور ہماری طرف

---

[1] طبقات ابن سعد، ج ۴ ص ۸۳، البدایہ والنہایہ، ج ۴ ص ۱۰۰

اتر کر تشریف لائے۔ ہم لوگ خندق کے کنارے ایک طرف ہو گئے اور آپ بڑی کشادگی کے ساتھ خندق میں اتر آئے۔ آتے ہی کدال اس چٹان پر ماری۔ ضرب کے ساتھ ہی ایک ایسی چمک پیدا ہوئی جس سے دونوں لابتوں[1] (سنگلاخ میدانوں) کے درمیان کی جگہ یعنی پورا مدینہ روشن ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر کہی۔ ہم نے بھی نعرہ تکبیر بلند کیا۔ پھر آپ نے دوسری ضرب لگائی اس سے بھی اسی طرح چمک پیدا ہوئی جس نے لابتوں کے درمیان کا علاقہ روشن کر دیا جیسے کہ کسی اندھیرے مکان میں چراغ روشن ہو جائے۔ اس موقع پر بھی رسول اللہؐ نے اللہ اکبر کہا۔ ساتھ ہی ہم نے بھی ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد آنحضرتؐ نے تیسری ضرب لگائی اور چٹان کو توڑ کر رکھ دیا۔ اس سے بھی پہلے کی طرح روشنی نکلی۔ اس پر آنحضرتؐ نے تکبیر کہی اور ہم نے ان کی ہم نوائی کی۔ پھر آپؐ خندق سے نکل کر اوپر تشریف لے گئے اور حضرت سلمانؓ کی نشست گاہ پر پہنچے۔ حضرت سلمانؓ نے عرض کی یا رسول اللہ! میں نے ایسی چیز کا مشاہدہ کیا ہے کہ اس جیسی چیز اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ آنحضرتؐ دوسرے لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور دریافت فرمایا کیا آپ لوگوں نے بھی کچھ مشاہدہ کیا ہے؟ وہ سب کہنے لگے حضور! ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ یقیناً ہم نے دیکھا ہے کہ جب آپ کدال مارتے تھے تو ایک لہر کی مانند بجلی ظاہر ہوتی تھی۔ آپؐ تکبیر کہتے تھے اور ہم اس کی پیروی کرتے تھے۔

فتوحات کی پیش گوئیاں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آپ لوگوں نے درست کہا ہے۔ میں نے پہلا

---

[1] لابہ سنگلاخ میدان کو کہتے ہیں جہاں آتش فشاں پہاڑوں سے نکلا ہوا لاوہ پتھروں کی صورت میں پھیلا ہوا ہو۔ ایسے دو[2] لابے شہر مدینہ کے شمال مشرق اور جنوب مغرب میں ہیں اور شہر ان کے درمیان میں واقع ہے۔

ضرب لگائی اور جو روشنی تم نے دیکھی اس میں میرے لئے حیرہ کے محلاتِ شاہی اور مدائن کسریٰ روشن کر دیئے گئے تھے گویا کہ وہ کتوں کے دانت ہیں۔ حضرت جبرائیلؑ نے مجھے خبر دی کہ میری امت ان پر غالب آئے گی۔ دوسری ضرب کی روشنی میں ارضِ روم کے سرخ محل دندانِ سگاں کی مانند میرے لئے نمایاں کئے گئے اور جبرائیلؑ نے اطلاع دی کہ میری امت کا ان پر بھی ہوگا۔ تیسری ضرب کی روشنی جو تم نے دیکھی اس میں مجھے صنعاء یمن کے محل کتوں کے دانتوں کی طرح چمکتے ہوئے دکھاتے گئے۔ جبرائیل علیہ السلام نے اس کے ساتھ ہی یہ خوشخبری بھی سنائی کہ میری امت کا ان پر قبضہ ہو جائے گا اور خدا کی نصرت مسلمانوں کے شامل حال ہوگی۔ پس تمھیں خوشخبری ہو اور یہ بات آنحضرتؐ نے تین بار دہرائی۔ مسلمان یہ نوید جانفزا سن کر بے حد خوش ہوئے اور کہنے لگے۔ موعودُ صادقٍ بارٍّ وعدنا النصر بعد الحصر والفتوح (یہ وعدہ ہے سچے اور عادل کا۔ اس نے ہم سے گھر جانے کے بعد نصرت اور فتوحات کا وعدہ فرمایا ہے)[1]

روایت ابنِ اسحاق

ابن اسحاق کی روایت کے مطابق حضورؐ نے پہلی ضرب کے بارے میں فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے میرے لئے یمن فتح کر دیا ہے۔ دوسری ضرب کے متعلق فرمایا کہ اس کے ذریعے میرے لئے شام اور المغرب مفتوح ہوئے ہیں اور تیسری ضرب کی توجیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کے ذریعے مشرق میرے لئے فتح ہوا ہے۔[2]

لے :۔ طبقات ابن سعد ج ۴ ص ۸۳-۸۴

ے :۔ سیرت ابن ہشام قسم ثانی ص ۲۱۹

روایت واقدی

واقدی نے اپنی سیرت میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کدال مار کر خندق کھود رہے تھے کہ ایک سخت ٹھوس چکنا پتھر نکل آیا۔ آنحضرتؐ نے اپنے ہاتھ میں کدال لی اور وہ اس وقت بنی عبید پہاڑی کے پاس تھے۔ انھوں نے ضرب لگائی اور چمک یمن کی طرف گئی۔ دوسری ضرب لگائی تو وہ شام کی طرف گئی تیسری ضرب لگائی گئی تو چمک مشرق کی طرف گئی اور پتھر پاش پاش ہو گیا۔ حضرت عمرؓ کہا کرتے تھے اس ذات کی قسم جس نے آنحضرتؐ کو برحق بھیجا ہے وہ پتھر ان کے لئے ایسا ہو گیا تھا کہ جس کا توڑنا آسان ہو آنحضرتؐ جب بھی ضرب لگاتے تھے۔ حضرت سلمانؓ اپنی نگاہ اس کے پیچھے دوڑاتے تھے اور ہر ضرب کے ساتھ ہی بجلی کی سی چمک دیکھتے تھے۔ حضرت سلمانؓ کہنے لگے میں نے کدال کو دیکھا ہے کہ جب بھی اس کے ساتھ ضرب لگائی جاتی تھی تو اس کے نیچے چمک پیدا ہو جاتی تھی۔ آنحضرتؐ نے فرمایا پہلی ضرب کی چمک میں یمن کے محلات دوسری میں شام کے محلات اور تیسری میں مدائن کسریٰ کے قصر ابیض کو میں نے دیکھا۔ پھر آپ نے حضرت سلمانؓ سے قصر ابیض کی صفت بیان کرنا شروع کی۔ حضرت سلمانؓ نے عرض کیا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو برحق مبعوث کیا ہے۔ بے شک واقعی اس کی یہی صفت ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ بے شک اللہ کے رسول ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا اے سلمان! یہ فتوحات میرے بعد اللہ تعالیٰ تمھیں عطا کرے گا۔ شام ضرور فتح ہو گا، ہرقل اپنی مملکت کے بعید ترین علاقے میں بھاگ جائے گا۔ تم لوگ شام پر حملہ کرو گے اور کوئی تمھارا مقابلہ کرنے والا نہیں ہو گا۔ یمن ضرور فتح ہو کر رہے گا۔ اسی طرح اس مشرق (ایران) کی بھی تسخیر ہو گی کسریٰ قتل ہو گا اور اس کے بعد کوئی اور کسریٰ نہیں ہو گا۔ حضرت سلمانؓ کہتے ہیں یہ سب کچھ عملاً ہوتے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔[1]

---

[1] وفا الوفا ج ۴ ص ۱۲۰۸

روایت حضرت البراء ابن عازبؓ

وہ بیان کرتے ہیں کہ خندق کے ایک حصے میں ایک بڑی اور سخت چٹان حائل ہوگئی جس پر کدال کارگر نہ ہوتے تھے ہم صحابہ نے اس امر کی شکایت رسول پاکؐ سے کی تو انھوں نے تشریف لاکر چٹان کو دیکھا پھر کدال پکڑ کر اور بسم اللہ پڑھ کر ضرب لگائی۔ ایک تہائی چٹان ٹوٹ گئی۔ آپ نے فرمایا اللہ اکبر مجھے ملک شام کی چابیاں عطا کی گئی ہیں بخدا میں اس کے سُرخ محل یہاں سے دیکھ رہا ہوں۔ اور دوسری ضرب لگائی اور دوسری تہائی چٹان ٹوٹ گئی ساتھ ہی فرمایا اللہ اکبر مجھے ملک فارس کی کنجیاں عطا ہوئی ہیں۔ خدا کی قسم مجھے مدائن کا سفید محل سامنے دکھائی دے رہا ہے۔ تیسری ضرب پر باقی چٹان پاش پاش ہوگئی اور آپ نے فرمایا اللہ اکبر مجھے ملک یمن کی کلیدیں عنایت ہوئی ہیں۔ خدائے بزرگ و برتر کی قسم میں یہاں سے کھڑے اس وقت شہر صنعاء کے دروازے دیکھ رہا ہوں[1]

روایت حضرت ابوسکینہ

اس روایت میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنی ردا مبارک زمین پر رکھ دی۔ کدال ہاتھ میں لے کر ضرب لگائی چمک پیدا ہوئی اور تہائی حصہ چٹان کا ٹوٹ گیا۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے پڑھا تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ تیرے رب کی بات صدق اور عدل کے لحاظ سے پوری ہوئی۔ اللہ کی باتوں کو کوئی بدلنے والا بھی تو نہیں۔ وہ خوب سننے والا اور جاننے والا ہے)

اسی طرح دوسری اور تیسری ضرب پر یہی کلمات دہرائے۔ تہائی تہائی چٹان

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۱۰۱ تفسیر درمنثور ج ■ ص ۱۸۶

ٹوٹتی رہی بالآخر وہ پارہ پارہ ہوگئی۔ ہر ضرب کے ساتھ ایک بجلی سی چمک جاتی تھی اور حضرت سلمانؓ کھڑے اسے دیکھ رہے تھے۔ آنحضرتؐ خندق سے باہر نکلے اپنی چادر مبارک لے لی اور بیٹھ گئے۔ حضرت سلمانؓ کہنے لگے اے اللہ کے رسول امین نے آپ کو دیکھا ہے کہ جب آپ ضرب لگاتے تھے تو ضرب کے ساتھ ہی بجلی سی نکلتی تھی آنحضرتؐ نے فرمایا اے سلمانؓ! آپ نے بھی یہ دیکھا ہے۔ حضرت سلمانؓ نے جواب دیا ہاں! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو اے اللہ کے رسول برحق مبعوث فرمایا ہے۔

اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک پہلی ضرب پر میرے لئے مدائن کسریٰ اور اس کے گرد و نواح اور بہت سے اور شہر بھی بلند کر دیئے گئے حتیٰ کہ میں نے انھیں اپنی آنکھ سے دیکھا۔ اس پر حاضر صحابہ میں سے ایک شخص نے عرض کیا اے اللہ کے رسول خدا سے دعا مانگیں کہ وہ ہمیں ان پر فتح عطا فرمائے۔ حضور علیہ السلام نے دعا فرمائی۔ پھر دوسری ضرب کے بارے میں فرمایا کہ اس پر قیصر کے شہر اور ارد گرد کا علاقہ میرے لیئے بلند کر دیا گیا اور میں نے انھیں اپنی آنکھ سے دیکھا صحابہ نے ان شہروں کی تسخیر کے لئے دعا کی درخواست کی چنانچہ آپؐ نے دعا فرمائی۔ تیسری ضرب کے بارے میں فرمایا کہ اس پر میرے لئے حبش کے شہر اور ارد گرد کی بستیاں بلند ہوئیں اور انھیں اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اس کے ساتھ ہی آنحضرتؐ نے فرمایا۔ دعوا الحبشة ما دعوكم واتركوا الترك ما تركوكم یعنی اہل حبشہ اور ترکوں کو اس وقت اپنے حال پر چھوڑ دو جب تک وہ تم سے چھیڑ چھاڑ نہ کریں [1]

اہلِ ایمان کے لئے باعث ازدیادِ ایمان

جنگِ خندق کے موقع پر جب مسلمانوں نے گروہ در گروہ لشکر کفار کو دیکھا تو کہہ

---

[1] سنن نسائی ج ۲ ص ۵۲، ۵۳۔ البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۱۰۱-۱۰۲

اُٹھے جیسا کہ قرآن پاک میں ہے ھٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَصَدَقَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَمَا زَادَھُمْ اِلَّآ اِیْمَانًا وَّتَسْلِیْمًا (اسی چیز کا تو اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ ہی فرمایا تھا اس سے ان کے ایمان و یقین اور تسلیم و رضا میں اضافہ ہی ہوا۔) ۳۳/۲۲

پیشین گوئیوں پر منافقین کا ردِ عمل

منافقین نے چٹان والا واقعہ اور فتوحات کی پیشین گوئی سن کر کہا تھا کیا اے مسلمانو! تمھیں حیرانی نہیں ہوتی کہ (نعوذ اللہ) رسول تمھیں سبز باغ دکھاتا ہے اور بتاتا ہے کہ وہ یثرب میں سے حیرہ اور مدائن کسریٰ کو دیکھ رہا ہے اور مزید یہ کہ تم انھیں فتح کرو گے حالانکہ حالت تو تمھاری یہ ہے کہ بچاؤ کے لئے خندق کھود رہے ہو اور باہر نکل تک نہیں سکتے۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے سورہ احزاب کی یہ ایک آیت نازل فرمائی:۔

وَاِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا (اور جب منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے کہنے لگے کہ اللہ اور اس کے رسول نے جھوٹا وعدہ کیا (نعوذ باللہ)[1] ۳۳/۱۲

فتوحات کے بارے میں تاریخی شہادت

مخبر صادقؐ نے پے در پے فتوحات کی جو پیشین گوئیاں کی تھیں۔ تاریخ شاہد ہے وہ چند سالوں میں ہی پوری ہو گئیں۔ یمن تو عہد نبویؐ میں فتح ہو گیا تھا۔ ایران، عراق،

---

[1] تفسیر در منثور ج ۵ ص ۱۸۶، تاریخ الامم الملوک طبری ج ۲ ص ۲۳۶، کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۱۲۳

شام، مصر اور فلسطین وغیرہ تمام ممالک خلافت راشدہ میں مسخر ہو گئے۔ نہ کسریٰ رہا اور نہ قیصر اس طرح پیغمبر اسلامؐ کے سارے وعدے پورے ہو گئے۔

حضرت ابوہریرہؓ کا اعلانِ حق

خلافتِ راشدہ کے عہد میں جب کوئی شہر فتح ہوتا تو حضرت ابوہریرہؓ کو ذرا بھی اچنبھا نہ ہوتا تھا بلکہ وہ فرمایا کرتے تھے افتتحوا ما بدا لکم والذی نفس ابی ھریرۃ بیدہ ما افتتحتم من مدینۃ ولا تفتتحونھا الی یوم القیامۃ الا وقد اعطی اللہ سبحانہ محمداً صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مفاتیحھا قبل ذالک[1]

ترجمہ: جو ملک بھی چاہو تم فتح کر لو کیونکہ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں ابوہریرہ کی جان ہے تم نے کوئی شہر فتح نہیں کیا اور نہ قیامت تک فتح کرو گے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی چابیاں اس سے پہلے ہی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دے رکھی ہیں۔

خندق پر کفار کی حیرانی و پریشانی

قریش مکہ کا لشکرِ جرار جب مدینہ منورہ محاصرہ کرنے کی غرض سے آگے بڑھا تو اس نے اپنے سامنے وسیع و عریض خندق کو پایا۔ یہ طریقہ جنگ اُن کے لئے بالکل نیا اور ان کی توقع کے یکسر خلاف تھا۔ اس لئے وہ بڑے حیران و پریشان ہوئے اور یک زبان ہو کر بول اٹھے۔

ان ھذہ المکیدۃ ما کانت العرب تکیدھا۔[2]

---

[1] ۱۔ سیرت ابن ہشام قسم ثانی صہ ۲۱۹، تاریخ الامم والملوک طبری ج ۲ صہ ۲۳۶

[2] ۲۔ طبقات ابن سعد ج ۱ صہ ۴۵، استیعاب ابن عبدالبر ج ۲ صہ ۵۵

ترجمہ:۔ بے شک یہ تو عجیب جنگی چال ہے۔ عرب تو کبھی اس تدبیر سے آشنا نہ تھے۔

بیعتِ رضوان میں شرکت

سنہ ۶ھ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چودہ سو صحابہ کے ہمراہ مکہ مکرمہ عمرہ اور طوافِ کعبہ کی نیّت سے روانہ ہوئے۔ حدیبیہ پر پہنچ کر قریشِ مکہ کو اپنے ارادے سے باخبر کیا۔ قریش نے مزاحمت کی اس سلسلے میں حضور علیہ السلام نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنا سفیر بنا کر مکے بھیجا۔ وہاں انھیں کچھ دیر ہوگئی۔ اسی اثنا میں یہ افواہ پھیل گئی کہ انھیں شہید کر دیا گیا ہے۔ اس پر آنحضرتؐ نے ایک ببول کے درخت کے نیچے اپنے صحابہ سے خونِ عثمان کے قصاص اور کفار سے لڑتے رہنے کی بیعت لی۔ اس بیعت کو بیعت رضوان کہتے ہیں کیونکہ اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی خوشنودی کا اظہار کیا تھا اور یہ آیت اتری تھی لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ حضرت سلمانؓ بھی ان بیعت کرنے والوں میں شامل تھے جو مرضاتِ الٰہی کے حق دار قرار پائے۔

موتراشی کی خدمت وسعادت

صلح حدیبیہ ہو جانے کے بعد آنحضرتؐ نے قربانی کے جانور ذبح کرنے، احرام کھولنے، سر منڈوانے یا بال ترشوانے کا حکم دیا۔ اس موقع پر آنحضرتؐ نے خود اپنا سر بھی منڈوایا۔ عین ممکن ہے کہ یہ سعادت حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ آئی ہو کیونکہ مستشرق آربری نشاندہی کرتے ہیں کہ ایران میں جب اہل حرفہ کی پیشہ وارانہ تنظیمیں (Guilds) قائم ہوئیں تو انھوں نے اپنا خصوصی روحانی سرپرست حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قرار دیا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ رسولِ خدا کے موتراش

(Barber) تھے ۔ ملاحظہ ہو[1]

ایرانی سفیروں کی آمد اور سلمانؓ کی ترجمانی

صلح حدیبیہ کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ حضور پاکؐ کو تبلیغِ اسلام کا بہترین موقع مل گیا چنانچہ آپ نے دنیا کے مختلف حکمرانوں کے نام تبلیغی خطوط روانہ کئے۔

میرزا بدخشانی رقمطراز ہیں کہ آنحضرتؐ نے سنہ ؁ مطابق ۶۲۸ء میں ایک نامہ مبارک بادشاہ ایران خسرو پرویز کے نام لکھا۔ طبری لکھتے ہیں کہ کسریٰ نے جب یہ خط پڑھا تو غصے میں آگیا اور کہنے لگا یہ کون ہے جس نے اپنا نام میرے نام سے پہلے لکھا ہے۔ آخر اس کے حکم سے نامہ مبارک کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے۔ جب یہ خبر آنحضرتؐ کو پہنچی تو فرمایا اس نے اپنی سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے ہیں۔ طبری یہ بھی لکھتے ہیں کہ خسرو پرویز نے دو امرا آباقور اور اجو کو ایلچی بنا کر بھیجا۔ انھیں دو مراسلے دیئے۔ ایک جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے تھا اور دوسرا یمن کے حکمران بازان کے نام جو شہنشاہ ایران کا ماتحت تھا۔

بازان کو اس نے لکھا تھا کہ مدینہ پر فوج کشی کرو اور جو پیغمبری کا دعویٰ کر رہے ہیں انھوں یہاں لاؤ۔

ایلچیوں کو اس نے یہ بھی ہدایت کی تھی کہ وہ پہلے مدینہ جائیں اور جو پیغمبری کا دعویٰ کر رہے ہیں انھیں یہاں آنے کی دعوت دیں تاکہ میں سنوں وہ کیا کہنا چاہتے ہیں۔

چنانچہ ایلچی پہلے مدینہ میں خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور جو کچھ کہنا چاہتے تھے حضرت سلمانؓ نے ان کی ترجمانی کی۔ حضورؐ نے ایلچیوں کو حضرت سلمانؓ کے ہاں قیام کرنے

---

[1] The Legacy of Persia. P 87

کے لئے فرمایا۔ وہ ہر روز آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے ذریعے اپنی خواہش کا اظہار کرتے۔ حضورؐ ان سے شفقت کا سلوک کرتے۔ یہ ایلچی چھ ماہ مدینہ میں ٹھہرے رہے۔ آخر وہ پریشان ہوئے کیونکہ ان کا مقصد پورا ہونے کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ آخر حضورؐ پر وحی نازل ہوئی کہ شیرویہ نے خسرو پرویز کو ہلاک کر دیا ہے۔ اس عرصے میں ایلچی پھر حضورؐ کی خدمت میں پہنچے اور اپنے ترجمان کے ذریعے سے کہا یا تو ہمارے ساتھ تشریف لے چلیں یا ہمیں واپس جانے کی اجازت دیں۔ ہمارا بادشاہ یہ گوارا نہیں کرتا کہ ہم اور زیادہ دیر یہاں ٹھہریں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔

ان ربی عزوجل قد قتل ربکما۔ سلط اللہ علیہ ابنہ شیرویہ حتّٰی قتلہ البارحہ۔

حضورؐ کے اس ارشاد کا ترجمہ حضرت سلمانؓ نے کہہ سنایا یعنی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ السلام فرماتے ہیں کہ "خداوند تعالیٰ نے تمہارے بادشاہ کو ہلاکت سے دوچار کر دیا ہے۔ اس کے بیٹے شیرویہ کو مامور کیا جس نے اسے کل رات قتل کر دیا ہے"۔ ایلچی یہ سن کر مدینے سے چل پڑے اور یمن پہنچ گئے اور کسریٰ کا مراسلہ باذان کو دیا۔ اتنے میں ایران کے نئے حکمران شیرویہ کا مراسلہ باذان کو پہنچ چکا تھا۔[1]

چشم عبرت وا ہو تو پتہ چلتا ہے کہ جس بدبخت نے نامہ مبارک کو پارہ پارہ کر کے رسول اقدس کی بے حرمتی کی اس کا حشر یہ ہوا کہ اس کے لخت جگر نے اسے قتل کر کے لاش کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ اس کی سلطنت کے بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

مولوی اسحاق النبی علوی کی تحقیق کے مطابق خسرو پرویز کے قتل کی تاریخ جمادی ۷ھ

---

[1] تاریخ ایران ج ۱ ص ۵۰۷، ۵۰۸

مطابق ماہ فروری ۶۲۸ء ہے[1]

فاضل بدخشانی نے حاکم یمن کا نام بازان (زائے کے ساتھ) لکھا ہے جب کہ عرب مؤرخ اسے بالعموم باذان (ذال کے ساتھ) لکھتے ہیں۔ جناب بدخشانی چونکہ ایرانی ادبیات کے ماہر ہیں لہٰذا ممکن ہے صحیح نام بازاں ہی ہو۔ البتہ اس واقعے کی کچھ تفصیلات تاریخ طبری کے عربی نسخوں میں موجود نہیں۔ ہو سکتا ہے فارسی ترجمے میں مترجم نے کچھ اضافے کر دیئے ہوں اور یہی ترجمہ جناب بدخشانی کے پیش نظر رہا ہو۔ تاریخ طبری عربی میں یہ لکھا ہے کہ باذان نے ۶ھ میں قہرمانہ جس کا دوسرا نام بابویہ ہے اور خرخسرو کو مدینے بھیجا تھا۔

عہد نامہ خیبر ۷ھ سلمانؓ بطور گواہ

۷ھ میں حضور نبی کریمؐ سولہ سو مجاہدین اسلام کے ساتھ یہود خیبر کی سرکوبی کے لئے خیبر پہنچے۔ محاصرہ کر لیا گیا اور قلعے ایک ایک کر کے فتح ہوتے گئے۔

اس غزوے میں حسب معمول حضرت علی المرتضیٰؓ نے خوب داد شجاعت دی حضرت سلمانؓ بھی شریک جہاد تھے۔ فیصلہ جنگ کے بعد ایک روایت کے مطابق آنحضرتؐ نے مقنا، جنین اور خیبر والوں کے لئے ایک امان نامہ لکھ کر دیا تھا۔ اس امان نامہ کے کاتب حضرت علیؓ تھے اور گواہوں میں حضرت سلمانؓ شامل تھے[2]

وادی القریٰ میں آمد ثانی

خیبر سے فارغ ہو کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے لشکر کے ہمراہ وادی القریٰ کے یہودیوں

---

[1] :۔ ماہنامہ برہان جلد ۵۳ شمارہ ۱ صہ ۲۵

[2] :۔ سیاسی وثیقہ جات صہ ۶۳

کی طرف روانہ ہوئے۔ یہودیوں نے معمولی مقابلے کے بعد ہتھیار ڈال دیئے۔ حضرت سلمانؓ لشکرِ اسلام میں موجود تھے۔ وادی القریٰ میں دوسری بار انھیں جانے کا موقعہ ملا تھا۔ پہلی دفعہ غلام کی حیثیت سے اور اب فاتح قوم کے ایک مایہ ناز فرد کی حیثیت سے اس سرزمین پر قدم رکھ رہے تھے۔

وتلک الایام نداولھا بین النّاسِ۔ الآیۃ۔

محاصرۂ طائف ۸ھ سلمانؓ کی منجنیق سازی

مکہ فتح ہوا۔ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان دس ہزار قدوسیوں میں شامل تھے جو کلمہ حق کی سربلندی کے لئے تیغ بے نیام تھے۔ حنین کی جنگ ہوئی یہاں بھی وہ سرفروشی میں پیش پیش تھے۔ اس کے بعد طائف کا محاصرہ ہوا۔ بنو ثقیف نے بڑی مضبوط قلعہ بندی کر رکھی تھی۔ لشکرِ اسلام کو کامیابی کی کوئی راہ نظر نہ آتی تھی۔ اس موقع پر حضرت سلمانؓ نے ایک اور طریقۂ جنگ سے مسلمانوں کو متعارف کرایا۔ یہ منجنیق اور دبابے کا استعمال تھا جو قلعہ شکنی کے لئے پتھر پھینکنے کے مؤثر ہتھیار تھے۔

کہتے ہیں کہ منجنیق فنیقیوں کی ایجاد ہے۔ ان سے یونانیوں نے اور یونانیوں سے ایرانیوں نے یہ فن سیکھا۔ عربوں کے ہاں یہ فن حضرت سلمان فارسیؓ کے ذریعے پہنچا۔

جرجی زیدان نے تاریخ التمدن الاسلامی میں لکھا ہے کہ سلمان فارسیؓ نے دوسرے فنونِ جنگ کے ساتھ ساتھ منجنیق سازی بھی عربوں کو سکھائی تھی۔ علامہ ابن اثیر الجزری لکھتے ہیں کہ طائف کا محاصرہ کچھ اوپر بیس دن جاری رہا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے خلاف منجنیق نصب کرنے کا حکم دیا۔ منجنیق کے استعمال کا مشورہ حضرت سلمان فارسیؓ نے دیا تھا۔[1]

---

[1] تاریخ الکامل ج ۲ صہ ۱۸۱

حافظ ابن کثیر اور ایک اور مؤرخ مزید لکھتے ہیں کہ واقدی اپنے شیوخ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ بے شک حضرت سلمان فارسیؓ ہی وہ شخص ہیں جنھوں نے منجنیق کا مشورہ دیا اور اپنے ہاتھ سے اسے تیار اور استعمال بھی کیا۔ مزید یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ دو دبابے بھی بنا کر لائے تھے[1]

باذان فارسی کی آمد

حضرت باذان فارسی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سنہ۷ھ میں اسلام لائے اور ایک وفد کی صورت میں یمن سے مدینہ طیبہ حاضر ہوئے۔ حضور انورؐ نے ان کا خیر مقدم کیا اور ان کے بارے میں فرمایا:

انتم منّا والینا اھل البیت[2]

حضرت سلمانؓ کو ان کی آمد پر یقیناً بڑی خوشی ہوئی ہوگی کیونکہ وہ ان کے ہم وطن تھے اور ان کے اسلام لانے سے پورے یمن میں اشاعتِ اسلام کی راہ کھل گئی۔ خندق کی کھدائی کے موقع پر یمن کی فتح کی جو نوید جانفزا حضورؐ نے سنائی تھی اس کے پورا ہونے کا یہ پہلا ظاہری نشان تھا۔

واقعہ ثعلبہ بن عبدالرحمٰن

حضرت ثعلبہ بن عبدالرحمٰن انصاریؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت کیا کرتے تھے۔ ایک بار ان کی نظر ایک غسل کرنے والی عورت پر پڑ گئی اور دوسری بار بھی دیکھنے کی

---

[1] :۔ البدایہ والنہایہ، ج ۴ ص ۳۴۸

[2] :۔ سیرت ابن ہشام قسم اول ص ۶۹

غلطی کر دی۔ اب انھیں اندیشہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کہیں وحی نازل نہ ہو جائے اس لئے وہ آنحضرتؐ سے شرمسار ہو کر مدینہ سے دور نکل گئے۔ آنحضرت چالیس روز تک ان کے بارے میں دریافت کرتے رہے۔ پھر آپ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور حضرت سلمانؓ کو ان کی تلاش میں بھیجا۔ وہ انھیں بڑی مشکل سے واپس لائے۔ آنحضرتؐ نے ان سے پوچھا کہ کس وجہ سے آپ یہاں سے غائب ہو گئے۔ وہ کہنے لگے کہ اپنے گناہ کی وجہ سے۔ حضورؐ نے فرمایا تم یہ آیت پڑھا کرو رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ تمھارے گناہ معاف ہو جائیں گے وہ کہنے لگے کہ میرا گناہ تو بہت بڑا ہے۔ آپؐ نے فرمایا نہیں بلکہ اللہ کا کلام بڑا ہے۔ پھر حضرت ثعلبہؓ بیمار ہو گئے۔ حضرت سلمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے آکر آنحضرتؐ کو اطلاع دی۔ حضورؐ ان کے پاس تشریف لے گئے اور ان کا سر اپنی گود میں رکھا۔ وہ سر کو ہٹانے لگے۔ آپؐ نے پوچھا کہ ایسا کیوں کر رہے ہو، کہنے لگے محض اس وجہ سے کہ یہ سر گناہوں سے بھرا ہوا ہے۔ یہ اس لائق نہیں کہ آپؐ کی مقدس گود میں رکھا جائے۔ اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا حضرت جبرائیلؑ نے آکر خدا کا یہ پیغام مجھے دیا ہے کہ اگر میرا بندہ زمین کے برابر گناہ لے کر آئے تو میں اسی کے برابر مغفرت عطا کر دیتا ہوں۔[1]

عہدِ صدیقی کے حالات

۱۱ھ ——— ۱۳ھ

حضور سرورِ کائناتؐ کی رحلت کے بعد حضرت سلمانؓ مدینہ منورہ میں مقیم رہے۔

---

[1] :- طبقات الصوفیہ ص- ۱۳۲-۱۳۴ ملخصاً

اہلبیتِ نبوتؐ سے انھیں بے پناہ محبت اور عقیدت تھی اور وہ اس مودّت کو اپنا سرنامۂ نجات سمجھتے تھے۔ جتنا عرصہ وہ مدینے میں رہے خانوادۂ رسولؐ کے رنج و راحت میں برابر کے شریک رہے اور ان کی خدمت ہمیشہ ان کا شعار رہا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے عہد میں عراق اور شام کی فتوحات کا آغاز ہوا۔ عہدِ صدیقی کے آخر میں حضرت ابوالدرداؓ شام میں حضرت سلمانؓ عراق میں آباد ہونے کے لئے سنجیدگی کے ساتھ غور کرنے لگے۔ ان علاقوں میں آباد ہونے کا مقصد نومسلموں کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرانا اور ان کی تعلیم و تربیت کا انتظام کرنا تھا۔ قیامِ مدینہ کے دوران میں حضرت سلمانؓ خلیفۂ وقت کے ہاں بھی آمد و رفت رکھتے تھے اور دونوں بزرگ ایک دوسرے کی اسلامی خدمات کے معترف تھے۔

وفات ابوبکر صدیقؓ۔ تقاضائے وصیّت

زہری حضرت امام حسنؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت سلمان فارسیؓ اس بیماری کی حالت میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس آئے جس میں ان کا انتقال ہوا اور کہنے لگے۔

اے رسول اللہ کے خلیفہ! مجھے کچھ وصیت فرمائیں۔ حضرت صدیق نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰہ فاتحٌ علیکم الدنیا فلا یاخذن منہا احداً اِلاّ بلاغاً

(بے شک اللہ تعالیٰ دنیاوی خزانوں کے منہ تمھارے لئے کھولنے والا ہے۔

پس تم میں سے کوئی شخص اس میں سے ضرورت سے زیادہ ہرگز نہ لے[1]

یاد رہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات حسرت آیات ۲۱ جمادی الاخریٰ ۱۳ھ کو ہوئی اور پہلوئے رسولؐ میں مدفون ہونے کا شرف حاصل کیا۔

---

[1] ۔ کنز العمال ج ۲ ص ۱۴۶

ہمت او کشتِ اسلام را بچو ابر
ثانیٔ اسلام و غار و بدر و قبر

عہدِ فاروقی کے حالات

۱۳ھ ۔ ۲۴ھ

عراق میں سکونت

حضرت سلمان رضی اللہ تعالےٰ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت کے آغاز میں عراق میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ حمید بن ہلال کی روایت ہے کہ سلمان فارسیؓ اور ابو الدرداءؓ بھائی بھائی بنائے گئے تھے۔ حضرت سلمانؓ نے عراق میں اور حضرتِ ابو الدرداءؓ نے شام میں رہائش اختیار کی۔[۱]

مستشرق لوئی ماسینوں کا خیال یہ ہے کہ حضرت سلمانؓ کے عراق میں آباد ہونے کی وجہ یہ تھی کہ وہ ربیعہ عبد القیس قبیلے کے حلیف تھے۔ اسی حلف (معاہدہ) نے انھیں عراق جانے پر آمادہ کیا بعد ازاں یہ قبیلہ کوفے میں مستقل طور پر آباد ہو گیا تھا۔[۲]

میرے خیال میں محض اس وجہ سے وہ عراق نہیں گئے تھے بلکہ وہ فتوحاتِ عراق و ایران میں حصہ لینا چاہتے تھے۔ مزید براں وہاں کے نو مسلموں کی تعلیم و تربیت کو وہ

---

[۱] :۔ طبقات ابن سعد ج ۴، ص ۸۴

[۲] شارٹر انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ص ۵۰۱

اپنی اخلاقی ذمہ داری سمجھتے تھے اس لیئے وہ عراق جانے پر مجبور ہو گئے۔

سلمانؓ اور ابوالدرداءؓ کی خط و کتابت

حضرت سلمانؓ اور حضرت ابوالدرداءؓ کے درمیان خط و کتابت کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ حضرت ابوالدرداءؓ کو شام کی سرزمین بڑی راس آئی چنانچہ انھوں نے ایک خط میں لکھ بھیجا کہ تم سے جدا ہونے کا توصدمہ ہے لیکن یہاں مجھے خدا نے مال و دولت اور آل و اولاد سے بہت نوازا ہے۔ حضرت سلمانؓ نے جواب میں لکھ بھیجا کہ محض مال کی کثرت اور اولاد کی زیادتی میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔ بھلائی تو اس میں ہے کہ تمھارے علم میں اضافہ ہو اور تمھارا وہ علم تم کو فائدہ بھی پہنچائے یعنی اس پر عمل کرنے کی توفیق بھی میسر ہو[1]

حضرت عمر فاروقؓ نے ابوالدرداءؓ کو دمشق کا قاضی مقرر کر دیا تھا۔ اس بات کی اطلاع جب حضرت ابوالدرداءؓ نے حضرت سلمانؓ کو خط کے ذریعے دی اور ارضِ مقدس (شام) میں آنے کی دعوت دی۔

حضرت یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ حضرت ابوالدرداءؓ نے حضرت سلمانؓ کو لکھ بھیجا کہ آکر ارضِ مقدس کی زیارت کر جاؤ تو انھوں نے جواب میں یہ لکھ بھیجا کہ زمین کسی کو مقدس نہیں بناتی بلکہ اچھے عمل ہی انسان کو صحیح معنوں میں تقدیس بخشتے ہیں مزید یہ بھی لکھا کہ پتہ چلا ہے کہ تم لوگوں کے معاملات کے طبیب (قاضی) بنائے گئے ہو۔ اگر واقعی لوگوں کا علاج کرتے ہو اور معاملات کو عدل کے ساتھ طے کر لیتے ہو تو پھر تو بہت اچھا ہے اور اگر خواہ مخواہ طبیب بن بیٹھے ہو تو فیصلہ کرنے سے پرہیز کرو۔ کہیں

---

[1] :۔ اسد الغابہ، ج ۲، صہ ۳۳۱

ایسا نہ ہو کہ کسی انسان کو مار بیٹھو اور جہنم میں سزا بھگتنی پڑ جائے۔ اس کے بعد سے حضرت ابوالدرداءؓ کا معمول یہ ہو گیا کہ جب فریقین سماعتِ مقدمہ کے بعد جانے لگتے تو وہ (ازراہ احتیاط) انھیں دوبارہ بلواتے اور بیان دہرانے کے لئے کہتے اور (بڑے عجز و انکسار کے ساتھ) فرماتے بھائی میں تو یونہی طبیب (قاضی) بن بیٹھا ہوں[1]

حضرت ابوالدرداءؓ بھی اپنے خطوط میں حضرت سلمانؓ کو پند و نصائح کے ذریعے خیر خواہی کا فرض ادا کرتے رہتے تھے۔ ایک مفصل خط میں انھوں نے تحریر کیا تھا اے میرے بھائی! اپنی صحت اور فراغت کے لمحات کو غنیمت جانو۔ اس سے پہلے کہ کوئی ایسی مصیبت نازل ہو جائے جس کو رد نہ کیا جا سکے۔ مصیبت میں کام آنے والی ایک چیز ہے اور وہ ہے مصیبت زدہ کی دعائیں۔ مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کر کے ان کی دعائیں لینے کی کوشش کیا کرو۔ تمھیں اپنا زیادہ وقت خانۂ خدا میں گزارنا چاہیئے کیونکہ میں نے رسول پاکؐ کو فرماتے سنا ہے کہ مسجد پرہیزگار کا گھر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لئے کہ جو مسجدوں کو اپنا گھر بناتے ہیں ابدی راحت و آرام، پل صراط سے بآسانی گزرنے اور اپنی خوشنودی کی ضمانت دے رکھی ہے۔ میرے پیارے بھائی یتیموں کے سروں پر دستِ شفقت پھیرا کرو۔ انھیں پاس بٹھا کر انھیں کھلایا پلایا کرو۔ اس سے تمھارے دل کی سختی دور ہو گی اور نرمی پیدا ہو جائے گی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک بار ایک شخص نے رسول پاکؐ کے سامنے اپنے دل کی سختی کی شکایت کی تھی اور آنحضرتؐ نے یہی علاج تجویز فرمایا تھا۔ میرے بھائی! وہ چیزیں مت جمع کیا کرو جن کے شکر ادا کرنے کی تم میں ہمت نہ ہو۔ مجھے پتہ چلا ہے کہ تم نے خدمت کے لئے ایک غلام خریدا ہے۔ یاد رکھو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ انسان حساب کتاب

---

[1] :- موطا امام مالک ص ۳۲۲

سے اس وقت تک محفوظ رہتا ہے جب تک کہ وہ کسی سے خدمت نہ لے۔ اگر کوئی شخص کسی غلام سے خدمت لیتا ہے تو اس پر حساب لازم ہو جاتا ہے۔ مجھ سے بھی تمھاری بھاوج ام الدرداء نے ایک خادم مانگا تھا۔ میری مالی حالت بھی غلام خریدنے کی اجازت دیتی تھی لیکن میں نے باز پرس کے احساس کے پیش نظر انکار کر دیا۔[1]

مہماتِ عراق میں شرکت

حضرت سلمانؓ عراق میں تھوڑا سا عرصہ کسی قدر فارغ رہے۔ عراق میں فتوحات کا سلسلہ جاری تھا۔ انھوں نے جہاد میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا۔ عراق کا بیشتر حصہ کسریٰ ایران کے زیرنگیں تھا۔ اسلامی افواج اس وقت عراق اور شام دونوں علاقوں میں دو مختلف محاذوں پر نبرد آزما تھیں۔ حضرت سلمانؓ نے عراق اور ایران کی جنگوں میں شریک ہونے کو ترجیح دی۔ اس کی وجوہات یہ تھیں کہ وہ خود ایرانی تھے اور ان علاقوں کے بارے میں بہتر معلومات رکھتے تھے مزید برآں ہم زبان ہونے کے ناطے وہ اپنے اہلِ وطن کے سامنے تبلیغِ اسلام کا فریضہ بھی بآسانی ادا کر سکتے تھے۔

اہم فوجی عہدوں پر تقرر

اسی اثنا میں حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ آئے اور کسی دوست کے ہاں ٹھہرے۔ خلیفۂ وقت حضرت عمر فاروقؓ کو پتہ چلا تو لوگوں سے فرمایا آؤ چلیں حضرت سلمانؓ سے مل آئیں۔[2]

---

[1] حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۲۱۴

[2] طبقات ابن سعد، ج ۴، ص ۸۶

حضرت عمرؓ حضرت سلمانؓ کے پاس پہنچے تو انھوں نے آرام سے بیٹھنے کی خاطر تکیہ پیش کیا۔ حضرت عمرؓ نے دریافت کیا اے ابوعبداللہ! یہ کیا (تکلف) ہے۔ حضرت سلمانؓ نے فرمایا کہ میں نے حضور علیہ السلام سے سنا ہے۔ آپ فرماتے تھے۔ جب کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کے پاس آئے اور وہ اس کے اکرام کے لئے تکیہ پیش کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت کر دیتا ہے۔[۱]

غالباً اسی موقعہ پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے حضرت سلمانؓ کو مہمات عراق و ایران میں شریک ہونے اور داعی اور رائد کے عہدے قبول کرنے کی پیش کش کی۔ داعی کے فرائض میں افواج کفار کو حملے سے پہلے اسلام کی دعوت دینا اور تین مشہور شرائط پیش کرنا شامل تھا۔ تین شرائط یہ تھیں:

۱ - اسلام قبول کر لو۔

۲ - جزیہ ادا کر دو اور اپنے مذہب پر قائم رہو۔

۳ - ورنہ پھر مقابلے کے لئے تیار ہو جاؤ۔

رائد فوج کے افراد کو خوراک اور جانوروں کے چارے کی سپلائی کے منتظم اعلیٰ کو کہتے ہیں اور یہ بالعموم ہراول دستے کا بھی سردار ہوتا تھا۔ حضرت سلمانؓ کو یہ عہدے ان کی انتظامی قابلیت، علاقے سے واقفیت اور قرآن و سنت میں مہارت کی بدولت دیئے گئے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ عہدہ داروں کے انتخاب میں بڑے غور و فکر کے بعد فیصلہ کیا کرتے تھے۔

مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ جو افسر مقرر کرتے تھے ان میں یہ حیثیت بھی ضرور ملحوظ رکھتے تھے کہ وہ عالم اور فقیہ ہوں۔ یہی نکتہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہد کے

---

[۱] حیاۃ الصحابہ، ج ۲ ص ۵۱۵ بحوالہ معجم طبرانی صغیر

فوجی اور ملکی افسروں میں ہم ابوعبیدہؓ، سلمان فارسیؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ اور معاذ بن جبلؓ وغیرہ کا نام پاتے ہیں جو ملکی اور فوجی قابلیت کے ساتھ علم و فضل میں بھی ممتاز تھے اور حدیث و فقہ میں اکثر ان کا نام آتا ہے[1]

معرکہ بویب سنہ ۱۳ھ

عراق کی مہمات کے سلسلے میں غالباً معرکہ بویب پہلی جنگ ہے جس میں حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شرکت کی۔ سپہ سالار حضرت مثنیٰ تھے اور رائد حضرت سلمان فارسیؓ۔ دریائے فرات کے ایک طرف لشکرِ اسلام تھا اور دوسری طرف لشکرِ کفار۔ شرطیں پیش ہوئیں لیکن ایرانی لڑنے پر بضد رہے۔ حضرت مثنیٰ نے انھیں دریا عبور کر کے آنے اور مقابلے کرنے کی دعوت دی۔ ایرانی فوج نے کشتیوں کا پل باندھا ہوا تھا سخت مقابلہ ہوا۔ حضرت مثنیٰ نے پل توڑ دیا اور ایرانیوں کو راہ فرار اختیار کرنے کا موقع نہ مل سکا اس لئے کافی لوگ مارے گئے اور ایرانیوں کو شکست فاش ہوئی۔

جنگِ قادسیہ سنہ ۱۴ھ

اس جنگ میں لشکرِ اسلام کی تعداد تیس ہزار کے قریب اور ایرانیوں کا لشکر ایک لاکھ بیس ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھا۔ اس جنگ کی اہمیت کے پیش نظر حضرت عمرؓ نے بذاتِ خود کمان کرنے کی خاطر مدینے سے نکلنے کا ارادہ ظاہر کیا لیکن اکابر صحابہ نے مشورہ دیا کہ آپ کا مرکز خلافت میں رہنا نہایت ضروری ہے چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو سپہ سالار مقرر کیا گیا۔ یہ جنگ بڑی فیصلہ کن ثابت ہوئی اور اس جنگ نے ایران جس کی

---

[1] الفاروق ص ۳۶۰

عظمت اور طاقت دنیا میں مسلّم تھی اس کا جنازہ نکال کر رکھ دیا۔ مؤرخینِ اسلام بیان کرتے ہیں کہ اس جنگ میں بحکم خلیفہ وقت حضرت عمرؓ حضرت سلمانؓ رائد اور داعی تھے۔ ملاحظہ ہو[1]

دیوان الوظائف ۱۵ھ

محرم ۱۵ھ میں حضرت عمر فاروقؓ نے مسلمانوں کے لئے بیت المال سے سالانہ وظائف مقرر کئے اور باقاعدہ دیوان (رجسٹر) بنائے گئے۔ یہ وظائف سبقت ایمانی اور اسلامی خدمات کی بنیاد پر دیئے گئے۔ امہات المومنین کے بعد سب سے زیادہ وظیفہ اصحابِ بدر کا حق ٹھہرا چنانچہ انھیں پانچ پانچ ہزار درہم سالانہ دیئے گئے۔ حضرت سلمانؓ حضرت ابوذر غفاریؓ، امام حسنؓ اور امام حسینؓ اگرچہ بدری نہیں تھے تاہم ان کے رسول پاکؐ سے قریبی تعلق اور ان کی اسلامی خدمات کے پیش نظر انھیں بھی اصحابِ بدر کے برابر وظائف دیئے گئے۔

امام طبری لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اہلِ بدر کے ساتھ چار غیر بدریوں حسنؓ حسینؓ ابوذرؓ اور سلمانؓ کو بھی ملا دیا[2]

امام حسنؓ کا ایک بیان بھی اس امر کی توثیق کرتا ہے کہ حضرت سلمانؓ کا وظیفہ پانچ ہزار تھا[3]۔

---

[1] ۔ تاریخ الامم والملوک طبری ج ۳ ص ۹، اتمام الوفا ص ۷۹

[2] ۔ تاریخ الامم والملوک ج ۳ ص ۱۰۶

[3] ۔ طبقات ابن سعد، ج ۴ ص ۸۷

فتح بہرسیر سنہ ۱۶ھ

بہرسیر دراصل دہ اردشیر (اردشیر کا گاؤں) کا معرب ہے۔ پہلے اسے سلوکیا کہتے تھے۔ یہ شہر دجلہ کے مغربی کنارے پر واقع تھا اور فصیل دار بڑا مستحکم شہر تھا۔ اس کے بالمقابل دریا کے دوسرے کنارے پر مدائن آباد تھا۔ اسلامی افواج نے دو مہینے تک بہرسیر کا محاصرہ کئے رکھا۔ بالآخر منجنیقیں شہرزاد سے لاکر نصب کر دی گئیں۔ حضرت سلمانؓ جو فوج کے داعی تھے انھوں نے تین روز تک ایرانیوں کو دعوتِ اسلام دی اور تین شرطیں پیش کیں۔ عطیہ بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے حضرت سلمانؓ کو اہلِ بہرسیر کو دعوت دینے کے لئے مقرر کیا تھا اور انھوں نے تین روز تک دعوت دی[1]

اس کے بعد منجنیقوں سے سنگباری شروع کر دی گئی فصیلیں ٹوٹ پھوٹ گئیں اور مجاہدین فاتحانہ انداز میں داخل ہوئے۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ مسلمان آدھی رات کو بہرسیر میں داخل ہوتے۔ کسریٰ کا قصر ابیض تھوڑے فاصلے پر سامنے دکھائی دینے لگا۔ حضرت ضرار بن الخطابؓ اسے دیکھتے ہی پکار اٹھے اللہ اکبر ابیض کسریٰ ھذا ما وعد اللہ و رسولہ (خدا کی ذات بڑی ہے۔ یہ شاہ ایران کا وہی سفید محل ہے جس کے فتح ہونے کا اللہ اور اس کے رسول نے وعدہ فرمایا تھا) سلمان سپاہیوں نے بھی اس کے بعد نعرۂ تکبیر بلند کیا اور برابر نعرے لگاتے رہے یہاں تک کہ صبح ہو گئی[2]

فتح مدائن سنہ ۱۶ھ

مدائن کا دوسرا نام طیسفون تھا۔ یہ شہر کسریٰ ایران کا پایۂ تخت تھا۔ یہ دریائے دجلہ

---

[1] :- تاریخ الامم والملوک طبری ج ۳ صہ ۱۲۴

[2] :- تاریخ الامم والملوک ج ۳ صہ ۳، کامل ابن اثیر ج ۲ صہ ۳۵

کے مشرقی کنارے پر واقع تھا۔ بہرسیر اور مدائن ایک پل کے ذریعے باہم ملے ہوئے تھے۔
جب بہرسیر فتح ہوا تو ایرانیوں نے اس پل کو توڑ دیا اور کسریٰ مدائن سے اساورہ کے ساتھ بھاگ گیا۔ سپہ سالارِ لشکر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے دریائے دجلہ کو عبور کر کے مدائن پر حملہ کرنے کے لئے کشتیوں کی تلاش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ ساری کشتیوں پر دشمن کا قبضہ تھا لہٰذا ماہ صفر کے چند ایام بہرسیر میں وہ ٹھہرے رہے۔ اسی دوران میں دجلے میں سخت طغیانی آ گئی۔ ان دنوں حضرت سعدؓ نے خواب میں دیکھا کہ مسلمانوں کے گھوڑے پانی میں گھس گئے اور دریا عبور کر گئے ہیں حالانکہ طغیانی زوروں پر تھی۔ اس خواب کو حقیقت میں بدلنے کے لئے گھوڑوں پر دریا عبور کرنے کا انقلابی فیصلہ کیا گیا۔ مجاہدینِ اسلام نے بھی اس فیصلے سے اتفاق کیا۔

گھوڑوں پر دجلہ عبور کرنا

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

امام طبری بیان کرتے ہیں کہ گرمی کا موسم تھا اور دریا شدید طغیانی پر تھا لیکن مجاہد ذرا بھی ہراساں نہ ہوئے۔ پیش رو دستہ سب سے پہلے حضرت عاصم بن عمرو کی سرکردگی میں دریا میں داخل ہوا۔ اس کے پیچھے باقی مجاہدین نے اپنے گھوڑے ڈال دیئے۔ جانبازانِ اسلام دریا پر اپنی کثرت کی وجہ سے اس قدر چھائے ہوئے تھے کہ پانی نظر نہیں آتا تھا۔ سیاہی ہی سیاہی چھائی ہوئی تھی۔ ایرانیوں نے دیکھا تو ان کے گھوڑ سوار بھی دریا میں کود گئے۔ دریا میں سخت مقابلہ ہوا اور بالآخر مجاہدین نے انھیں مار بھگایا۔

سلمانؓ و سعدؓ ہم رکاب

طبری لکھتے ہیں کہ حضرت سلمانؓ، حضرت سعدؓ

کے ساتھ تھے اور گھوڑے مجاہدین کو لے کر تیرتے جا رہے تھے۔ اس وقت سعدؓ کے لبوں پر یہ دعائیہ کلمات تھے:

حسبنا اللّٰہ ونعم الوکیل واللّٰہ لینصرن اللّٰہ ولیہ ولیظہرن اللّٰہ دینہ ولیہزمن اللّٰہ عدوہ ان لم یکن فی الجیش بغی اوذنوب تغلب الحسنات[1]

ترجمہ: ہمارے لئے اللہ کافی ہے اور وہی عمدہ کارساز ہے۔ خدا کی قسم! اللہ ضرور اپنے دوست کی مدد کرے گا اور اپنے دین کو ضرور غالب کرے گا۔ یقیناً وہ اپنے دشمن کو منہ کی کھلانے پر مجبور کر دے گا بشرطیکہ لشکر اسلام میں ایسے ظلم و عصیان کا ارتکاب نہ ہو کہ جو نیکیوں پر غالب آجائے۔

عمیر الصائدی کہتے ہیں کہ حضرت سعدؓ اور حضرت سلمانؓ دجلہ عبور کرتے وقت ساتھ ساتھ رہے اور حضرت سعد کہتے جاتے تھے ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ (یہ غلبے اور علم والے خدا کا اندازہ ہے)[2]

سلمانؓ کی پیش گوئی

حضرت سلمانؓ نے حضرت سعدؓ کے کلمات سنے تو فرمایا:

الاسلام جدید ذللت لھم البحور کما ذلل لھم البر اما الذی نفس سلمان بیدہ لیخرجن منہ افواجاً کما دخلوا فیہ افواجاً[3]

---

[1] :۔ تاریخ الامم والملوک ج ۳ صـ ۱۲۱، ۱۲۲

[2] :۔ ایضاً صـ ۱۲۴

[3] :۔ تاریخ الامم والملوک ج صـ ۱۲۳، کامل ابن اثیر ج ۲ صـ ۳۵۷

ترجمہ: اسلام ہر دم نو بہ نو اور تر و تازہ ہے مسلمانوں کے لئے سمندر بھی اسی طرح مسخر کر دیئے گئے ہیں جیسے کہ زمین۔ اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں سلمان کی جان ہے مسلمان اس دریا سے اسی طرح فوج در فوج نکلیں گے جیسے کہ وہ فوج در فوج اس میں داخل ہوئے تھے۔

پیشگوئی سچ ثابت ہوئی

تاریخ شاہد ہے کہ حضرت سلمانؓ کی یہ پیش گوئی حرف بحرف سچ ثابت ہوئی۔ آخر ایسا کیوں نہ ہوتا؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسی ہی مقدس ہستیوں کے بارے میں تو فرمایا تھا:

کَمْ مِنْ اشعث اغبر ذی طمرین لا یوبہ لہٗ لو اقسم علی اللّٰہِ لابرہ [1]

ترجمہ: کتنے ایسے پراگندہ بالوں والے، غبار آلود چہروں والے اور پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس لوگ ہیں کہ دوسرے لوگ ان کی پروا تک نہیں کرتے۔ لیکن اگر وہ خدا کا نام لے کر کچھ کہہ دیں تو خدا ان کے کہے کی لاج رکھتا ہے اور وہ بات ضرور پوری کر دیتا ہے۔

مورخین کا لکھنا یہ ہے فخرجوا منہ کما قال سلمان لم یفقدوا شیئاً ولم یغرق منہم احد" یعنی وہ تمام لوگ دریا سے اسی طرح صحیح وسالم باہر نکلے جس طرح کہ حضرت سلمانؓ نے فرمایا تھا۔ نہ کوئی چیز گم ہوئی اور نہ کوئی شخص ڈوبنے پایا۔[2]

---

[1] :۔ جامع ترمذی ص ۵۴۸

[2] :۔ تاریخ الامم والملوک ج ۳ ص ۱۲۲

دیواں آمدند

ایرانیوں نے جب مسلمانوں کو گروہ در گروہ دریا سے نکلتے دیکھا تو اپنی فارسی زبان میں پکار پکار کر کہنے لگے دیواں آمدند! دیواں آمدند! یعنی دیو آ گئے دیو آ گئے۔ پھر ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ ہمارا مقابلہ انسانوں سے نہیں بلکہ جنوں سے ہے[1]

محاصرہ قصر ابیض

مدائن میں ایک سفید محل تھا جسے طاقِ کسریٰ یا ایوانِ مدائن بھی کہتے ہیں۔ نوشیرواں عادل نے اسے تعمیر کرایا تھا اور وہ کسریٰ ایران کی اقامت گاہ تھا۔ لشکرِ اسلام جب شہر میں داخل ہوا تو شہنشاہ یزدگرد وہاں سے پہلے جا چکا تھا۔ باقی ماندہ فوج قصرِ ابیض میں قلعہ بند ہو گئی اور مسلمانوں نے محاصرہ کر لیا۔

سلمانؓ کی دعوت

حضرت سلمان فارسیؓ نے قلعہ بند ایرانیوں کو تین روز تک دعوت اسلام دی اور تین شرطیں پیش کیں۔ دعوت دیتے وقت انھوں نے فرمایا تھا لوگو! سنو بے شک میں تمھارا ہم وطن بھائی ہوں۔ ان میں سے ایک قبول کر لو۔

۱۔ اگر اسلام قبول کر لو تو تم ہمارے دینی بھائی بن جاؤ گے اور ہمارے تمھارے حقوق و فرائض ایک جیسے ہو جائیں گے۔

۲۔ دوسری چیز جزیہ ہے یعنی کچھ رقم دے کر ہماری ضمانت میں آ جاؤ۔

---

[1] ۱۔ تاریخ الامم والملوک، ج ۳ ص ۱۲۴

۳ - تیسری صورت باقی یہ رہ جاتی ہے کہ پھر تم سے قتال کیا جائے گا کیونکہ اللہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

قصرِ ابیض والوں نے جواب دیا کہ ہمیں درمیانی شرط یعنی جزیہ دینا منظور ہے۔ چنانچہ انھوں نے محل کے دروازے کھول دیئے اور حضرت سعدؓ اپنے لشکر کے ساتھ اس محل میں داخل ہو گئے۔[1]

فتح مدائن سے کسریٰ ایران کی قبائے اقتدار تار تار ہوگئی اور اس کے ذریعے پیغمبر اسلام علیہ السلام کی وہ پیش گوئی اور اللہ کا وعدہ پورا ہوا۔ تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا۔

فاتحینِ مدائن کو خراجِ تحسین

مدائن کی فتح سے بہت سا مالِ غنیمت مسلمانوں کو حاصل ہوا جس میں زر و جواہر کے علاوہ بیش بہا قالین تھے۔ جب خمس (پانچواں حصہ) بارگاہِ خلافت میں پیش ہوا تو حضرت عمرؓ اور حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ دونوں بزرگوں نے سرکار لشکر کی دیانت کی بے حد تعریف کی۔

جنگِ جلولا ذی قعدہ سنہ ۱۶ھ

مدائن کی فتح کے ساتھ ہی عراق العجم کی فتوحات مکمل ہوگئیں۔ اب ایرانیوں نے ایران کے شہر جلولا میں جا کر پناہ لی۔ شہر کے گرد خندق کھود کر مقابلے کی تیاریاں کرنے لگے۔ ہاشم بن عتبہ اور قعقاع بن عمرو کی سرکردگی میں مجاہدینِ اسلام نے ان پر حملہ کر دیا اور انھیں

---

[1] :- تاریخ الامم والملوک ج ۳ صـ ۱۲۴

شکست دی۔ ایران کی سرزمین پر اس معرکے میں حضرت سلمان کی شرکت کا امکان ہے کیونکہ عامر الشعبی کی روایت میں ہے کہ حضرت سلمانؓ نے مرتے وقت اپنی بیوی سے اس جنگ میں ملنے والا مشک منگوایا تھا۔

شہر کوفہ کی تعمیر ۱۷ھ

شیخ خضری بک لکھتے ہیں کہ مدائن فتح ہونے کے بعد سے ۱۷ھ تک عراق کا صوبائی صدر مقام رہا۔ امیر المومنین حضرت عمرؓ نے ان عرب مجاہدین میں جو مدائن میں رہنے لگے تھے یہ محسوس کیا کہ ان کے چہروں کے رنگ میں تغیر رونما ہو گیا ہے اور وہ جسمانی لحاظ سے کمزور دکھائی دیتے ہیں۔ اس لئے انھوں نے سپہ سالار حضرت سعدؓ کو لکھ بھیجا کہ حضرت سلمان فارسیؓ اور حضرت حذیفہ بن الیمانؓ کو ایسی جگہ کی تلاش میں بھیج دیں جہاں آب و ہوا موافق اور جانوروں کے لئے چارے کی بہم رسانی آسان ہو۔ وہ برّی یا بحری ایسی جگہ منتخب کریں جہاں میرے اور اس جگہ (چھاؤنی) کے درمیان کوئی دریا یا پل حائل نہ ہو۔ حضرت سعد نے دونوں حضرات کو اس مقصد کے لئے بھیج دیا اور دونوں نے کوفہ والی جگہ پر اتفاق کیا۔[1]

امام طبریؒ مزید بتاتے ہیں کہ یہ دونوں اصحاب ویسے بھی لشکرِ اسلام کے رائد تھے حضرت سلمانؓ تلاش میں نکلے تو انبار جا پہنچے پھر دریائے فرات کے مغربی کنارے کے ساتھ ساتھ چلتے رہے لیکن کوئی جگہ پسند نہ آئی بالآخر کوفہ کی جگہ پر پہنچے اور اسے منتخب کر لیا۔ اسی طرح حذیفہؓ فرات کے مشرقی کنارے پر جگہ تلاش کرتے کرتے کوفہ آکر ٹھہر گئے اور ان کا انتخاب بھی یہی جگہ تھی۔[2]

لہ ۱- اتمام الوفا صہ ۹۴-۹۵

لہ ۱- تاریخ الامم والملوک ج ۳ صہ ۱۴۵، ۱۴۶

کوفہ کی فضیلت

مورخینِ اسلام کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کوفے کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ کوفہ ہجرت کے بعد ایک اور ہجرت کا مقام ہے۔ بے شک یہ قبتہ الاسلام ہے۔ ایک وقت آئے گا کہ کوئی مومن نہیں ہوگا کہ یا تو خود یہاں آجائے گا ورنہ کم ازکم اسے اچھا ضرور سمجھے گا۔[1]

فتوح البلدان بلاذری میں یہ قول حضرت سلمان فارسیؓ کا بیان کیا گیا ہے۔

اہلِ کوفہ کی مذمت

غالباً کوفہ کا یہ دورِ فضیلت امیر المومنین حضرت علیؓ کے عہدِ خلافت تک تھا حضرت علیؓ بھی اپنی زندگی کے آخری ایام میں اہلِ کوفہ سے تنگ دل ہو گئے تھے اور شہادت کی آرزو کیا کرتے تھے۔ تاریخ میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ جو مستجاب الدعا بزرگ تھے کی ایک بد دعا بھی اہل کوفہ کے بارے میں محفوظ ہے۔ انھوں نے فرمایا تھا خدایا نہ کوئی والی ان سے خوش رہے اور نہ یہ کسی والی سے خوش رہیں۔[2]

امکان اس بات کا بھی ہے کہ کوفہ کی آبادی کے بعد حضرت سلمانؓ نے مدائن کے علاوہ کوفہ میں بھی رہائش اختیار کر لی تھی۔

مدائن کی گورنری

حضرت عمر فاروقؓ حضرت سلمانؓ کی دیانت اور صالحیت سے بے حد متاثر تھے۔

---

[1] ۔ تاریخ الامم والملوک ج ۳ ص ۱۹۰

[2] ۔ فتوح البلدان ج ۱ ص ۳۹۸

چنانچہ انھوں نے اصرار کر کے انھیں مدائن کی گورنری کا منصب دے دیا۔ وہ چند سال گورنر رہے لیکن اتنی سادگی سے کہ لوگوں کو بعض اوقات پتہ بھی نہ چلتا تھا کہ وہ عام آدمی ہیں یا صوبے کے حاکم اعلیٰ۔ جاہ وحشم، کروفر، دربار و دربان وغیرہ سے بالکل بے نیاز تھے۔ خدمتِ خلق ان کا شعار تھا اور اسی جذبے سے سرشار تھے۔ جو کچھ تنخواہ ملتی وہ راہِ خدا میں دے دیتے تھے اور خود ہاتھ کی کمائی پر گذر اوقات کیا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ کو اطلاع ملی تو انھوں نے ازرہِ ہمدردی بوریا بننے سے روک دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معمول تھا کہ اپنے گورنروں کے تقرر کے وقت ان کی جائیداد کی فہرست مرتب کرایا کرتے تھے اور جب وہ عہدوں سے سبکدوش ہوتے تو پھر فہرست بنا کر جائداد کا جائزہ لیا جاتا۔ اگر جائداد تنخواہ کے تناسب سے زیادہ ہو جاتی تو اسے بیت المال میں جمع کرا دیتے تھے۔ لیکن حضرت سلمانؓ کی حالت تو سب سے انوکھی تھی۔ گورنر مقرر ہوئے تو بھی قابلِ ذکر جائداد نہ تھی اور عہدے سے فارغ ہوئے تو اس وقت بھی خالی ہاتھ تھے۔ سرکاری اقامت گاہ میں کبھی نہیں ٹھہرے۔ مسجد میں ہی اپنا بستر بچھا لیتے اور سو رہتے۔ بستر بھی کیا تھا بس ایک چادر تھی۔ وہی ان کا اوڑھنا اور وہی بچھونا۔ گورنر ہوتے ہوئے اسی چادر میں جمعے کا خطبہ دیا کرتے۔ بازار سے گزرتے تو ساتھ کوئی محافظ دستہ یا پولیس کی جمعیت نہ ہوتی صحیح معنوں میں عوامی گورنر تھے جہاں جانا ہوتا بڑی سادگی اور بے تکلفی کے ساتھ آتے جاتے۔ سادگی اور افسرانہ خو بو سے بے نیازی کی وجہ سے یہاں تک بھی ہوا کہ ناواقف شخص نے انھیں مزدور سمجھ لیا اور اپنا بوجھ اٹھانے کے لئے کہہ دیا جب اسے پتہ چلا کہ آپ تو صحابیِ رسولؐ اور یہاں کے حاکم ہیں تو اسے بڑی شرمندگی ہوئی اور معذرت کی لیکن آپ نے فرمایا نہیں میں تمھارا بوجھ پہنچا کر ہی آؤں گا۔ میں لوگوں کی خدمت کے لئے ہی تو مقرر ہوا ہوں۔ ثابت کی روایت ہے کہ جب حضرت سلمانؓ مدائن کے امیر تھے۔ بنی تیم اللہ میں سے ایک شخص شام سے آیا اور اس کے پاس

انجیروں کی ایک گٹھڑی تھی۔ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اونچا پاجامہ اور عبا پہنے وہاں سے گزرے۔ وہ شخص آپ کو جانتا نہیں تھا لہٰذا اپنا بوجھ اٹھا لینے کے لئے کہہ دیا۔ آپ نے بخوشی اٹھا لیا۔ بازار سے گزرے تو لوگوں نے حضرت سلمانؓ کو پہچان کر اس شخص سے کہا کہ تمھیں پتہ نہیں۔ یہ تو یہاں کے حاکم حضرت سلمانؓ ہیں۔ وہ شخص معذرت کرنے لگا اور کہنے لگا بخدا مجھے علم نہیں تھا ورنہ کبھی ایسی تکلیف نہ دیتا۔ آپ نے فرمایا نہیں کوئی بات نہیں۔ اب تو میں یہ بوجھ تمھاری منزلِ مقصود پر پہنچا کر ہی دم لوں گا۔[1]

حضرت سلمانؓ کے عہدِ امارت سے متعلق لوگوں نے کچھ ایسے واقعات بھی مشہور کر رکھے ہیں جو تاریخی اعتبار سے ثابت نہیں ہیں تاہم وہ ناممکن الوقوع ہرگز نہیں ہیں۔ مثلاً یہ کہ جب حضرت سلمانؓ گورنر بن کر آئے تو ان کی سادگی کو دیکھ کر چوروں کو بڑی خوشی ہوئی اور وہ چوریاں کرنے کے منصوبے بنانے لگے۔ آپ کو خبر ملی تو پہرہ داروں سے کہہ دیا کہ تمھیں آج رات پہرہ دینے کی ضرورت نہیں میں خود انتظام کر لوں گا۔ اس کے بعد حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شہر کے کتوں کو حکم دیا کہ وہ پہرہ دیں۔ چور جب اپنے منصوبے کے مطابق شہر میں داخل ہوئے تو کتوں نے مل کر ان پر حملہ کر دیا اور انھیں بُری طرح سے زخمی کر کے مار بھگایا۔ اس کے بعد چوروں کو پھر کبھی حوصلہ نہ ہوا کہ چوری کے ارادے سے باہر نکلیں۔

لشکروں کی سالاری

حضرت سلمانؓ کو فتوحاتِ ایران کے سلسلے میں مختلف دستوں اور لشکروں کی قیادت کرنے کا بھی موقع ملا ہے اور انھوں نے خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ اپنی

---

[1] :۔ طبقات ابن سعد، ج ۴ ص ۸۸

ذمہ داریوں کو نبھایا۔

ابو البختری کا بیان ہے کہ جیوشِ اسلام میں سے ایک جیش (لشکر) کے سردار حضرت سلمانؓ تھے۔ مجاہدین نے ایران کے محلات میں سے ایک محل کا محاصرہ کرلیا اور کہنے لگے کہ اے ابو عبد اللہ! کیا اب ہم حملہ کر نہ دیں۔ آپ نے فرمایا پہلے مجھے انھیں دعوت دے لینے دیں جس طرح میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دعوت دیتے سنا ہے۔ اس کے بعد آپ نے دعوت دی اور فرمایا بے شک میں بھی تم میں سے ایک فارس نژاد شخص ہوں۔ اب تم دیکھ رہے ہو کہ اہلِ عرب کس قدر خوش دلی سے میری اطاعت کر رہے ہیں۔ اگر تم اسلام قبول کرلو تو تمھارے بھی وہی حقوق ہوں گے جیسے ہمیں وہ حقوق حاصل ہیں۔ اسی طرح ہم اور تم فرائض میں بھی ایک جیسے ہو جائیں گے۔ اگر تم اپنے مذہب کو چھوڑنے سے انکار کروگے تو ہم تمھیں تمھارے حال پر چھوڑ دیں گے بشرطیکہ تم جزیے کی ادائیگی کرتے رہو البتہ یہ بات تمھاری جانب سے کوئی اچھی نہیں ہوگی۔ راوی کہتے ہیں کہ انھوں نے انتم صاغرون کا ترجمہ فارسی زبان میں انتم غیر محمودین کے مفہوم میں کیا تھا۔ مزید فرمایا کہ اگر تم جزیے سے بھی انکار کرو تو پھر ہم تم سے نبرد آزما ہوں گے۔ اہلِ عجم نے لڑنے کو ترجیح دی۔ اس پر مجاہدین نے حضرت سلمانؓ سے حملہ کرنے کی اجازت طلب کی لیکن آپ نے اجازت نہیں دی بلکہ برابر تین روز تک انھیں اسی طرح دعوتِ اسلام دیتے رہے۔ اتمامِ حجت کے بعد حملے کا حکم دیا۔ مجاہدین اسلام نے حملہ کیا اور اس محل یا قلعے کو فتح کرلیا۔[1]

ابو لیلی الکندی کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک بار حضرت سلمانؓ کسی مہم سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ میں آئے تو ان کے ساتھ بارہ شاہسوار تھے اور وہ سب کے

---

[1]: حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۸۹

سب اصحابِ رسولؐ میں سے تھے۔

بعض روایات یہ بھی نشاندہی کرتی ہیں کہ حضرت سلمانؓ کو بیس بیس ہزار اور تیس تیس ہزار آدمیوں کا امیر بننے کا بھی موقع ملا ہے ملاحظہ ہو۔[1]

مسندِ رشد و ہدایت

حضرت سلمان رضی اللہ تعالٰی عنہ گورنری سے فارغ ہونے اور مجاہدانہ سرگرمیوں سے کچھ وقت ملنے پر مدائن میں رہ کر لوگوں کی تعلیم و تربیت اور رشد و ہدایت کا کام کیا کرتے تھے۔ مسائل پوچھنے کی خاطر اور استفادے کی غرض سے لوگ دور و نزدیک سے ان کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔ اس طرح وہ مرجع خلائق بن گئے تھے۔ حضرت معاذ بن جبلؓ جو راسخون فی العلم میں بہت بلند مقام رکھتے تھے وہ طاعون عمواس ۱۸ھ میں واصل بحق ہوئے انھوں نے اپنے بعد چار بزرگوں سے لوگوں کو کسبِ فیض کرنے اور رجوع کرنے کا مشورہ دیا تھا حضرت سلمانؓ ان چار اصحاب میں سے ایک تھے۔

شادی خانہ آبادی

غالباً حضرت سلمان رضی اللہ تعالٰی عنہ کی ایک شادی ان کے دورِ مجوسیت میں اپنے وطن میں ہوئی تھی اس کے بعد وہ تلاشِ حق میں سرگرداں رہے پھر اسلام لانے کے بعد غزوات اور سریات میں مصروفیت کی وجہ سے اپنی شادی کی طرف متوجہ نہ ہو سکے۔ بالآخر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خلافت کے آخری سالوں میں انھیں تنہائی کا احساس ہوا اور اولاد کی خواہش جو ایک طبعی خواہش ہے، پیدا ہوئی کہ جو مرنے کے بعد

---

[1]: تاریخ الامم والملوک ج ۴ ص ۱۴۴

دعائے خیر سے یاد کرتی رہے۔ اسی اثنار میں حضرت ابو الدرداءؓ شام سے انھیں ملنے کے لئے آئے۔ ان کی بیوی ام الدرداء کبریٰؓ جن کا نام خیرہ تھا وفات پا چکی تھیں اور ان کے کئی بچے تھے جو ماں کی محبت کو ترستے تھے اس لئے وہ دوسری شادی کے ضرورتمند تھے۔ حضرت سلمانؓ نے اپنے مواخاتی بھائی حضرت ابو الدرداءؓ سے اپنی شادی کے بارے میں گفتگو کی۔ وہ کچھ دیر سوچتے رہے اور بالآخر بنی لیث کی ایک نیک خاتون کا رشتہ ان کے ذہن میں آیا۔

ثابت البنانی بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو الدرداؓ حضرت سلمانؓ کے ساتھ بنو لیث کے ایک گھرانے میں تشریف لے گئے وہاں انھوں نے حضرت سلمانؓ کی فضیلت اور سبقت ایمانی بیان کی اور رشتہ مانگا لیکن انھوں نے حضرت سلمانؓ کو رشتہ دینے میں پس و پیش کیا البتہ وہ حضرت ابو الدرداء کو رشتہ دینے پر نہ صرف آمادہ تھے بلکہ اصرار کرنے لگے۔ اس بات چیت کے بعد دونوں حضرات وہاں سے چلے آئے۔ راستے میں حضرت ابو الدرداءؓ نے بڑی معذرت کرتے ہوئے حضرت سلمانؓ سے کہا کہ بات ایسی ہوئی ہے کہ مجھے کہتے ہوئے تم سے بڑی شرمندگی محسوس ہوتی ہے۔ حضرت سلمانؓ نے کہا بھائی بتاؤ تو سہی ایسی کیا بات ہوئی ہے۔ اس پر انھوں نے بنی لیث کا حضرت سلمانؓ کو رشتہ دینے سے انکار اور خود انھیں رشتہ دینے پر ان کا اصرار بیان کر دیا۔ یہ سن کر حضرت سلمانؓ کہنے لگے بھائی حقیقت میں تو میں اس بات کا زیادہ مستحق ہوں کہ تم سے شرماؤں کیونکہ میں نے وہ رشتہ اپنے لئے طلب کرنے کی جسارت کی حالانکہ وہ رشتہ تو اللہ تعالیٰ نے تمھارے لئے تمھاری قسمت میں لکھ دیا تھا۔[1]

بنی لیث کے اصرار پر حضرت ابو الدرداؓ نے اس خاتون سے شادی کر لی تھی اور وہ ام الدرداء صغریٰ کہلائی۔ اصل نام ہجیمہ تھا وہ ثقہ تابعیہ اور فقیہہ تھیں۔ تقریب التہذیب

---

[1] :۔ حلیۃ الاولیاء ج ۱ صہ ۲۰۰

میں ان کا تعارف موجود ہے ۔

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کافی عرصہ باہر رہنے کے بعد مدینہ منورہ میں آئے اور امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے جا ملے ۔ باتوں باتوں میں انھوں نے ان سے اپنے خاندان میں شادی کرا دینے کی خواہش کا اظہار کیا۔ حضرت عمرؓ اس وقت تو خاموش ہو گئے مگر ان کے جانے کے بعد اپنے رشتہ داروں سے حضرت سلمانؓ کے لئے رشتے کی بات چیت کی بلکہ سخت تقاضا بھی کیا۔ اگلا روز ہوا تو حضرت عمرؓ کے خاندان والے وہاں جا پہنچے جہاں حضرت سلمانؓ ٹھہرے ہوئے تھے اور ان سے درخواست کی ہمیں رشتے کے بارے میں زیادہ مجبور نہ کیا جائے ۔

حضرت سلمان ان کی مجبوری اور معذرت کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہنے لگے :

واللہ ماحملنی علی ھذا امرتہ ولا سلطانہ ولکن قلت رجلٌ صالحٌ عسی اللہ ان یخرج منی ومنہ نسمۃ صالحۃ [1]

ترجمہ: بخدا میں نے رشتہ ان کی امارت اور حکومت کو دیکھتے ہوئے نہیں مانگا تھا بلکہ میرے دل میں تو یہ خیال آیا تھا کہ وہ (عمرؓ) نیک آدمی ہیں اس لئے امید تھی کہ اللہ تعالیٰ اس رشتے کی بدولت کوئی نیک روح پیدا کر دے ۔

عمرو بن ابی قرہ الکندی کہتے ہیں کہ میرے باپ ابو قرہؓ نے اپنی بہن کا رشتہ حضرت سلمانؓ کو پیش کیا تھا لیکن وہ رضامند نہیں ہوئے تھے اور اس کے بجائے ایک کنیز سے جس کا نام بُقیرۃ تھا، شادی کر لی تھی [2]

دوسری روایات کہتی ہیں کہ انھوں نے کسی کنیز سے شادی نہیں کی تھی بلکہ بنی کندہ کے ایک گھرانے میں ان کی شادی ہوئی تھی اور وہ کھاتا پیتا گھرانہ تھا ، بیوی کا نام

---

[1] : حلیۃ الاولیاء ج ۱ صـ ۱۹۸
[2] : ایضاً صـ ۱۸۵

بقیرہ ہی تھا۔

ابن جریج کی روایت کے مطابق جو سنن بیہقی میں درج ہے۔ حضرت سلمانؓ نے ابو قرۃ الکندی کے ہاں (اس کی بیٹی یا بہن سے) شادی کی تھی۔ حضرت ابو قرہ عہدِ فاروقی کے ممتاز قاضی اور جج تھے۔ شادی کے بعد حضرت سلمانؓ نے اپنے سسرال کے ہاں قیام کیا اس کی دو وجہیں تھیں۔

۱ - عربوں کے ہاں رواج یہی تھا کہ دولہا تین روز تک اپنے سسرال کے پاس رہے۔

۲ - حضرت سلمانؓ کا اب تک کوئی ذاتی مکان نہیں تھا مسجد یا سایۂ دیوار کے تلے گزر اوقات کیا کرتے تھے۔

شادی کی تقریب بڑی سادگی اور مسنون طریقے کے ساتھ منعقد ہوئی۔ گانے بجانے کا قطعاً کوئی انتظام نہیں تھا۔

ابو عبدالرحمٰن السلمی بیان کرتے ہیں کہ نکاح کے بعد حضرت سلمانؓ اپنے سسرال پا پیادہ تشریف لے گئے چند احباب ساتھ تھے۔ دروازے پر پہنچے تو اپنے احباب کو رخصت کیا اور اجرکم اللہ کہہ کر انہیں دعا دی۔ انھیں ساتھ لے کر سسرال کے گھر ہرگز داخل نہیں ہوتے جیسا کہ جہلا کا طریقہ ہے[1]

روایت ہے کہ جب مکان کو دیکھا تو اس کے در و دیوار کو پردوں سے آراستہ پایا۔ یہ چیز انھیں پسند نہیں آئی چنانچہ فرمایا کیا مکان کو بخار چڑھا ہوا ہے یا خانہ کعبہ بنی کندہ میں آگیا ہے؟

وہ لوگ کہنے لگے نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں مگر آپ اس وقت تک گھر میں داخل

---

[1] - حلیۃ الاولیا ج ۱ صہ ۱۸۵

نہ ہوئے جب تک کہ صدر دروازے کے علاوہ باقی تمام پردے اتار نہ دیئے گئے[۱]

گھر میں داخل ہوئے تو وہاں بہت سا ساز و سامان جہیز وغیرہ موجود پایا۔ پوچھا یہ جہیز و سامان کس کے لئے ہے بتایا گیا کہ یہ تمہارے اور تمہاری بیوی کے لئے ہے۔ یہ سن کر فرمایا میرے خلیل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو مجھے اس بات کی وصیت نہیں فرمائی تھی انھوں نے تو مجھے یہ فرمایا تھا کہ میرا دنیاوی سامان مسافر سوار کے زادِ راہ کی طرح ہونا چاہئے۔ اسی طرح بہت سے خادموں کو دیکھا تو فرمایا میرے دوست نے مجھے اس بات کی قطعاً اجازت نہیں دی تھی۔ شب عروسی جب اپنی بیوی کے کمرے میں گئے تو وہاں سے عورتوں کو چلے جانے کے لئے فرمایا۔ جب وہ چلی گئیں تو دروازہ بند کر کے پردہ گرا دیا پھر بیوی کے قریب جا بیٹھے۔ اس کی پیشانی پر ہاتھ پھیرا اور برکت کی دعا مانگی[۲]

پیشانی پر ہاتھ پھر کر دعائے برکت کرنا ارشادِ نبوی ﷺ کے مطابق تھا جیسا کہ حضرت زید بن اسلمؓ کہتے ہیں کہ رسولِ پاکؐ نے فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص کسی عورت سے شادی کرے یا لونڈی خریدے تو اس کی پیشانی پکڑ کر دعائے خیر و برکت کیا کرے[۳]

روایت ہے کہ اس کے بعد حضرت سلمانؓ نے اپنی بیوی سے فرمایا اگر میں تمھیں کوئی بات کہوں تو کیا تم اطاعت کرو گی؟

بیوی کہنے لگی کیوں نہیں؟ آپ میرے سر تاج ہیں، آپ کی اطاعت ضرور کروں گی۔ یہ جواب سن کر آپ نے فرمایا میرے خلیل ابو القاسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں

---

[۱]:۔ حلیۃ الاولیاء ج ۱ صـ ۱۸۵، سنن بیہقی ج ۷ صـ ۲۷۳

[۲]:۔ حلیۃ الاولیاء ج ۱ صـ ۱۸۵، ۱۸۶

[۳]:۔ موطا امام مالک صـ ۱۹۸

یہ فرمایا تھا۔ جب تم میں سے کوئی شخص شادی کرے تو میاں بیوی کو سب سے پہلے عبادت خداوندی پر اکٹھا ہونا چاہیئے اس لئے اٹھو اور ہم نماز ادا کرلیں۔ نماز سے فارغ ہوتے تو حضرت سلمانؓ نے دعا مانگی اور ان کی بیوی نے آمین کہی۔ یہ سب کچھ فرمان نبوت کے مطابق تھا۔[1]

مکان کی تعمیر

حضرت سلمان رضی اللہ تعالٰے عنہ نے پوری زندگی زہد میں گزاری حتیٰ کہ اپنا ذاتی مکان تک بھی نہ بنوایا تھا۔ ازدواجی زندگی کے بعد مکان بنیادی ضرورت تھی چنانچہ انھوں نے ایک مختصر سا مکان تعمیر کرایا جہاں وہ خود مع اہل و عیال آرام و سکون کے ساتھ رہ سکیں۔

مالک بن انسؒ کی روایت ہے کہ حضرت سلمانؓ کا کوئی گھر نہیں تھا بلکہ درختوں کے سائے میں پڑے رہتے تھے۔ سایہ آگے چلا جاتا تو خود بھی اٹھ کر وہاں چلے جاتے ایک شخص نے ان کی یہ حالت دیکھی تو وہ کہنے لگا میں آپ کے لئے ایک گھر بنا دیتا ہوں جہاں آپ گرمیوں میں سایہ اور سردیوں میں سکون حاصل کرسکیں۔ یہ سن کر فرمایا، اچھا ٹھیک ہے۔ وہ شخص جانے لگا تو پوچھا کہ یہ تو بتاؤ مکان کیسا بناؤ گے۔ وہ کہنے لگا ایسا مختصر سا مکان بناؤں گا کہ اگر آپ اس میں کھڑے ہوں تو اس کی چھت سر پر لگے اور لیٹیں تو پاؤں دیواروں سے جا لگیں۔ حضرت سلمانؓ نے ایسے مکان بنانے کی اجازت دے دی۔[2]

اعمش کا بیان ہے کہ یہ شخص حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالٰے عنہ

---

[1] :۔ حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۸۷، سنن بیہقی ج ۷ ص ۲۰۳

[2] :۔ طبقات ابن سعدؒ ج ۴ ص ۸۹

تھے اور انھوں نے جب مکان کی یہ کیفیت بیان کی تو آپ نے فرمایا آپ نے تو میرے دل کی بات کہہ دی ہے[1]

عہدِ عثمانی رضؓ کے واقعات

۲۴ھ ــــ ۳۵ھ

مہمات ایران میں شرکت

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایران کی فتوحات میں بڑی سرگرمی کے ساتھ حصہ لیتے رہے جنگ جلولا میں ان کی شرکت کا پہلے تذکرہ ہو چکا ہے۔ اسی طرح بلنجر کی فتح سے انھیں مشک ملا تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ وہ فاتحینِ بلنجر میں شامل تھے۔ بلنجر بحیرہ خزر (Caspian Sea) کے ساحل پر واقع ایک مشہور شہر تھا۔ اس پر عہدِ فاروقی میں ۲۲ سنہ ھ میں عبدالرحمٰن بن ربیعہ کی سالاری میں حملہ کیا گیا تھا۔ اس لڑائی میں نہ کوئی عورت بیوہ ہوئی تھی اور نہ کوئی بچہ یتیم۔

بلنجر کی دوسری مہم ۳۲ سنہ ھ

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں بلنجر کی طرف ایک اور مہم روانہ کی گئی کیونکہ وہاں بغاوت ہو گئی تھی۔ حضرت سلمانؓ شریکِ جہاد تھے۔ سرفروشانِ اسلام نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ جاری تھا کہ اہلِ بلنجر کی مدد کے لئے ترکوں کی کمک آ گئی۔

---

[1] حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۲۰۲، استیعاب ج ۲ ص ۵۶

لڑائی شروع ہوگئی اور اس میں عبدالرحمٰن بن ربیعہ سپہ سالار شہید ہو گئے۔ مسلمان چاروں طرف سے دشمنوں میں گھر گئے۔ بچاؤ کے دو راستے تھے ایک قدرے آسان اور دوسرا پُرخطر۔

عبدالرحمٰن شہید کے بھائی سلمان بن ربیعہ نے آسان راستہ پسند کیا اور وہ صحیح و سلامت دشمن کے چنگل سے نکل آئے۔ کچھ حضرات نے اہلِ خزر کے علاقے کا راستہ اختیار کیا۔ انھیں دشوار گزار راہوں سے گزرنا پڑا چنانچہ وہ لوگ لڑتے لڑتے جیلان اور جرجان کی پہاڑیوں پر سے ہوتے ہوئے بالآخر اپنے علاقے میں آ پہنچے۔ انہی لوگوں میں حضرت سلمان فارسیؓ اور حضرت ابوہریرہؓ شامل تھے۔[1]

ابوالدرداءؓ کی وفات ۳۲ھ سلمانؓ کا سفرِ شام

حضرت ابوالدرداءؓ نے ۳۲ھ میں دمشق میں سفرِ آخرت اختیار کیا حضرت سلمانؓ کو جب اپنے مواخاتی بھائی کی وفات کی اطلاع ملی تو بڑا دکھ ہوا۔ حضرت ام الدرداءؓ سے اظہارِ افسوس کرنے اور انھیں تسلی دینے کی خاطر شام تشریف لے گئے۔ حالت یہ تھی ماشیاً وعلیہ کساء واندر، دورد لیعنی پیادہ پا، اونچا ایرانی پاجامہ پہنے اور اوپر ایک چادر لئے ہوئے۔ ملاحظہ ہو۔[2]

وقائع نگاروں نے اس سفرِ شام کا تذکرہ ضرور کیا ہے لیکن سفر کا سبب بیان نہیں کیا۔ قرینِ قیاس یہی ہے کہ وفاتِ ابوالدرداءؓ ہی اس سفر کا محرک تھا اور غالباً یہ سفر حضرت سلمانؓ کی زندگی کا آخری سفر تھا۔

---

[1]:۔ تاریخ الامم والملوک ج ۳ صہ ۳۵۱، ۳۵۲۔ تاریخ کامل ابن اثیر، ج ۳ صہ ۶۶

[2]:۔ ادب المفرد صہ ۵۲

وفات حسرت آیات

عشقِ رسولؐ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتابِ زندگی کا عنوانِ جلی ہے۔ اسی عشق میں انھوں نے وطن چھوڑا اور اپنے خاندان سے ہمیشہ کے لئے مفارقت گوارا کی۔ یہی محبت ان کا سرمایۂ حیات تھی اور اسی کے سہارے انھوں نے اپنی پوری زندگی گزار دی۔ جب تک پیارے رسولؐ دنیا میں رہے آپ بھی ساتھ ساتھ رہے اور ایک لمحہ کے لئے بھی جدا نہ ہوئے۔ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو زہد عزیز تھا چنانچہ حضرت سلمان رضؓ نے اپنی زندگی ایسے زاہدانہ انداز میں گزاری کہ خود زہد کو ان پر ناز رہا۔ اپنے پیارے رسول کی پیاری پیاری باتوں کو ہر لمحہ اور ہر آن پیشِ نظر رکھا۔ خوشی کے مواقع پر بھی اور غم کے لمحات میں بھی۔ شادی ہوئی تو اپنے محبوب پیغمبرؐ کے ارشادات یاد آتے رہے۔ بلاشبہ انھوں نے زندگی کے آخری سانس تک کبھی فرمودات پیغمبر سے ذرہ برابر انحراف نہیں کیا لیکن پھر بھی رہ رہ کر انھیں یہ خیال ستانے لگتا کہ کہیں احکامِ رسولؐ کی تعمیل میں کوتاہی نہ ہوگئی ہو اور اپنے محبوب کے سامنے جاتے ہوئے شرمندگی نہ ہو۔ بسترِ مرگ پر یہی احساس پوری شدت کے ساتھ دامن گیر تھا۔ مضطرب ہو کر کروٹیں بدلتے اور پریشانی کا اظہار کرتے۔

بیماری کی نوعیت

حضرت سلمان رضؓ اپنے مرض الموت کے موقع پر مدائن میں ابو قرۃ الکندی کے بالاخانے پر صاحب فراش تھے[1] بیماری پیٹ کی تکلیف یعنی اسہال وغیرہ تھی[2] حدیثِ رسولؐ میں

---

[1] :۔ استیعاب ج ۲ ص ۵۸

[2] :۔ حلیۃ الاولیار ج ۱ ص ۲۰۷

یہ عارضہ اسہال مرنے والے کو ایک حیثیت سے مرتبہ شہادت پر فائز کر دینے کا موجب ہے۔ بیماری کی وجہ سے درد اور تکلیف یقیناً ہو گی لیکن وہ اس وجہ سے بے چین نہیں تھے۔ بے چینی تھی تو وہ ایک اور وجہ سے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

اضطراب اور وجۂ اضطراب

عامر بن عبداللہ کی روایت ہے کہ جب حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت ہوا تو ہم نے ان میں کسی قدر پریشانی کے آثار محسوس کئے۔ لوگوں نے عرض کیا اے ابو عبداللہ! آپ نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ غزوات حسنہ میں شرکت کی سعادت حاصل کی اور بعد میں بھی عظیم فتوحات میں برابر شریک ہوتے رہے ہیں مزید برآں نیکی اور بھلائی کے کاموں میں آپ ہمیشہ سبقت لیتے رہے ہیں پھر اس وقت پریشانی کا اظہار کیوں فرما رہے ہیں؟ آپ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا مجھے جو بات غم زدہ اور پریشان کئے جا رہی ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم سے جدا ہوتے وقت یہ وعدہ لیا تھا کہ مومن کو سوار مسافر کے زادِ راہ پر کفایت کرنی چاہیئے [1]

امام حسن رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کا وقتِ وفات قریب آیا تو وہ رونے لگے۔ ان سے پوچھا گیا اے ابو عبداللہ! آپ کو رلاتی کیا چیز ہے؟ حالانکہ حضور نبی کریم نے مفارقت اختیار کی تو وہ آپ سے راضی تھے۔ فرمانے لگے بخدا میرا یہ رونا خوفِ مرگ کی وجہ سے نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ پیغمبرِ خدا نے ہم صحابہ سے ایک عہد لیا تھا کہ ہم میں سے ہر ایک کا دنیا سے سامانِ زلیست سوار کے زادِ راہ کی طرح ہونا چاہیئے [2]

---

[1] :۔ کنز العمال ج ۷ صہ ۴۵ ۔ حلیۃ الاولیاء ج ۱ صہ ۱۹۷

[2] :۔ حلیۃ الاولیاء ج ۱ صہ ۱۹۶

حضرت سعید بن المسیّبؒ کہتے ہیں کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت سلمانؓ کی بیمار پرسی کے لئے گئے اور وہ رو رہے تھے دونوں اصحاب کہنے لگے آپ کو کیا چیز رونے پر آمادہ کرتی ہے؟ فرمایا وجۂ اضطراب یہ ہے کہ اللہ کے رسولؐ نے ہم سے ایک وعدہ لیا تھا جسے ہم میں سے کسی نے یاد نہیں رکھا۔ وعدہ یہ تھا کہ تم میں ہر ایک کا دنیا کا سامان بس اتنا ہونا چاہیئے جتنا سوار کا سفر خرچ ہوتا ہے [۱]

ابوسفیان کی روایت میں یہ ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ گورنر مدائن عیادت کے لئے تشریف لائے اور حضرت سلمانؓ کو مصروفِ بکا دیکھا تو کہنے لگے۔ آپ رو کیوں رہے ہیں؟ آپ تو اب اپنے ساتھیوں سے جا ملنے والے ہیں اور جناب رسولِ خدا سے حوضِ کوثر پر ملنا نصیب ہوگا۔ سرکار رسالت مآبؐ دنیا سے رخصت ہوئے تو آپ سے خوش تھے۔ حضرت سلمانؓ نے جواب میں فرمایا میں موت کے خوف سے قطعاً نہیں روتا اور نہ مجھے زندہ رہنے کا لالچ ہے کہ اس کی وجہ سے روؤں۔ بلکہ وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم سے یہ عہد و پیماں لیا تھا کہ تم میں سے ہر ایک کا دنیاوی ساز و سامان سوار کے توشۂ سفر جتنا ہونا چاہیئے۔ جب کہ میرے اردگرد یہ کالے ناگ پڑے ہیں۔ حضرت سلمانؓ نے جس سامان کو سانپ اور ناگ قرار دیا تھا وہ مٹی کا ایک لوٹا، کپڑے دھونے کا ایک لگن اور ایسی ہی چند معمولی چیزیں تھیں [۲]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سلمانؓ بیمار ہوئے تو حضرت سعدؓ عیادت کے لئے آئے اور انہیں روتے دیکھا تو فرمایا بھائی روتے

---

[۱] :۔ حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۹۶، طبقات ابن سعد ج ۴ ص ۹۱

[۲] :۔ ایضاً ص ۱۹۵، ۱۹۶۔ طبقات ابن سعد ج ۴ ص ۹۰، ۹۱

کس وجہ سے ہو۔ آپ نے رسول پاک کا فیضانِ صحبت حاصل کیا ہے اور یہ یہ کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں۔ حضرت سلمانؓ نے جواب دیا میں دنیا میں رہنے کے لالچ میں یا آخرت سے کراہت کی وجہ سے ہرگز نہیں روتا بلکہ وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ نے مجھ سے ایک وعدہ لیا تھا اور مجھے دکھائی یہ دیتا ہے کہ شاید میں اس عہد کو پورا نہیں کرسکا۔ پوچھا وہ عہد کیا تھا تو فرمایا کہ ارشاد نبویؐ یہ تھا کہ تمھارا سامان مسافر کے سفر خرچ کے برابر ہونا چاہیئے میری نظر اپنے سامان پر پڑتی ہے تو محسوس ہوتا ہے کہ وہ عہد پورا نہیں ہوسکا۔[۱]

حضرت سعدؓ کو وصیت

حضرت سلمانؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ گورنر مدائن کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا: فاتق اللہ عند حکمك اذا حکمت وعند قسمك اذا قسمت و همك اذا هممت[۲]

ترجمہ: جب تم کوئی فیصلہ کرو یا حکم صادر کرو تو اس وقت خداترسی کو پیش نظر رکھو۔ اسی طرح جب تم مال تقسیم کرو تو تقسیم کے وقت تقویٰ کو شعار بناؤ اور ایسے ہی جب کوئی عزم و ارادہ کرو تو اس وقت خوفِ خدا سے کام لیا کرو۔

احباب و اصحاب کو وصیت

رجا بن حیوۃ کہتے ہیں کہ حضرت سلمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے ان کے اصحاب و

---

[۱] ۔ سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۳۱۲

[۲] ۔ سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۳۱۲ ۔ حلیۃ الاولیاء ج ا ص ۱۹۶ ۔ طبقات ابن سعد ج ۴ ص ۹۲،۹۱

احباب نے وصیت کرنے کی درخواست کی۔ چنانچہ انھوں نے وصیت کرتے ہوئے فرمایا تم میں سے جس کسی سے ہو سکے تو اس حالت میں جان دے کہ وہ حج یا عمرے کے سفر میں ہو یا راہِ خدا میں شہادت حاصل کرے یا پھر علوم قرآن کی تحصیل میں اپنی جان اپنے خدا کے سپرد کرے۔ تم میں سے ہرگز ہرگز کوئی ایسی حالت میں نہ مرے کہ وہ فاجر ہو یا خیانت کرنے والا ہو[1]

ملائکہ کا نزول مقدم

الشعبی کی روایت ہے کہ جب حضرت سلمانؓ کا وقت وفات ہوا تو انھوں نے اپنی بیوی سے فرمایا اب وہ چیز لے آؤ جو میں نے تمھیں چھپا کر رکھنے کے لئے کہا تھا۔ بیوی کا بیان ہے پس میں وہ مشک و کستوری والی سربمہر تھیلی لے آئی۔ پھر فرمایا کہ پیالے میں پانی بھی لے آؤ۔ میں پانی بھی لے آئی تو انھوں نے مشک کو پانی میں اپنے ہاتھ سے ملایا پھر فرمایا اسے میرے اردگرد چھڑک دو کیونکہ میرے پاس اللہ کی مخلوقات میں سے ایسی مخلوق آنے والی ہے جو خوشبو تو محسوس کرتی ہے لیکن کھانا نہیں کھاتی۔

شعبی کا بیان ہے کہ یہ سربمہر تھیلی حضرت سلمانؓ کو جنگ جلولا سے ملی تھی اور انھوں نے اسے اپنی زوجہ کے سپرد کر دیا تھا[2]

عطا ابن سائب کی روایت میں اس تھیلی کے بلنجر سے ملنے کا تذکرہ ہے اور مزید صراحت یہ ہے کہ ملائکہ رات کو آنے والے ہیں ملاحظہ ہو[3]

---

[1] :۔ طبقات ابن سعد، ج ۴ ص ۹۱

[2] :۔ ایضاً ص ۹۲

[3] :۔ ایضاً ص ۹۲، ۹۳

سعید بن سوقہ کہتے ہیں کہ ہم کچھ لوگ حضرت سلمانؓ کی علالت میں ان کی عیادت کے لئے گئے۔ انھیں دردِ شکم کی تکلیف تھی۔ ہم کچھ زیادہ دیر تک بیٹھے رہے جو انھیں ناگوار گزرا۔ ہماری موجودگی میں انھوں نے اپنی شریکِ حیات سے فرمایا کہ اس مشک کو جو ہم بلنجر سے لائے تھے اسے آپ نے کیا کیا؟ وہ کہنے لگیں یہ رہا وہ مشک۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اسے پانی میں ڈال دو اور اچھی طرح حل کر لو۔ پھر اسے میری چارپائی کے ارد گرد چھڑک دو کیونکہ اب میرے پاس ایسے افراد آنے والے ہیں کہ جو نہ انسان ہیں اور نہ جن[1]

الخزل حضرت سلمانؓ کی زوجہ محترمہ بقیرہؓ کی روایت بیان کرتے ہیں کہ حضرت سلمانؓ مرض الموت میں مبتلا تھے اور وہ ایک بالاخانے پر لیٹے ہوئے تھے جس کے چار دروازے تھے۔ انھوں نے مجھے بلایا اور سارے دروازے کھول دینے کا حکم دیا اور فرمایا آج میرے پاس کچھ زیارت کرنے والے آرہے ہیں۔ خدا جانے وہ کس دروازے سے داخل ہوں۔ اس لئے سب دروازے کھول دو۔ پھر کستوری منگوائی اور فرمایا کہ اسے چھوٹے سے برتن میں ڈال کر پانی میں حل کر لو۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد فرمایا اب اسے میرے بستر کے ارد گرد چھڑک دو اور پھر نیچے اتر جاؤ اور کچھ دیر انتظار کرو عنقریب تمھیں پتہ چل جائے گا کہ کیا ہونے والا ہے[2]

وصال

سابقہ روایت کے مطابق حضرت بقیرہؓ مزید بتاتی ہیں کہ تھوڑی دیر کے بعد میں اوپر آئی تو دیکھا کہ سرتاج سلمانؓ داعیٔ اجل کو لبیک کہہ چکے ہیں۔ ہونٹوں پر ملکوتی تبسم لئے ہوئے

---

[1] :۔ حلیۃ الاولیاء ج ۱ صـ ۲۰۷

[2] :۔ طبقات ابن سعد ج ۴ صـ ۹۲۔ حلیۃ الاولیاء ج ۱ صـ ۲۰۸

وہ بستر پر یوں پڑے تھے کہ جیسے آرام وسکون کے ساتھ استراحت فرما رہے ہوں۔ کانما نائمٌ علی فراشہٖ او نحواً من ھذا

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

تدفین

نمازِ جنازہ غالباً صحابیٔ رسولؐ اور گورنر مدائن حضرت سعد بن ابی وقاصؓ یا فرزندِ رسولؐ حضرت امام حسنؓ نے پڑھائی اور علم وعمل کا یہ مہرِ تاباں سرزمینِ مدائن میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے روپوش ہو گیا۔ طاقِ کسریٰ کے عین شمال مغرب میں وہ حیاتِ سرمدی کی چادر تانے ابھی تک محوِ خواب ہیں۔ یہ مقام اب ان کی نسبتِ خاص کی وجہ سے "سلمان پاک" کہلاتا ہے جہاں کربلا معلّٰی سے گزرنے والا ہر زائر حاضر ہونا اپنی سعادت سمجھتا ہے۔ مزار پہلے پرانی وضع کا تھا۔ سلطان مراد رابع نے اسے جدید طرز کا بنوایا۔

اختلافِ مدفن

بعض روایات میں حضرت سلمانؓ کا مدفن کئی دوسرے مقامات پر بھی بیان کیا گیا ہے مثلاً

۱ - اصفہان کے نزدیک ۲ - دامغان ۳ - صدود

۴ - بیت المقدس ۵ - لیدا (فلسطین)[۱]

لیکن اکثر محققین کے نزدیک مدائن کا مدفن ہونا ایک ثابت شدہ حقیقت ہے اور بلاشبہ یہی مشہور اور متعارف ہے۔

۱:- Encyclopaedia of Islam

سنِ وفات

ثابت کی روایت کے مطابق حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت سلمانؓ کی عیادت کے لئے تشریف لائے تھے جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ کی اپنی وفات بالاتفاق سنہ ۳۴ھ میں ہوئی اس لئے گمان غالب یہ ہے کہ حضرت سلمانؓ کا انتقال پر ملال سنہ ۳۲ھ یا سنہ ۳۳ھ میں ہوا ہوگا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے تقریب التہذیب میں سلمانؓ کا سنِ وفات سنہ ۳۴ھ بیان کیا ہے جب کہ انھوں نے اصابہ اور تہذیب التہذیب میں ابن مسعودؓ کی وفات کی بنیاد پر سنہ ۳۲ھ اور سنہ ۳۴ھ بھی بیان کئے ہیں۔

حافظ ابن کثیر اور علامہ ابن البرؔ نے بالترتیب اسد الغابہ اور استیعاب میں اپنا راجح قول سنہ ۳۵ھ کا بیان کیا ہے جب کہ ان کا قول ثانی سنہ ۳۶ھ کا ہے۔ مستدرک حاکم میں شباب کا قول سنہ ۳۷ھ دیا گیا ہے اور ابو عبیدہ کی روایت بھی سنہ ۳۷ھ کی ہے۔

ان اختلافی روایات کو پیش نظر رکھتے ہوئے گمانِ غالب یہی ہے کہ حضرت سلمانؓ نے سنہ ۳۲ھ کے آخر سے لے کر سنہ ۳۵ھ کے درمیانی عرصے میں سفرِ آخرت اختیار کیا ہوگا۔

عمر مبارک

حضرت سلمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی عمر مبارک بہت زیادہ بیان کی گئی ہے بعض تو ۳۵۰ سال تک بتاتے ہیں۔

عباس البحرانی مشائخ کا اجماع ۲۵۰ سال پر ہونا بتاتے ہیں۔ ملاحظہ ہو[1]

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۳۱۴

حافظ ذہبی کہتے ہیں کہ احادیث و آثار میں آنے والے اقوال اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ بے شک حضرت سلمانؓ دو سو پچاس سال سے کچھ اوپر ہو کر فوت ہوئے اختلاف صرف اس سے زائد عمر میں ہے۔ پھر ان کا اپنا قول یہ ہے ثم رجعت عن ذالك و ظهر لى انه مازاد على الثمانين یعنی اس کے بعد میں نے اپنے پہلے قول سے رجوع کر لیا اور مجھ پر ظاہر یہ ہوا کہ حضرت سلمانؓ کی عمر اسّی سال سے زیادہ نہیں ہوئی۔

علامہ ابن حجر عسقلانی اس قول کو نقل کر کے کہتے ہیں کہ ذہبی نے اپنے اس موقف کا ماخذ بیان نہیں کیا۔ میرا یہ گمان یہ ہے کہ انھوں نے حضرت سلمانؓ کے عہد نبویؐ کے بعد کی فتوحات میں شرکت اور بنی کندہ میں شادی کرنے کی بنیاد پر یہ نتیجہ نکالا ہوگا کیونکہ ان واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ جسمانی اعتبار سے ہر طرح صحت مند تھے۔ ابن حجر مزید فرماتے ہیں کہ اگر زیادہ عمر کے بیانات صحیح ثابت ہو جائیں تو یہ ان کے حق میں خارق عادت ہی ہوگا اور خوارق عادت ہونے میں کوئی امر مانع نہیں ہے[1]۔

باقیات صالحات

علامہ ابن اثیر کا بیان ہے کہ حضرت سلمانؓ کی تین بیٹیاں تھیں۔ ایک اصفہان میں تھی اور دو مصر میں بیاہی گئیں۔ کچھ لوگ اصفہان میں اپنے آپ کو حضرت سلمانؓ کی بیٹی کی اولاد قرار دیتے ہیں[2]۔

اس لحاظ سے بیٹوں کے علاوہ پسماندگان میں ان کی بیوہ حضرت بقیرہؓ موجود تھیں۔

---

[1] اصابہ ج ۳ ص ۱۱۳

[2] اسد الغابہ ج ۲ ص ۲۲۱

ترکہ اور ورثہ

حضرت سلمانؓ زاہد اور متوکل بزرگ تھے۔ ان کی ذات فقرِ محمدیؐ کا نمونہ تھی جو کچھ کماتے تھے راہ خدا میں لٹا دیتے تھے۔ اپنی ذات اور اپنے اہل و عیال پر بہت تھوڑا خرچ کیا کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ ان کی وفات کے بعد تھوڑا سا سامان مثلاً ایک دو گدے، ایک آدھ چٹائی، ایک لوٹا، ایک کپڑے دھونے کا برتن، ایک پانی کا گھڑا اور اسی طرح تھوڑے سے کھانے کے برتن اور چند درہم نقد۔ یہ کل کائنات تھی جو انھوں نے ترکہ چھوڑا۔ اس کو بھی وہ کالے ناگ قرار دیتے تھے۔

امام حسنؓ کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت سلمانؓ کے چھوڑے ہوئے سامان کی قیمت کا اندازہ لگایا تو پتہ چلا کہ بیس تیس درہموں سے کچھ زیادہ کا سامان نکلا[1]

ثابت کی روایت ہے کہ خرچ خوراک سے بچے ہوتے بیس سے کچھ اوپر درہم نکلے تھے[2]

عامر بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سلمانؓ کا سامان جمع کیا گیا تو اس کی قیمت پندرہ دینار نکلی جب کہ باقیوں کا اتفاق دس سے کچھ اوپر درہموں پر ہے۔ علی بن بذیم کہتے ہیں کہ سامان بیچا گیا تو اس کی مالیت چودہ درہم نکلی[3]

حلیہ مبارک

حضرت سلمان فارسیؓ مضبوط جسم کے مالک اور دراز قد و قامت کے انسان تھے۔

---

[1]: مسند احمد ج ۵ ص ۴۳۸

[2]: سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۳۱۴

[3]: حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۹۷

پنڈلیاں لانبی لانبی تھیں اور بدن پر بال کثرت سے تھے۔ سر کے سارے بال بالعموم منڈوایا کرتے تھے۔

لباس اکثر و بیشتر ایک ایرانی پاجامے اور چادر پر مشتمل ہوتا تھا۔ پاجامہ ٹخنوں سے بہت اونچا ہوتا تھا اور چادر اوڑھے رہتے تھے۔ بعض اوقات چھوٹی سی سنبلانی قمیص بھی پاجامے کے ساتھ پہن لیا کرتے تھے۔

بعد از وفات، عبداللہ بن سلامؓ سے ملاقات

حضرت سعید بن المسیبؒ، حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا مجھ سے حضرت سلمانؓ نے فرمایا پیارے بھائی! ہم دونوں میں سے جو شخص پہلے مرجائے تو وہ مرنے کے بعد اپنے ساتھی سے ملنے ضرور آئے۔ میں نے دریافت کیا کہ کیا ایسا ممکن ہو سکتا ہے؟ حضرت سلمانؓ نے جواب دیا ہاں! کیونکہ مومن کی روح آزاد ہوتی ہے جہاں چاہے جا سکتی ہے۔ البتہ کافر کی روح قید خانے میں مقید ہوتی ہے حضرت سلمانؓ کی وفات حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے پہلے واقع ہو گئی۔ حضرت عبداللہ بن سلامؓ بیان کرتے ہیں کہ اسی اثنا میں کہ میں ایک روز دوپہر کے وقت اپنی چارپائی پر پڑا قیلولہ اور آرام کر رہا تھا کہ مجھے اونگھ سی آگئی۔ اتنے میں حضرت سلمانؓ تشریف لائے اور مجھے سلام کیا۔ میں نے سلام کا جواب دیا اور پوچھا اے ابو عبداللہ! فرمایئے آپ نے آخرت میں اپنا ٹھکانہ کیسے پایا ہے۔ کہنے لگے اچھا ہے۔ پھر تین بار یہ بات دہرائی۔
علیك بالتوکل فنعم الشیٔ التوکل یعنی اپنے اوپر توکّل کو لازم کر لو کیونکہ توکّل بڑی عمدہ چیز ہے[1]

---

[1] :- طبقات ابن سعد، ج ۴ ص ۹۳

مغیرہ بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ حضرت سلمانؓ نے حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے پہلے وفات پائی تھی۔ حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے انھیں خواب میں دیکھا تو پوچھا اے ابوعبداللہ! کیسے حال ہیں؟ فرمایا حال اچھا ہے۔ پھر پوچھا کہ آپ نے وہاں کس عمل کو افضل پایا۔ جواب میں فرمایا میں نے تو توکّل کو عجیب چیز پایا ہے۔[1]

؎ چوں موج بے خطر از بحر می رسد بہ کنار
بدست ہر کہ عنانِ توکّلے دارد

حضرت سلمانؓ کی یادگاریں

مسجد سلمانؓ

جنگ خندق کے موقعہ پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سلع پہاڑ کی چوٹی پر ایک سُرخ خیمے میں بیٹھ کر لشکرِ اسلام کی قیادت فرمائی تھی۔ آپ کے قریب ہی حضرت سلمانؓ کا خیمہ تھا۔ آنحضرت کے خیمے والی جگہ پر اب مسجد الفتح ہے جب کہ حضرت سلمانؓ کی نشست گاہ پر مسجد سلمانؓ تعمیر ہوئی ہے۔ حضرت معاذ بن سعدؓ کی روایت کے مطابق ان مقامات پر آنحضرت ختمی مرتبتؐ نے نمازیں بھی پڑھی ہیں۔ مسجد سلمانؓ مسجد الفتح کے قریب لیکن نیچے واقع ہے۔ اس سے ذرا آگے مسجد امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ ہے۔ مسجد سلمانؓ قبلہ کی جانب سے شام کی طرف چودہ ہاتھ اور قبلہ کے ساتھ مشرق سے

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۴ ص ۹۳

مغرب کی جانب سات ہاتھ ہے۔

باغِ سلمان رضؓ

مشہور قول کے مطابق جب حضرت سلمانؓ نے اپنے آقا بنی قریظہ کے ایک یہودی کے ساتھ مکاتبت کی اور رسولِ پاکؐ نے اپنے مقدس ہاتھوں سے جو باغ لگایا تھا وہ عالیہ (بالائی مدینہ) میں فُقیر کے مقام پر موجود ہے۔ اسی باغ کے قریب ہی بنی قریظہ کی آبادی تھی۔[1]

امکان اس بات کا ہے کہ اُس باغ میں جو پودے دستِ رسالت مآبؐ سے لگائے گئے تھے وہ عجوہ کھجور کے تھے کیونکہ اس زمانے میں بھی اس باغ میں عجوہ کھجور پائی جاتی تھی۔ یہ کھجور درمیانہ مگر صیحانی سے بڑی، قدرے سیاہی مائل اور نہایت عمدہ ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ عجوہ کھجور نبی کریمؐ کو سب کھجوروں سے زیادہ پسند تھی۔[2]

غزوہ خندق کے بعد بنی قریظہ کے قتل و اخراج کے بعد یہ باغ حضور علیہ السلام کے قبضے میں آگیا اور آپؐ نے ۷ھ میں اسے وقف کر دیا تھا۔

بعض کے نزدیک حضرت سلمانؓ والا باغ الدلال، برقہ اور المثیب کے مقامات پر تھا۔

---

[1] :- وفا الوفا ص ۱۲۸۳

[2] :- کتاب مذکور ص ۱۲۰۷۱ ج ۱

باب دوم

مقام سلمانؓ

(فضائل ومناقب)

شانِ سلمانؓ در آیاتِ قرآن

سلیم الفطرت حنفی

سورہ زمر کی ان دو آیات کا تعلق حضرت سلمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے بیان کیا جاتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ۙ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ ۳۹/۱۷-۱۸

ترجمہ: اور جو لوگ شیطانوں سے ان کی پرستش کرنے سے بچیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ ان کے لئے خوشخبری ہے۔ پس آپ میرے ایسے بندوں کو خوشخبری سنا دیجئے جو بات کو سنتے ہیں اور پھر اس میں سے بہتر بات کا اتباع کرتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت بخشی ہے اور یہی لوگ دراصل عقلمند ہیں۔

حضرت مولانا محمد زکریا محدث رقمطراز ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت

حضرت زید، حضرت ابوذر غفاریؓ اور حضرت سلمانؓ فارسی یہ تینوں حضرات جاہلیت کے زمانے ہی میں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ پڑھا کرتے تھے اور یہی مراد ہے اس آیت شریفہ میں احسن القول سے۔ حضرت زید بن اسلمؒ سے بھی اس کے قریب ہی منقول ہے کہ یہ آتیں ان تینوں آدمیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جو جاہلیت کے زمانے میں بھی لا الٰہ الا اللہ پڑھا کرتے تھے یعنی زید بن عمرو بن نفیل، ابوذر غفاری اور سلمان فارسی[1]

سابق بالخیرات

سورہ فاطر کی یہ آیت حضرت سلمانؓ کی شان میں ہے:

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْکِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَیْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ذٰلِکَ هُوَ الْفَضْلُ الْکَبِیْرُ ۳۵/۳۲

ترجمہ: پھر ہم نے کتاب کا وارث ان لوگوں کو کیا جنھیں ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا تھا پس کچھ تو ان میں سے اپنے آپ پر زیادتی کرنے والے ہیں، کچھ درمیانی حالت میں ہیں اور کچھ بھلائیوں میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے سبقت لے گئے ہیں۔ یہ بہت بڑی بزرگی ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ حضرت شیخ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کا قول نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ سالکانِ راہ خدا کے تین گروہ ہیں جیسا کہ اس آیت میں بیان ہوا ہے کچھ معذور ہیں، کچھ مشکور ہیں اور کچھ ایسے بھی ہیں جو رضا الٰہی میں فنا ہو چکے ہیں۔ معذور وہ لوگ ہیں کہ جو اللہ پر ایمان لانے اور اقرار توحید کے بعد شرف حضوری سے

---

[1] ۔ فضائل ذکر صہ ۶۱

محروم رہتے ہیں یا دیر کرکے اور آہستہ آہستہ اس مقام حضوری پر پہنچتے ہیں اور خطاب سارعوا سے غافل رہتے ہیں مشکور وہ ہیں کہ ان کا ایمان و اقرار ساتھ ساتھ ہوتا ہے جب کہ فانی وہ ہیں جنھوں نے خطاب "اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ" کو یاد رکھا ہے اور اس کے جواب "قَالُوْا بَلٰی" کو نہیں بھلایا۔ یہ لوگ اس دنیا میں دعوتِ اسلام سے پہلے یوم الست والے قرار کے مطابق حق کو قبول کر چکے ہوتے ہیں اور ہادی کی خدمت میں تلاش کرکے از خود پہنچتے ہیں۔ انھیں جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی ذات موجود ہے تو اس کی رضا پر مَر مٹتے ہیں اور اس انتظار میں نہیں رہتے کہ کوئی مر مٹنے کے لئے انھیں کہے۔ ان نفوس قدسیہ میں سے ایک حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں کہ دعوت سے پہلے پیغمبر اسلام علیہ وآلہ السلام کی خدمت اقدس میں حاضر تھے اور اپنے درد کی دوا خود طلب کی۔ ایک ان میں سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے کہ بالغ ہونے سے بھی پہلے دعوتِ حق قبول کرنے کے لئے مستعد و تیار تھے۔ ایک ان بزرگوں میں سے حضرت اویس قرنیؒ ہیں کہ ان کے بارے میں اگر رسول پاک نہ بتاتے تو کسی کو پتہ نہ چلتا۔

> ویکے از ایشاں سلمان فارسی است کہ پیش از دعوت در طلب ہدایت پوئید و صدق عہد میثاق از خود بخود بجوئید یعنی ان سابقین بالخیرات اور فنا فی اللہ لوگوں میں سے حضرت سلمان فارسیؓ ہیں کہ دعوت سے پہلے ہدایت کی جستجو میں لگ گئے تھے اور میثاق کے وعدہ کو پورا کرنے کی خود بخود تلاش اور کوشش کی[1]

صوفیائے کرام کے نزدیک تینوں گروہ دائرہ اصطفار میں داخل ہیں اور سب اہلِ فلاح ہیں حضرت احمد بن عاصم انطاکیؒ کا قول ہے کہ ظالم صاحب اقوال ہے مقتصد

---

[1] ۔ اخبار الاخیار صہ ۳۷

صاحبِ اعمال ہے اور سابق صاحبِ حال ہے۔ ایک اور بزرگ کہتے ہیں کہ ظالم وہ ہے کہ جو خدا کا ذکر محض اپنی زبان سے کرے مقتصد وہ ہے جو خدا کا ذکر اپنے دل سے کرے اور سابق وہ ہے کہ جو اپنے پروردگار کو کبھی فراموش نہ کرے[1]

ربانی انتخاب: وارثِ کتاب

مندرجہ بالا آیت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت سلمانؓ وارثین کتاب کے اونچے سے اونچے درجے پر فائز تھے۔ تاریخ اور آثارِ سنت بھی یہی گواہی دیتے ہیں کہ وہ نہ صرف صحفِ سلف کے متبحر عالم تھے بلکہ آخری کتاب قرآن مجید کے بھی بڑے عالم تھے۔ خلق خدا ان کی قرآنی بصیرت سے مستفید ہوتی تھی۔ وہ جہاں کہیں بھی ہوتے لوگ برابر اُن کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔

جویائے ایمان: کامیاب کامران

سورہ جمعہ کی ایک آیت بحسب ذیل حصہ حضرت سلمانؓ سے متعلق ہے۔

وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ؕ ۶۲/۳

ترجمہ: اور ان میں سے کچھ اور لوگ بھی ہیں جو ابھی پہلے گروہ سے نہیں آن ملے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ جب سورہ جمعہ نازل ہوئی تو ہم صحابہ رسولِ پاکؐ کے پاس بیٹھے تھے۔ آنحضورؐ نے اس سورت کی تلاوت فرمائی اور جب وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ پر پہنچے تو ایک شخص نے دریافت کیا اے اللہ کے رسول! وہ کون لوگ ہیں جو ابھی ہم سے نہیں آن ملے۔ حضورؐ نے اس شخص سے کوئی

---

[1] عوارف المعارف صہ ۱۰۷، ۱۰۸

بات نہیں کی حضرت ابوہریرہؓ بتاتے ہیں کہ حضرت سلمانؓ ہمارے درمیان موجود تھے۔ آنحضرتؐ نے اپنا دستِ مبارک حضرت سلمانؓ پر رکھا اور فرمایا:

والذی نفسی بیدہٖ لوکان الایمان بالثریا لتناولہ رجالٌ من ھٰؤلاءِ [1]

ترجمہ: اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ اگر ایمان ثریا (کی بلندی) پر ہو تو بھی ان لوگوں میں سے لوگ اسے ضرور جا لیں گے۔

ایک اور روایت حدیث یوں ہے کہ آنحضرت نے فرمایا:

لوکان الدین عند الثریا لنالہ سلمان [2]

یعنی اگر دین ثریا پر بھی ہوتا تو سلمان اسے ضرور جا کر پا لیتا۔

مومن اہل کتاب: دہرا ثواب

سورہ قصص کی حسب ذیل آیات میں بعض اہل کتاب کا تذکرہ کیا گیا ہے جو پہلے ہی سے سچے مذہب پر تھے اور پھر پیغمبر آخر الزماں پر بھی ایمان لے آئے۔ حضرت سلمانؓ بھی بلاشبہ ان قابل فخر لوگوں میں شامل تھے۔ ان آیات میں جو اوصاف بیان ہوئے ہیں حضرت سلمانؓ کما حقہٗ ان سے متصف تھے اس لئے فرمانِ الٰہی کے مطابق وہ دہرے ثواب کے مستحق قرار پاتے ہیں۔ وذالک الفضل العظیم۔

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ ھُمْ بِهٖ یُؤْمِنُوْنَ ۝

وَاِذَا یُتْلٰی عَلَیْهِمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖۤ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَاۤ

---

[1] صحیح البخاری ج ۲ ص ۷۲۷، صحیح المسلم ج ۲ ص ۳۱۲، جامع الترمذی ص ۷۲۹

[2] استیعاب ج ۲ ص ۵۶

إِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهِ مُسْلِمِينَ ٥ أُولَٰئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُم مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ٥ وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ ۲۸/۵۲-۵۵

ترجمہ: جن کو ہم نے پہلے کتاب دی ہے وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں اور جب ان پر (آیات الٰہی کی) تلاوت کی جاتی ہے تو کہہ اٹھتے ہیں کہ ہم ان پر ایمان لے آئے ہیں۔ بے شک یہ ہمارے رب کی طرف سے برحق کلام ہے بیشک ہم پہلے ہی سے (رضا الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کرنے والے) مسلمانوں میں سے تھے۔ ایسے لوگ دہرا ثواب پائیں گے کیونکہ انھوں نے صبر کیا، برائی کے بدلے میں بھلائی کرتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے (راہ خدا میں) خرچ کرتے ہیں مزید براں یہ لوگ جب کوئی فضول بات سنتے ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے اعمال ہمارے ساتھ اور تمھارے اعمال تمھارے لئے ہیں۔

شانِ نزول: ابن حمید، ابن جریر اور ابن المنذر نے حضرت قتادہ کا قول ان آیات کے سلسلے میں یہ بیان کیا ہے کہ ہم لوگ آپس میں باتیں کیا کرتے تھے کہ یہ آیات اہلِ کتاب کے کچھ لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جو شریعتِ حق پر تھے اور اس سلسلے میں وہ تکالیف بھی برداشت کرتے رہے لیکن انھوں نے صبر کیا یہاں تک کہ سرکار رسالت مآبؐ تشریف لے آئے۔ حضرت قتادہ مزید کہتے ہیں کہ ہمیں یہ بتایا گیا کہ حضرت سلمان فارسیؓ اور حضرت عبداللہ بن سلامؓ ان میں سے تھے۔[1]

---

[1]: مجمع الزوائد، ج ۹ ص ۳۴۳۔ تفسیر درمنثور، ج ۵ ص ۱۳۱ تا ۱۳۴

سلامہ العجلی کی روایت میں ہے کہ حضرت سلمان ؓ نے فرمایا کہ میں جن نصرانی علماء کے پاس رہا تھا مجھے ان سے محبت اور عقیدت تھی چنانچہ اس امر کا اظہار رسول پاک ؐ کے سامنے بھی کیا وہ یہ سن کر کچھ زیادہ خوش نہیں ہوئے۔ مجھے خوف لاحق ہو گیا۔ اسی اثنا میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ حضور ؐ نے مجھے بلوا بھیجا۔ حاضر ہوا تو تبسم فرما کر فرمایا یہ آیات ان کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔[1]

اساتذہ سلمان ؛ پرستارانِ حق

حضرت سلمان ؓ نے دس سے کچھ اوپر عیسائی عالموں سے تعلیم و تربیت حاصل کی تھی۔ روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سب کے سب سچے دین کے پیرو تھے اور تثلیث کے ہرگز قائل نہ تھے۔ قرآن پاک کی سورۂ مائدہ میں ایسے علماء کی تعریف و تحسین کی گئی ہے۔

آیات : لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ (۵ : ۸۲، ۸۳)

ترجمہ : (اے رسول !) اہل ایمان کے ساتھ دشمنی کے معاملے میں یہود اور مشرکین کو آپ زیادہ سخت پائیں گے اور مومنوں سے دوستی کرنے میں آپ ان لوگوں کو زیادہ قریب پائیں گے جو اپنے آپ کو نصرانی کہتے ہیں۔ یہ اس

---

[1] : مستدرک حاکم ج ۳ ص ۶۰۲، البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۳۱۶

وجہ سے ہے کہ ان میں ایسے علماء اور راہب موجود ہیں کہ جو تکبر نہیں کرتے اور جب وہ کلام سنتے ہیں کہ جو رسول کی طرف اتارا گیا ہے تو آپ دیکھیں گے کہ عرفانِ حق سے ان کی آنکھیں اشکبار ہو رہی ہیں اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ اے ہمارے پالنے والے! ہم ایمان لائے ہیں پس ہمارا نام بھی (حق و صداقت کی) گواہی دینے والوں میں لکھ لیجئے۔

شانِ نزول: ایک حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا اے سلمانؓ! جن عالموں کے پاس آپ رہے ہیں اور بالخصوص وہ آخری عالم جس نے آپ کو میری طرف آنے کا مشورہ دیا تھا وہ ہرگز نصرانی نہیں تھے بلکہ مسلمان تھے[1]
مجمع الزوائد میں درج حدیث کے مطابق آنحضرتؐ نے فرمایا تھا اے سلمان! اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں آپ کے ان اصحاب کا ذکرِ خیر فرمایا ہے۔

اساتذہ سلمانؓ: ناجی اہلِ ایمان

سورہ بقرہ کی اس آیت میں بھی اساتذہ سلمانؓ کی فضیلت بیان کی گئی ہے:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۲/۶۲

ترجمہ: بے شک جو لوگ ایمان لائے، یہودی بنے، عیسائی ہوئے اور صابی ہوئے ان میں سے جو شخص بھی اللہ اور آخرت پر ایمان لے آیا اور نیک عمل کئے ایسے لوگوں کا اجر ان کے رب کے پاس ہے انھیں نہ کوئی خوف لاحق ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

شانِ نزول: حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

---

[1] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۶۰۲، البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۳۱۹

کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے جن دینداروں سے ملا تھا۔ آنحضرتؐ سے ان کی عبادت اور نماز روزے وغیرہ کا ذکر کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔[1]

مفسر ابن کثیر اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے وضاحت کرتے ہیں کہ یہودیوں میں سے صاحبِ ایمان وہ ہے جو تورات کو مانتا ہو اور سنتِ موسیٰؑ کا پیرو ہو لیکن جب حضرت عیسیٰؑ آجائیں تو ان کی اتباع کرے اور ان کی نبوت کو برحق سمجھے۔ اگر وہ اب بھی اپنے سابقہ مذہب پر جما رہا اور حضرت عیسیٰؑ کا انکار کر دیا اور ان کی پیروی نہ کی تو پھر بے دین ہو جائے گا۔ اسی طرح نصرانیوں میں سے ایمان دار وہ ہے جو انجیل کو کلام اللہ مانے، شریعت عیسوی پر عمل پیرا ہو اور اپنے زمانے میں پیغمبر آخر الزماں حضرت محمدؐ کو پالے تو آپ پر ایمان لے آئے تصدیق نبوت کرے اور ان کی اتباع کرے۔ اگر اس وقت اس نے عیسائیت کو نہ چھوڑا تو وہ ہلاک ہوگا۔

فضائلِ سلمانؓ بزبانِ پیغمبر آخر الزماںؐ

سلمانؓ — سابق الفارس

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہلِ فارس میں سے ایمان لانے میں سبقت حاصل کی اس طرح وہ اپنے اہل وطن پر فضیلت میں سبقت لے گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی اس فضیلت کا تذکرہ فرمایا ہے۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۱۲۲ پارہ اوّل

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول پاکؐ نے فرمایا :

اَلسُّبَّاقُ اَرْبَعَةٌ اَنَا سَابِقُ الْعَرَبِ وَسَلْمَانُ سَابِقُ الْفَارِسِ وَبِلَالٌ سَابِقُ الْحَبْشَةِ وَصُهَيْبٌ سَابِقُ الرُّوْمِ۔[1]

ترجمہ : سبقت لے جانے والے چار افراد ہیں میں خود عربوں میں سے سبقت لے جانے والا ہوں سلمانؓ فارس کے سابق ہیں اسی طرح بلالؓ حبش کے سابق اور صہیبؓ روم کے سابق ہیں۔[1]

امام حسنؓ بھی رسول خداؐ کا قول نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ سلمانؓ سابق فارس ہیں۔[2]

سلمانؓ سابق الفارس الی الجنۃ

حضرت ابوامامہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ کو فرماتے ہوئے سنا ہے :

اَنَا سَابِقُ الْعَرَبِ اِلَى الْجَنَّةِ وَصُهَيْبٌ سَابِقُ الرُّوْمِ اِلَى الْجَنَّةِ وَبِلَالٌ سَابِقُ الْحَبْشَةِ اِلَى الْجَنَّةِ وَسَلْمَانُ سَابِقُ الْفَارِسِ اِلَى الْجَنَّةِ۔[3]

ترجمہ : میں عربوں میں سے، صہیبؓ رومیوں میں سے بلالؓ حبشیوں میں سے اور سلمانؓ ایرانیوں میں سے جنت کی طرف سبقت لے جانے والے ہیں۔

---

[1] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۲۸۵۔ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۰۵۔ کنز العمال ج ۶ ص ۲۰۱۔ حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۸۵

[2] طبقات ابن سعد ج ۴ ص ۸۲

[3] مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۰۵

سلمانؓ — ابوالدرداءؓ سے علم میں برتر

حضرت ابوالدرداء عویمرؓ بہت بڑے عالم تھے چنانچہ امیرالمومنین حضرت عمرؓ نے انھیں اپنے عہد میں شام کے محاذ پر لڑنے والی عساکرِ اسلام اور دمشق کا قاضی (جج) مقرر کیا تھا۔

عہدِ نبویؐ کا واقعہ ہے کہ حضرت ابوالدرداءؓ نے جمعہ کی رات کو قیام و نوافل اور روزِ جمعہ روزے کے لئے مخصوص کر لیا تھا۔ حضرت سلمانؓ کے مشاہدے میں یہ بات آئی تو انھوں نے ایسا کرنے سے روک دیا۔ جب یہ بات حضور علیہ السلام تک پہنچی تو آپؐ نے ابوالدرداءؓ کے زانو پر ہاتھ مار کر تین بار فرمایا تھا:

عویمر سلمان اعلم مِنکَ (اے عویمر! سلمانؓ تم سے زیادہ عالم ہیں) [1]

سلمانؓ — ابوالدرداءؓ سے زیادہ فقیہ

عہدِ رسالت مآبؐ کا مشہور واقعہ ہے کہ حضرت ابوالدرداءؓ کا عبادات میں انہماک زیادہ ہو گیا تھا اور وہ اپنے آرام اور بیوی کے حقوق ادا کرنے میں غفلت برتنے لگے تھے۔ حضرت سلمانؓ کو پتہ چلا تو انھوں نے حقوق العباد کی اہمیت کی جانب ان کی توجہ مبذول کرائی اور انھیں اپنی بیوی اور اپنی راحت کا خیال رکھنے کی تاکید کی۔ حضرت ابوالدرداءؓ نے حضور نبی کریمؐ کے سامنے سارا قصہ بیان کیا تو آنحضرتؐ نے حضرت ابوالدرداءؓ سے فرمایا: سلمان افقہ مِنکَ (سلمان تم سے زیادہ فقیہ ہیں) [2]

---

[1] :۔ طبقات ابن سعد، ج ۴ ص ۸۵

[2] :۔ اصابہ ج ۲ ص ۱۱۳

سلمانؓ ـــ علم لدُنّی کے مالک

ابوصالحؒ کی روایت کے مطابق اس واقعے کے ضمن میں سرکارِ رسالتؐ نے فرمایا تھا: لَقَدْ اُوتِیَ سَلْمَانُ مِنَ الْعِلْمِ (تحقیق سلمان کو علم کا ایک حصہ دیا گیا ہے)[1]

سلمانؓ ـــ علم میں سبقت

حضرت ابوسعید الخدریؓ بیان کرتے ہیں کہ پیغمبر اسلام علیہ وآلہٖ السلام نے فرمایا: سَلْمَانُ عَالِمٌ لَا یُدْرَکُ (سلمانؓ ایسے عالم ہیں کہ کوئی ان کے مقام تک نہیں پہنچ سکتا)[2]

سلمانؓ ـــ علم سے بھرپور شخصیّت

حضرت ابوالدرداء والے واقعے میں آنحضرت ختمی مرتبتؐ نے حضرت سلمانؓ کے سراپا علم ہونے کی ان الفاظ میں گواہی دی تھی:

لَقَدْ اُشْبِعَ مِنَ الْعِلْمِ (سلمان واقعی علم سے بھرپور ہیں)[3]

ایک اور روایت میں آنحضرت کے الفاظ یہ تھے: لَقَدْ اُشبع سلمان علماً[4]

---

[1]: حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۸۸

[2]: کنز العمال ج ۶ ص ۱۶۲

[3]: مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۴۴

[4]: طبقات ابن سعد ج ۴ ص ۸۵

صائب ناصح اور صاحب علم واسع

حضرت سلمان رضؓ نے حضرت ابوالدرداءؓ کو جو مشورہ دیا تھا وہ نہایت صائب اور صحیح تھا یہی وجہ ہے کہ آنحضرتؐ نے اس کی توثیق کی اور حضرت سلمانؓ کی وسعتِ علم کی نشاندہی بھی فرمائی۔

آنحضرتؐ کے الفاظ یہ تھے، لَقَدْ اَتْسَعَ فِی الْعِلْمِ (سلمان علم میں خوب وسعت رکھتے ہیں)[1]

صدقِ سلمانؓ پر تصدیق نبوتؐ

ترمذی شریف میں درج حدیث شریف کے مطابق حضور انورؐ نے حضرت سلمانؓ کے مشورے کے الفاظ "اِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَلِرَبِّكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَ لِضَيْفِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَاِنَّ لِاَهْلِكَ عَلَيْكَ حَقًّا فَاَعْطِ كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ" سن کر فرمایا تھا صَدَقَ سلمان (سلمان نے سچ کہا ہے)

سلمانؓ — سید الفارس

ایک حدیث شریف میں بیان کیا گیا ہے کہ انسانوں کے سردار آدمؑ ہیں، اہلِ عرب کے سردار آنحضرت محمدؐ، رومیوں کے سردار صہیبؓ، اہل فارس کے سردار سلمانؓ حبشیوں کے سردار بلالؓ ہیں۔ پہاڑوں کا سردار کوہ طور، درختوں کا سردار بیری کا درخت، مہینوں کا سردار محرم، دنوں کا سردار روز جمعہ اور کلام کا سردار قرآن پاک ہے اور قرآن پاک

---

[1] - کنز العمال ج ۶ ص ۱۷۶

کی سردار سورہ بقرہ ہے جب کہ سورہ بقرہ کی سردار آیۃ الکرسی ہے جس میں پانچ کلمات ہیں اور ہر کلمے میں پچاس پچاس برکتیں موجود ہیں۔[1]

سلمانؓ — یکے از نجباءِ رسولؐ

نجباء، رقباء اور رفقاءِ پیغمبر کے خاص حواریوں اور صحابیوں کو کہتے ہیں۔ حضرت سلمانؓ کا شمار بھی پیغمبر آخر الزمانؐ کے نجباء اور خاص رفقاء میں ہوتا ہے۔

حضرت علی ابن طالبؑ روایت کرتے ہیں کہ رسول خداؐ نے فرمایا ہر نبی کے سات نجیب اور رفیق ہوتے ہیں جب کہ مجھے چودہ نجباء عطا کئے گئے ہیں۔ حضرت علیؓ سے پوچھا گیا کہ وہ کون کون حضرات ہیں۔ اس پر انھوں نے فرمایا ایک میں خود ہوں، دو میرے بیٹے (حسنؓ وحسینؓ) ہیں اور باقی حضرات حضرت جعفرؓ، حضرت حمزہؓ، حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت مصعب بن عمیرؓ، حضرت بلالؓ، حضرت سلمانؓ، حضرت عمارؓ، حضرت مقدادؓ، حضرت حذیفہؓ اور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ ہیں۔[2]

سلمانؓ — یکے از اہلبیت رسولؐ

پیغمبر اسلام علیہ وآلہ السلام نے سلمان منّا اہل البیت کا اعلان کر کے انھیں اپنے مقدس گھرانے کا ایک فرد قرار دیا تھا۔ حضرت سلمانؓ کے لئے یہ بہت بڑا اعزاز ہے کیونکہ اہل بیت کے تمام افراد اپنے علم وفضل کے اعتبار سے یکتائے روزگار ہیں۔

---

[1] کنز العمال ج ۶ ص ۱۲۰، ۱۲۱

[2] جامع الترمذی ص ۵۰۱

سلمانؓ — محبوبِ خدا و رسولؐ

محبوبِ خدا حضرت احمد مجتبیٰؐ نے فرمایا ہے بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے چار آدمیوں سے محبت کرنے کا حکم دیا ہے اور اس نے مجھے یہ بھی بتلایا ہے کہ بے شک وہ بھی ان لوگوں سے محبت رکھتا ہے۔ کہا گیا اے اللہ کے رسول! ہمیں ان کے نام بتلا دیجئے۔ آپ نے فرمایا علیؓ ان میں سے ہیں اور یہ بات آپ نے تین بار دہرائی۔ اور وہ لوگ ابوذر، مقدادؓ اور سلمانؓ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کی محبت کا حکم دیا ہے اور خبر دی ہے کہ اللہ بھی ان سے محبت کرتا ہے[1]

حضرت ابوبردہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہوئے جو حدیث بیان کرتے ہیں اس کے مطابق رسول پاکؐ نے مزید یہ بھی صراحت کی تھی کہ روح الامین (جبرائیل) مجھ پر اترے تھے اور انھوں نے یہ بیان کیا تھا[2]

سلمانؓ کی ناراضی : خدا کی ناراضی

صلح حدیبیہ کے بعد ابوسفیان جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے ایک دفعہ مدینہ طیبہ میں آئے۔ اس موقعہ پر حدیث شریف میں ایک واقعہ بیان ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ ابوسفیان کا گزر حضرت سلمانؓ، حضرت صہیبؓ اور حضرت بلالؓ کے پاس سے ہوا تو وہ سب بزرگ کہنے لگے کہ اللہ کی تلواروں نے ابھی اس دشمنِ خدا کا سر قلم نہیں کیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یہ سنا تو کہنے لگے کہ آپ لوگ قریش کے سردار

---

[1] :- جامع الترمذی ص ۵۴۱، سنن ابن ماجہ ج ا ص ۱۴۔ کنز العمال ج ۶ ص ۱۶۲

[2] :- کنز العمال ج ۶ ص ۱۶۲ ، حلیۃ الاولیاء ج ا ص ۱۹۰

کے بارے میں ایسے کلمات کہتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ حضور نبی کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ کہہ سنایا۔ حضور نے فرمایا اے ابوبکر! شاید تم نے ان لوگوں کو ناراض کر دیا ہے اگر ایسا ہے تو یوں سمجھو کہ تم نے اپنے خدا کو بھی ناراض کر دیا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ فوراً ان حضرات کے پاس پہنچے اور معذرت کرتے ہوئے کہا اے میرے بھائیو! میں نے تمھیں ناراض کر دیا ہے۔ وہ سب کہنے لگے اے ہمارے پیارے بھائی! نہیں ایسا تو نہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت کرے [1]

یاد رہے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جو کچھ کہا تھا وہ اس مصلحت کی بنا پر تھا کہ ابوسفیان سردار قریش تھے اور قریش کے ساتھ صلح ہو چکی تھی اس لئے ایسی باتوں سے معاہدے کے ٹوٹ جانے کا اندیشہ تھا۔ مزید براں حضرت ابوبکرؓ یہ توقع بھی رکھتے تھے کہ ابوسفیان کسی طرح حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں تاہم اس مصلحت اندیشی اور نیک نیتی کے باوجود آنحضرتؐ نے ان غریب صحابہ کی دلجوئی کی اور حضرت ابوبکرؓ کو ایما فرمایا کہ وہ انھیں منا لیں۔

ذکر الٰہی کی شانِ قبول: رحمتوں کا نزول

حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضرت سلمان ایک گروہ میں بیٹھے اللہ کا ذکر کر رہے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے پاس سے گزرے تو وہ لوگ احتراماً خاموش ہو گئے۔ آپ نے فرمایا آپ لوگ کیا کر رہے تھے کیونکہ میں نے دیکھا کہ رحمتیں تمھارے اوپر نازل ہو رہی ہیں۔ اس لئے میں نے بھی یہ پسند کیا کہ تمھارے ساتھ میں بھی اس ذکر میں شریک ہو جاؤں [2]

---

[1]: ۔ صحیح المسلم ج ۲ صہ ۳۰۴

[2]: ۔ کنز العمال ج ۱ ص ۱۱۳

ایک روایت میں مزید یہ اضافہ ہے کہ حضور نبی کریمؐ نے فرمایا الحمد للہ! اللہ تعالےٰ نے میری امت میں ایسے لوگ بھی پیدا کئے ہیں کہ جن کے پاس بیٹھنے کا مجھے حکم ہوا ہے۔ آنحضورؐ کا اشارہ سورہ کہف کے ارشادِ خداوندی کی طرف تھا۔

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ۔ الآیۃ ۱۸/۲۸ [۱]

سلمانؓ کی اہانت : ثبوتِ منافقت

امام زہری ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے روایت کرتے ہیں کہ قیس بن مطاطیہ منافق ایک ایسے حلقے میں آیا جہاں حضرت سلمان فارسیؓ حضرت صہیب رومیؓ اور حضرت بلال حبشیؓ موجود تھے اور کہنے لگا یہ تو اوس وخزرج کے (معزز) افراد ہیں کہ جو اس شخص (پیغمبر اسلام) کی مدد کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے لیکن ان (غیر عرب) لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ یہ بھی محمدؐ عربی کے مددگار بن گئے ہیں۔ حضرت معاذؓ نے اس کی یہ باتیں سنیں تو اٹھے اور اسے پکڑ کر سرور کائناتؐ کے پاس لے آئے۔ حضرت معاذؓ نے وہ سب کچھ بیان کر دیا جو اس نے کہا تھا۔ آنحضورؐ غصّے کی حالت میں اٹھے اور مسجد نبوی میں تشریف لائے حالت یہ تھی کہ ردائے مبارک گھسٹتی جا رہی تھی۔ وہاں پہنچ کر صلوٰۃ جامعہ (اکٹھے ہو جانے) کا اعلان فرمایا جب لوگ اکٹھے ہو گئے تو حمد و ثنا کے بعد ارشاد فرمایا اے لوگو! غور سے سنو بے شک تم سب کا رب ایک ہے، تم سب کا باپ (حضرت آدمؑ) ایک ہے، تم سب کا دین ایک ہے۔ یاد رکھو عربی ہونا تمھارے ماں یا باپ کی طرف سے نسب نہیں ہے۔ یہ تو محض ایک زبان ہے جو شخص یہ زبان بولتا ہو گا وہ عرب ہے حضرت معاذ

---

[۱]: حلیۃ الاولیاء ج ۱ صـ ۳۴۱

بن جبلؓ جو قیس کو پکڑے ہوئے تھے کہنے لگے یا رسول اللہ! اس منافق کے بارے میں کیا حکم ہے؟۔ آپ نے فرمایا اسے چھوڑ دو جہنّم میں جاتے۔

راوی کہتے ہیں کہ بدبخت ان لوگوں میں شامل تھا جو بعدازاں مرتد ہو گئے تھے اور عہدِ صدیقی میں فتنۂ ارتداد میں یہ شخص قتل ہو کر واصلِ جہنّم ہوا۔[1]

اشتیاقِ جنان بلقائے سلمانؓ

مشہور حدیث ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جنت تین آدمیوں علیؓ، عمارؓ، اور سلمانؓ کی مشتاق ہے۔[2]

دوسری حدیث کے مطابق چار آدمیوں کی مشتاق ہے اور وہ حضرات علیؓ عمارؓ، سلمانؓ اور مقدادؓ ہیں۔[3]

معجم طبرانی کبیر کی ایک حدیث میں حضرت عمارؓ کی بجائے حضرت ابوذر غفاریؓ کا نام ہے۔ الفاظِ حدیث یہ ہیں:

الا ان الجنۃ اشتاقت لاربعۃٍ من اصحابی علی والمقداد وسلمان وابی ذر[4]

ترجمہ: غور سے سنو اور یاد رکھو کہ بے شک جنت میرے اصحاب میں سے چار اشخاص کی (بطورِ خاص) مشتاق ہے اور وہ علیؓ، مقدادؓ، سلمانؓ اور ابوذرؓ ہیں۔

---

[1]: کنز العمال ج ۷ ص ۴۶

[2]: جامع الترمذی ص ۵۴۲۔ کنز العمال ج ۶ ص ۱۹۲ بحوالہ مستدرک حاکم

[3]: مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۰۷۔ کنز العمال ج ۶ ص ۱۹۲ بحوالہ معجم طبرانی کبیر

[4]: کنز العمال ج ۶ ص ۱۹۲

اشتیاقِ جنت : نشانِ عظمت

امام عبدالوہاب الشعرانیؒ کہتے ہیں کہ شوقِ جنت کے اعتبار سے لوگ چار قسم کے ہوتے ہیں پہلی قسم میں وہ لوگ ہیں جو خود جنت کے مشتاق ہوتے ہیں اور جنت ان کی مشتاق ہوتی ہے۔ یہ لوگ مردانِ خدا میں سے بلند مرتبہ لوگ ہیں۔ ان میں انبیاء اور اولیاء کاملین ہوتے ہیں۔ دوسری قسم میں وہ لوگ شامل ہیں کہ جنت تو ان کی مشتاق ہوتی ہے لیکن انھیں جنت کا چنداں شوق نہیں ہوتا۔ ایسے لوگ صاحبِ حال ہوتے ہیں۔ یہ لوگ چونکہ اللہ کے جلال میں نگاہ لگائے ہوئے ہوتے ہیں اس لئے ہیبتِ خداوندی ان کے اور جنت کے درمیان حجاب بن کر حائل ہو جاتی ہے۔ یہ لوگ پہلے درجے والوں سے کم مرتبہ ہوتے ہیں تیسری قسم کے لوگ وہ ہیں کہ وہ تو جنت کے مشتاق ہوتے ہیں لیکن جنت کو ان کی خواہش نہیں ہوتی۔ یہ توحید پرستوں میں سے گناہگار لوگ ہیں۔ چوتھی قسم ایسے لوگوں پر مشتمل ہے جو نہ جنت کی طلب رکھتے ہیں اور نہ جنت انھیں پسند کرتی ہے۔ یہ لوگ روزِ قیامت کو جھٹلانے والے اور محسوس جنت کے منکرین کا گروہ ہے۔[1]

اشتیاق کا امتیاز : عشاق کا سرمایۂ ناز

امام الشعرانی اپنی ایک اور کتاب میں شوق اور اشتیاق کا فرق واضح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ شوق تو ملاقات اور وصال کے ساتھ ہی زائل ہو جاتا ہے جب کہ اشتیاق ایسا جذبہ ہے کہ وصل کے ساتھ ساتھ اور زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ اشتیاق کا عرفاں

---

[1] ۱- الیواقیت والجواہر ج ۲ ص ۳۴۴

سوائے عشاق کے کسی کو نہیں ہو سکتا۔ یہ انہی لوگوں کا حصہ ہے۔ جو شخص لقا اور وصال سے پرسکون ہو جائے وہ اربابِ حقائق کے نزدیک صحیح معنوں میں عاشق ہی نہیں ہے[1]

حورانِ خلد: مشتاقِ دید

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تین آدمی علی رضی اللہ عنہ، عمار رضی اللہ عنہ اور سلمان رضی اللہ عنہ ایسے ہیں کہ حورانِ خلد ان کی دید کا اشتیاق رکھتی ہیں[2]

رُخِ انور: دلیلِ قلبِ منوّر

حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ اَرَادَ اَنْ یَّنْظُرَ اِلٰی رَجُلٍ نَوَّرَ قَلْبَہٗ فَلْیَنْظُرْ اِلٰی سَلْمَانَ[3]

ترجمہ: جو شخص کسی ایسے شخص کو دیکھنے کا ارادہ رکھتا ہو کہ جس کا دل منور ہو چکا ہو تو اسے سلمان کی زیارت کر لینی چاہیے۔

عملِ سلمان رضی اللہ عنہ: سوئے آسمان

معجم طبرانی کبیر اور تاریخ ابن عساکر میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک بار کا واقعہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آسمان کی جانب بڑی توجہ کے ساتھ دیکھنے لگے ہم نے دریافت کیا اے اللہ کے رسول! یہ کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا میں نے ایک

---

[1] :- الکبریت الاحمر، ج ۲ ص ۱۴۰

[2] :- مجمع الزوائد، ج ۹ ص ۳۴۴

[3] :- کنز العمال، ج ۶ ص ۱۷۶ بحوالہ امالی ابن مردویہ

فرشتے کو سلمان کا عمل بلندیوں پر لے جاتے دیکھا ہے[1]

اِلَیۡہِ یَصۡعَدُ الۡکَلِمُ الطَّیِّبُ وَالۡعَمَلُ الصَّالِحُ یَرۡفَعُہٗ ۔ القرآن ۳۵/۱۰

مناقبِ سلمانؓ بزبانِ بابِ مدینۃ العلم النبی حضرت علیؓ

عالم علم اوّل و آخر

ابوالبختریؒ سے روایت ہے کہ امیر المومنین حضرت علیؓ سے حضرت سلمانؓ کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا:

اُوتِیَ الۡعِلۡمَ الۡاَوَّلَ وَالۡعِلۡمَ الۡاٰخِرَ لَا یُدۡرَكُ مَا عِنۡدَہٗ[2]

ترجمہ: وہ علم اول اور علم آخر دیئے گئے تھے۔ جو کچھ ان کے پاس ہے اسے نہ حاصل کیا جا سکتا ہے اور نہ ان پر اس معاملے میں سبقت لی جا سکتی ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ کسی شخص نے حضرت علیؓ سے عرض کیا کہ آپ اپنے ساتھیوں کے اوصاف بیان فرمائیں اس پر انھوں نے حضرت سلمانؓ کے بارے میں فرمایا عِنۡدَہٗ عِلۡمُ الۡاَوَّلِیۡنَ وَالۡاٰخِرِیۡنَ یعنی ان کے پاس اولین و آخرین کا علم تھا[3]

---

[1] ۔ کنز العمال ج ۶ ص ۱۷۶

[2] ۔ طبقات ابن سعد، ج ۴ ص ۸۵

[3] ۔ اخبار الاخیار ص ۱۳۹

پیروئے علم اول و آخر

ایک روایت کے مطابق حضرت علی المرتضیٰؓ نے حضرت سلمانؓ کے حق میں یہ فرمایا:

تَابِعَ الْعِلْمَ الْاَوَّلَ وَالْعِلْمَ الْاٰخِرَ (انھوں نے علم اول اور علم آخر کی پیروی کی)[1]

یاد رہے کہ علم اول سے مراد قدیم الہامی کتابیں اور مقدس صحیفے ہیں اور علم آخر کا مطلب یہ ہے کہ پیغمبر آخر الزماںؐ کے علوم مثلاً قرآن، سنت اور شریعت محمدیہ۔ اتفاق سے حضرت سلمانؓ کو علم اول اور علم آخر دونوں کی پیروی اور اتباع کا موقع ملا اور انھوں نے پیروی کرنے کا حق ادا کر دیا۔

ملتِ بیضا کا لقمان حکیم

لقمان حکیم کی شخصیت عربوں میں اپنی توحید پرستی اور حق گوئی میں بڑی ممتاز و متعارف تھی۔ انھوں نے بڑے مؤثر پیرائے میں اپنی نصیحتیں بیان کی ہیں اور زندگی بھر وہ پند و نصائح کے موتی لٹاتے رہے ہیں۔ حضرت علیؓ نے حضرت سلمانؓ کو لقمانؑ حکیم کے مثل قرار دیتے ہوئے فرمایا:

من لکم بمثل لقمان الحکیم (تم میں لقمان حکیم کی مانند سلمان کے سوا اور کون ہے؟)[2]

---

[1] حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۸۷

[2] ایضاً

سلمان علم کے بحرِ بیکراں

زاذان الکندیؒ سے ایک جامع الفضائل روایت ہے کہ ہم حضرت علی ابن ابی طالبؓ کی خدمت میں حاضر تھے۔ اس روز آپ بڑے خوش تھے اور بڑی بے تکلفی کے ساتھ لوگوں سے باتیں کر رہے تھے۔ لوگوں نے دریافت کیا اے امیر المومنین! آپ ہمیں اپنے ساتھیوں کے بارے میں کچھ بتائیں۔ آپ نے پوچھا کہ میرے کن ساتھیوں کے بارے میں پوچھنا چاہتے ہو۔ لوگوں نے عرض کیا ان اصحابِ رسولؐ میں سے جن لوگوں کا ذکرِ خیر آپ اکثر کرتے رہتے ہیں۔ اس پر آپ نے ہمیں حضرت سلمانؓ کی باتیں سنائیں اور فرمایا تم میں سے ان کے علاوہ لقمان حکیم کی طرح اور کون ہے؟

وہ ہم میں سے ایک فرد اور ہمارے اہل بیت میں شامل تھے۔ انھوں نے علم اول بھی پایا تھا اور آخر بھی۔ انھیں پہلی الہامی کتاب پڑھنے کا شرف میسر تھا، اسی طرح وہ آخری کتاب پڑھنے کی سعادت سے بہرہ ور تھے۔ وہ بحرٌ لا ینزف یعنی علم کا ایسا سمندر تھے کہ جس کا جتنا پانی نکال لیا جائے وہ خشک نہیں ہوتا۔[۱]

مناقب سلمانؓ ابن اسلام بزبانِ صحابہ کرامؓ

حضرت عمر فاروق

حضرت عمر فاروقؓ حضرت سلمانؓ کی خدمات کے معترف اور قدردان تھے چنانچہ

---

[۱] حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۸۷

انھوں نے وظائف مقرر کرتے وقت انھیں بدری صحابیوں کے ہم پلہ قرار دیا تھا۔ اس کے علاوہ انھوں نے انھیں مدائن کی گورنری کا عہدہ بھی سونپ دیا تھا۔ حضرت سلمانؓ جب کبھی ان کے پاس جاتے تو وہ ان کا پوری طرح احترام اور اکرام کیا کرتے تھے۔ حضرت انسؓ بن مالک فرماتے ہیں کہ ایک بار حضرت سلمانؓ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کے پاس گئے اور وہ اس وقت تکیے کا سہارا لے کر تشریف فرما تھے۔ حضرت سلمانؓ کو دیکھ کر انھوں نے وہ تکیہ انھیں پیش کر دیا۔ حضرت سلمانؓ کے منہ سے بے اختیار اس موقع پر صَدَقَ اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ کے الفاظ نکلے۔ حضرت عمرؓ کہنے لگے اے ابوعبداللہ! ہمیں پیارے رسول کی کوئی بات سنا دیجئے۔ اس پر حضرت سلمانؓ نے بیان کیا کہ ایک دفعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور انھوں نے وہ تکیہ جس کا سہارا لئے ہوئے تھے میری جانب پھینک دیا تھا اور پھر فرمایا تھا اے سلمان! اگر کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کے ہاں جاتا ہے اور وہ اس کی عزت کرتے ہوئے اپنا تکیہ اسے پیش کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی بخشش کر دیتا ہے[1]

حضرت معاذ بن جبلؓ

یزید بن عمیرؒ سے روایت ہے کہ جب حضرت معاذ بن جبلؓ کی وفات کا وقت ہوا تو ان سے لوگوں نے عرض کیا اے ابوعبدالرحمٰن! ہمیں کچھ وصیت اور نصیحت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا مجھے اٹھا کر بٹھا دو۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا بے شک علم اور ایمان کی اپنی اپنی جگہیں ہیں جو شخص ان کا طلب گار ہو گا وہ انھیں پا لے گا۔ یہ بات انھوں نے تین بار دہرائی پھر کہنے لگے علم چار آدمیوں کے ہاں سے حاصل کرو۔ عویمر ابوالدرداءؓ، سلمان فارسیؓ،

---

[1] : مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۹۹

عبداللہ بن مسعودؓ، اور عبداللہ بن سلامؓ سے [1]

روایت میں یہ وضاحت موجود ہے کہ حضرت معاذ کی وفات طاعون عمواس میں ہوئی اور حضرت یزید بن عمیرہ السکسکی تابعی اور حضرت معاذ کے شاگرد رشید تھے حضرت معاذؓ نے چار آدمیوں سے علم حاصل کرنے کا حکم دیا تھا ان میں حضرت سلمانؓ شامل تھے [2]

حضرت ابوہریرہؓ

حضرت خیثمہ بن ابی سبرہؒ تابعی کہتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ میں آیا تو خدا سے دعا مانگی کہ مجھے کوئی نیک ہم نشین مل جائے۔ خدا نے میری ملاقات حضرت ابوہریرہؓ سے کرا دی چنانچہ میں ان ہمنشینی سے فیض یاب ہوا۔ میں نے انھیں بتایا کہ میں نے خدا سے جلیس صالح کی آرزو کی تھی، خدا نے آپ کے ذریعے میری یہ تمنا پوری کر دی ہے۔ انھوں نے فرمایا آپ کہاں کے رہنے والے ہیں: میں نے عرض کیا کہ کوفے کا رہنے والا ہوں اور خیر (علم و حکمت) کی طلب و تلاش میں یہاں آیا ہوں یہ سن کر حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا:

الیس فیکم سعد بن مالک مجاب الدعوۃ وابن مسعود صاحب طہور رسول اللہ ونعلیہ وحذیفۃ صاحب سر رسول اللہ وعمار الذی اجارہ اللہ من الشیطان علی لسان نبیہ وسلمان صاحب الکتابین قال قتادہ والکتابان الانجیل والقرآن [3]

---

[1]: جامع الترمذی ص ۵۴۳، مستدرک حاکم ج ۲ ص ۲۷۰

[2]: طبقات ابن سعد، ج ۴ ص ۸۶

[3]: جامع الترمذی ص ۵۴۴ باب مناقب عبداللہ بن مسعودؓ

ترجمہ: کیا تمھارے درمیان (کوفہ میں) حضرت سعد بن ابی وقاصؓ موجود نہیں جن کی دعائیں ہمیشہ قبول ہوتی ہیں؟ کیا وہاں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نہیں رہتے جو رسول پاکؐ کے سامان طہارت اور نعلین مبارک کے محافظ تھے؟ کیا اس شہر میں حضرت حذیفہ بن الیمانؓ اقامت پذیر نہیں جو رازدار رسول ہیں؟ اسی طرح کیا تمھارے درمیان حضرت عمار بن یاسرؓ تشریف نہیں رکھتے جنھیں زبان رسالتؐ نے شیطان سے خدا کی حفاظت میں ہونے کا اعلان کیا تھا؟ اور کیا وہاں پر حضرت سلمانؓ دو کتابوں والے نہیں ہیں؟

حضرت قتادہؒ کہتے ہیں کہ دو کتابوں سے مراد انجیل مقدس اور قرآن مجید ہیں۔

ایک شارح حدیث نے الخیر کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس سے مراد ایسا علم ہے کہ جس پر عمل بھی کیا جائے اور اسی کو حکمت سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ بمصداق وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا۔ (القرآن)

حضرت سلمانؓ کی ذات بابرکات کو خیر کثیر سے بڑی مناسبت تھی چنانچہ ان کا لقب بھی سلمان الخیر مشہور ہوا ہے۔

حضرت ابوالدرداءؓ

حضرت ابوالدرداءؓ نے شام سے حضرت اشعث بن قیسؓ اور حضرت جریر بن عبداللہ بجلیؓ کو حضرت سلمانؓ کی طرف ہدیہ سلام بھیجتے وقت بیان فرمایا تھا:

اِنَّ فیکم رجلاً کان رسول اللّٰہِ اِذا خلا بہٖ لم یبلغ احداً غیرہ[۱]

ترجمہ: بے شک تمھارے درمیان ایسا شخص موجود ہے کہ جب رسول پاک

---

[۱] ۔ حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۴۷

ان سے تنہائی میں راز و نیاز کی باتیں کر رہے ہوتے تو ان کے سوا کسی اور کو ہرگز ملاقات کا موقع نہ دیتے تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رض

سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی ازواج مطہرات میں سے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رض کے بعد حضرت عائشہ رض سے سب سے زیادہ محبت تھی۔ انھوں نے بھی حضرت سلمان رض کے مقرب خاص ہونے کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا ہے:

کان لسلمان مجلس من رسول اللہ ینفرد بہ باللیل حتی کاد یغلبنا علی رسول اللہ[۱]

ترجمہ: حضرت سلمان رض کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ راز و نیاز کی مجلس اس قدر طویل ہو جاتی تھی کہ ہم (ازواج رسول) یہ سمجھنے لگتیں کہ کہیں وہ محبت میں، ہم سے بھی بازی نہ لے جائیں۔

حضرت کعب الاحبار رح

حضرت کعب احبار صحابی ہرگز نہ تھے بلکہ تابعی تھے۔ وہ ایک ممتاز یہودی عالم تھے اور غالباً عہد فاروقی میں اسلام لے آئے۔ انھوں نے حضرت سلمان رض کے علم کی تصدیق ان الفاظ میں کی ہے۔

سلمان حشی علماً وحکمۃً (سلمان رض سراپا علم و حکمت ہیں)[۲]

---

[۱] استیعاب ج ۲ ص ۵۶ - اسد الغابہ ج ۲ ص ۳۳۰ -

[۲] استیعاب ج ۲ ص ۵۷ -

بارگاہ سلمانؓ میں تذکرہ نگاروں کا خراجِ عقیدت

حافظ ابن عبد البرؒ

حافظ ابن عبد البر حضرت سلمانؓ کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

کان خیراً فاضلاً حبراً عالماً زاھداً متقشفاً ولہٗ اخبار حسان وفضائل جمۃ[1]۔

ترجمہ: آپ خیر مجسم، صاحبِ فضیلت عالم اور صاحبِ تقشف زاہد بزرگ تھے۔ آپ کے حالات حسن وخوبی کا مرقع اور آپ کے فضائل وکمالات بے حد وحساب ہیں۔

علامہ ابن اثیر الجزریؒ

علامہ ابن اثیرؒ تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

کان سلمان من خیار الصحابۃ و زھادھم وفضلائھم و ذوی القرب من رسول اللہ[2]

ترجمہ: حضرت سلمانؓ صحابہ کرامؓ میں سے خاص منتخب، زاہد، فاضل اور بارگاہ نبوتؐ کے مقرب صحابیوں میں سے تھے۔

---

[1]۔ استیعاب ج ۲ ص ۵۶، ۵۷

[2]۔ اسد الغابہ ج ۲ ص ۳۳۰

ابو نعیم اصفہانیؒ

ابو نعیم اصفہانی ان شاندار الفاظ میں حضرت سلمانؓ کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں:

منهم سابق الفرس وراكبُ العرس، الكادح الذی لا يبرح، و
الزاخر الذی لا ينزح، الحاكم الحكيم، والعابد العليم ابو عبداللہ
ابن الاسلام رافع الالوية والاعلام، احد الرفقاء النجباء و
مَنْ اليه تشتاق الجنة من الغرباء ثبت على القلة والشدائد
لما نال من الصلة والزوائد[1]

ترجمہ: ان (اصحاب صفہ بزرگوں) میں حضرت سلمان ابن اسلام ہیں۔ وہ سابق الفرس اور شایانِ عرس ہیں وہ ایسے محنت کش انسان تھے کہ ان کی کد و کاوش کبھی ختم ہونے میں نہیں آئی۔ وہ علم کے ایسے سمندر تھے کہ ان کے علم میں کبھی کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ وہ حاکم تھے تو ایسے حاکم کہ ان کا ہر فیصلہ حکمت اور دانائی پر مبنی ہوتا تھا۔ وہ عبادت گزار تھے اور ان کی عبادت علم و آگہی کی بنیاد پر تھی۔ وہ ایسے مجاہد تھے کہ انھوں نے ہر میدان میں اسلام کے پرچم کو ہمیشہ سربلند رکھا۔ وہ رسول پاک کے ان ساتھیوں میں سے تھے جنھوں نے حق رفاقت ادا کر دیا۔ وہ ان غربا اسلام میں سے ایک تھے جنھیں جنت اپنے دامانِ محبت میں لینے کے لئے بے قرار ہے۔ وظائف کے انبار اور مالِ غنیمت کے ڈھیر انھیں میسر آئے لیکن وہ انھیں راہِ خدا میں لٹا کر عسرت اور تنگدستی کے شدائد بڑی ثابت قدمی کے ساتھ برداشت کرتے رہے۔

---

[1] حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۸۵

حضرت سلمانؓ کی اسلامی خدمات اور شخصی کمالات

عالم صحف سلف

حضرت سلمانؓ نے عیسائی علماء سے تعلیم و تربیت حاصل کی تھی لہٰذا انھوں نے قدیم الہامی کتابوں مثلاً تورات، زبور اور انجیل کو سبقاً سبقاً پڑھا ہوگا۔ حافظ ابن عبدالبر تصریح کرتے ہیں:

قرأ الكتب وصبر فى ذلك على مشقات نالته[1]

ترجمہ: انھوں نے کتابیں پڑھیں اور اس سلسلے میں بہت سی مشکلات اور تکالیف صبر کے ساتھ برداشت کیں۔

حضرت سلمانؓ کی مشہور روایت ہے جس میں انھوں نے بیان کیا ہے کہ میں نے تورات میں پڑھا تھا کہ کھانا کھانے کے بعد وضو کرنے یعنی ہاتھ منہ صاف کرنے سے کھانے میں برکت ہوتی ہے اور اس بات کا ذکر جب نبی کریمؐ سے کیا تو انھوں نے فرمایا کہ برکت پہلے اور بعد میں وضو کرنے یعنی ہاتھ منہ پانی سے صاف کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔[2]

صحف سلف اور الہامی کتب کے عالم ہونے کے امتیاز میں صحابہ کرامؓ میں حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے سوا کوئی شخص حضرت سلمانؓ کا عدیل و ہمسر نہیں ہے۔ مزید براں ژند اوستا وغیرہ۔ مجوسی کتب پر بھی حضرت سلمان کو دسترس حاصل تھی۔

لہ: استیعاب ج ۲ ص ۵۵

ٹہ: سنن کبریٰ بیہقی ج ۷ ص ۲۷۶۔ شمائل ترمذی ص ۵۸۱

استحضارِ قرآن

حضرت سلمانؓ جس طرح قدیم الہامی کتابوں کا علم رکھتے تھے اسی طرح وہ بلاشبہ آخری کتاب قرآن مجید کے متبحر عالم بھی تھے۔ آیات کی تاویل اور تفسیر میں وہ مہارت تامہ رکھتے تھے اور قرآن انھیں خوب مستحضر تھا جب ضرورت بڑی آسانی کے ساتھ قرآنی شواہد پیش کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ وہ جہاں کہیں ہوتے لوگ ان سے قرآن کے معارف سنتے اور فیض یاب ہوتے رہتے۔ احادیث میں اس سلسلے میں حضرت عبدالرحمٰن بن یزید کی روایت مؤید ہے۔ ملاحظہ ہو [۱]

خدمتِ حدیث

حضرت سلمان فارسیؓ اصحابِ صفہ میں سے تھے جن لوگوں کا کام ہی پیغمبر اسلام علیہ وآلہ السلام کی زبانِ مبارک سے نکلے ہوئے ارشادات کو اپنے سینوں میں محفوظ کرلینا تھا چنانچہ ان بزرگوں سے کئی احادیث کی روایت عمل میں آئی ہے۔ حضرت سلمانؓ سے بھی کئی احادیث مروی ہیں اور بعض اوقات تو انھوں نے حدیث بیان کرتے وقت اسی طرح کا عملی مظاہرہ بھی کیا جیسا کہ رسولِ پاکؐ نے عملاً فرمایا تھا۔ طہارت کے باب میں حدیث الخزاۃ کو اکثر محدثین نے حضرت سلمانؓ کی روایت بیان کی ہے۔ اسی طرح جمعہ کے روز غسل کرنے، صاف کپڑے پہننے اور خوشبو لگا کر خاموشی سے خطبہ سننے کی حدیث اور قبولیتِ دعا کی یہ حدیث کہ اللہ تعالیٰ بڑا کریم اور حیادار ہے۔ جب انسان اپنے ہاتھ اٹھا کر خدا سے دعا کرتا ہے اور مانگتا ہے تو وہ خالی ہاتھ نہیں لوٹاتا۔ مرویاتِ سلمانؓ

۱؎ :۔ سنن دارقطنی ج ۱ ص ۷۰۵۔ سنن بیہقی ج ۱ ص ۸۸

میں سے ہے۔

علمائے کرام نے روایتِ حدیث میں قلت اور کثرت کے لحاظ سے صحابہ کرامؓ کی درجہ بندی کی ہے اور اس اعتبار سے حضرت سلمانؓ کا شمار طبقہ چہارم میں ہوتا ہے۔ ان کی روایات کی تعداد چونسٹھ ہے۔ ملاحظہ ہو[1]

مولانا شاہ معین الدین ندوی بیان کرتے ہیں کہ حضرت سلمانؓ کی کوششوں سے حدیث کا کافی حصہ اشاعت پذیر ہوا۔ آپ کی روایات کی تعداد ساٹھ ہے۔ ان میں تین حدیثیں متفق علیہ ہیں۔ ان کے علاوہ ایک میں بخاری اور تین میں مسلم منفرد ہیں[2]

حضرت سلمانؓ سے جن صحابہ کرام اور تابعین عظام نے روایت حدیث کی ہے۔ ان کے اسمائے گرامی حسبِ ذیل ہیں۔

صحابہ: حضرت انس بن مالکؓ۔ حضرت ابن عجرہؓ۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت ابوسعید الخدریؓ۔ حضرت ابوالطفیلؓ

تابعین: حضرت ام الدرداء الصغریٰؒ حضرت ابوعثمان النہدیؒ۔ حضرت ابوعمرو زاذانؒ۔ حضرت سعید بن وہب الہمدانیؒ حضرت طارق بن شہابؒ۔ حضرت عبداللہ بن ودیعہؒ۔ حضرت عبدالرحمٰن بن یزید النخعیؒ[3]

فقہی خدمات

حضرت سلمانؓ نہ صرف راوی حدیث تھے بلکہ انھیں تفقہ فی الدین میں بھی درجہ

---

[1]: اسوہ صحابہ حصہ دوم ص ۲۸۱

[2]: مہاجرین حصہ دوم ص ۱۰۱

[3]: تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۳۸

کمال حاصل تھا۔ فرمانِ رسالت کے مطابق وہ حضرت ابوالدرداءؓ سے بڑھ کر فقہ میں مہارت رکھتے تھے۔ ان کا شمار متوسطین کے طبقہ فقہاء میں ہوتا ہے۔ اس طبقے میں حضرت ابوسعید الخدریؓ، حضرت جابر بن عبداللہؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ جیسی ہستیاں شامل ہیں۔ شیخ الحدیث محمد زکریا سہارنپوری تلقیح فہوم اہل الاثر کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ میں ایک جماعت فتویٰ کے ساتھ مخصوص تھی جو حضور اقدسؐ کے زمانے میں بھی فتوے کا کام کرتی تھی۔ اس جماعت میں حسب ذیل حضرات تھے۔

حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت عمار بن یاسرؓ، حضرت حذیفہؓ، حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت ابوالدرداءؓ۔[1]

طریقت میں مقام

حضرت سلمانؓ طریقت میں ایک بلند مقام رکھتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جن خاص صحابہ کو رقباء (نگرانِ امت) قرار دیا تھا حضرت سلمانؓ ان میں سے ایک ہیں۔ طریقت کے چار مشہور سلاسل طیبہ میں سے سلسلہ نقشبندیہ کی ایک اہم کڑی حضرت سلمانؓ کی ذات ستودہ صفات ہے۔ یہ سلسلہ پابندی شریعت اور احیاء سنت میں بڑی شہرت رکھتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادقؓ نے روحانی فیض اپنے نانا بزرگوار حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر سے حاصل کیا تھا اور وہ حضرت سلمانؓ

---

[1] حکایات صحابہ

سے اور حضرت سلمانؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ذریعے سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فیض یاب ہوئے تھے۔ دوسرے طریق کے مطابق حضرت امام جعفر صادقؒ کو یہ فیضان نبوت اپنے آبائے طاہرین کی معرفت بھی میسر آیا تھا[۱]

این سلسلہ از طلائے ناب است

این خانہ ہمہ آفتاب است

حضرت سید علی ہجویری گنج بخشؒ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ مشائخ میں حضرت حبیب بن اسلم راعیؒ حضرت سلمان فارسیؓ سے شرف مصاحبت رکھتے تھے[۲]

کرامات ظاہرہ و معنویہ

صحابہ کرامؓ کرامات معنویہ سے پوری طرح متصف تھے۔ ان کرامات کے اجزائے ترکیبی میں للّٰہیت، اتباع رسولؐ، پیروی شریعت، استقامت، بلندی کردار اور اخلاق فاضلہ شامل ہیں۔ حضرت سلمانؓ ان امور میں اپنی مثال آپ تھے۔ بعض اکابر صحابہؓ سے چند ظاہری کرامات کا ظہور بھی عمل میں آیا ہے۔ ان حضرات میں حضرت عمر فاروقؓ حضرت علی المرتضیٰؓ، حضرت سلمانؓ اور حضرت ابوالدرداءؓ قابل ذکر ہیں۔

امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ ایک بار حضرت ابوالدرداءؓ اور حضرت سلمانؓ ایک بڑی پلیٹ میں کھانا کھا رہے تھے تو وہ پلیٹ یا وہ کھانا تسبیح پڑھنے لگ گیا اور دونوں بزرگوں نے اس کی آواز کو سنا[۳]

---

۱ : انتباہ فی سلاسل اولیاء ص ۳۳

۲ : کشف المحجوب ص ۱۱۰

۳ : الفرقان ص ۱۳۱

عسکری خدمات

حضرت سلمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ اسلام لانے کے بعد عہد نبوی کے ہر غزوے میں شریک رہے اور بعدازاں انھوں نے عراق و ایران کی فتوحات میں بھی گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ فنونِ حرب میں بھی ان کی خدمات کو کبھی بھلایا نہیں جا سکتا۔ انھوں نے خندق کھود کر دفاع کرنے کا طریقہ عربوں میں رواج دیا اور منجنیق سازی کی صنعت کو فروغ دے کر اہلِ عرب کو جدید طریقۂ جنگ سے متعارف کرایا۔ اہلِ ایران کے خلاف محاربات میں ان کے مفید مشورے اور جنگی تدبیریں عساکرِ اسلام کے لئے نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوئیں۔

صنعت و حرفت کی ترقی

عرب بالعموم صنعت و حرفت سے چنداں آشنا نہ تھے اور وہ پیشہ ورانہ کاموں میں حصہ لینے کو عار سمجھتے تھے حالانکہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق ہاتھ کی کمائی سے کھانا بڑے اجر و ثواب کی چیز ہے۔ ہادیٔ اسلام نے بعض روایتوں کے مطابق الکاسب حبیب اللہ کہہ کر فرمایا ہے۔ اسلام کی اس حوصلہ افزائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ عرب بھی صنعت و حرفت کی طرف متوجہ ہونے لگے۔ حضرت سلمان رضؓ کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ ان کی ذاتی کوششوں سے متعدد صنعتیں رواج پذیر ہوگئیں۔ مو تراشی، دباغت، کاشت کاری اور منجنیق اور دبابہ سازی ایسی صنعتیں اور حرفتیں ہیں کہ جو حضرت سلمان فارسیؓ کی مرہونِ منت ہیں۔

ایک مستشرق لکھتے ہیں کہ حضرت سلمانؓ کو تمام اہلِ حرفہ اپنی پیشہ ورانہ تنظیموں WORKMEN'S CORPORATIONS کا سرپرست تسلیم کرتے ہیں۔ آپ ہی وہ شخص

ہیں جنھوں نے اصحاب رسولؐ کے اسلام لانے کے مواقع پر ان کے سروں کے بال مونڈ کر پیشہ موتراشی کو نئی شان بخشی ہے۔[1]

مختلف زبانوں میں مہارت

حضرت سلمان فارسیؓ کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ متعدد آریائی اور سامی زبانوں کو بخوبی بول سکتے تھے۔ فارسی تو ان کی مادری زبان تھی۔ قبولِ عیسائیت کے بعد جب آپ شام میں وارد ہوئے اور کافی عرصہ یہاں تعلیم و تربیت حاصل کرنے کے سلسلے میں اقامت رہی تو یقیناً سریانی زبان سے واقفیت بہم پہنچائی ہوگی۔ بعدازاں ملک عرب میں آئے تو عربی زبان میں مہارت حاصل کرنے کا موقع ملا۔ علمائے ادب کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت سلمانؓ سے کبھی لحن وگرامر کی غلطی سرزد نہیں ہوئی اور وہ بالکل اسی طرح عربی بولتے تھے جیسے کہ اہلِ زبان بولتے ہیں۔ فتوحاتِ ایران میں لشکر اسلام کی جانب سے آپ دعوتِ اسلام دینے کی خدمت پر مامور تھے۔ چنانچہ دعوت دیتے وقت آپ فارسی زبان میں گفتگو فرمایا کرتے تھے اور اہلِ عرب کے سامنے فصاحت و بلاغت کے ساتھ عربی میں قرآن و حدیث کے معارف بیان کیا کرتے تھے۔ اس بات کا بھی امکان ہے کہ آپ عبرانی زبان سے بھی واقف تھے۔ کیونکہ تورات کی تعلیمات سے آپ بخوبی باخبر تھے اور تورات کے نسخے عبرانی زبان میں تھے۔

اوّلین ترجمہ سورۃ فاتحہ: بقول ڈاکٹر حمید اللہ حیدرآبادی امام سرخسی المبسوط ج ۱ صہ ۳۷ پر لکھتے ہیں کہ چند نو مسلم ایرانیوں کی خواہش پر سورہ فاتحہ کا فارسی ترجمہ انھیں لکھ بھیجا تھا۔ فقیہ تاج الشریعہ کی تصریح یہ ہے کہ انھوں نے تسمیہ کا ترجمہ بنام یزداں بخشاوندہ کیا تھا اور ترجمہ رسول پاکؐ کو دکھایا تھا جو انھوں نے ناپسند نہیں فرمایا۔[2]

---

[2]:- ECYCLOPAEDIA OF ISLAM P 501

[1]:- ماہنامہ فاران کراچی ستمبر ۱۹۷۰ء

باب سوم

اسوۂ سلمانؓ

(سیرت و کردار)

۱۔ عشقِ الٰہی

عرفانِ حق اور خداشناسی کی خاطر حضرت سلمان فارسیؓ نے جس قدر جدوجہد کی اور اس راہ میں جس قدر صعوبتیں برداشت کیں شاید ہی کسی نے برداشت کی ہوں۔ کائنات پر غور و فکر کے بعد جب انھیں یہ احساس ہوا کہ خالق کائنات اور مدبر ارض و سماوات اور صرف ایک ہو سکتا ہے۔

ع

وَفِی کُلِّ شَیْءٍ لَہٗ آیَۃٌ

تَدُلُّ عَلٰی اَنَّہٗ وَاحِدٌ

ترجمہ: اور ہر چیز میں ذاتِ حق کے لئے نشانی موجود ہے اور وہ نشانی یہ رہنمائی کرتی ہے کہ بے شک خدا ایک ہے۔

حضرت سلمانؓ کے آبائی مذہب مجوسیت میں دو بلکہ کئی خداؤں کا تصور تھا۔ ان کے نزدیک آگ مظہرِ الوہیت تھی اور معبود سمجھی جاتی تھی اسی طرح ابلق گھوڑے ان لوگوں کے ہاں لائق پرستش تھے۔ موحدِ صادق حضرت سلمانؓ نے اپنے علم و بصیرت کی روشنی میں مجوسیت کو ترک کر دینا ضروری سمجھا کیونکہ یہ مذہب سراسر شرک پر مبنی تھا اور

موحد ابراہیمی حضرت زید بن نفیل کے ہم زبان ہو گئے۔

أربًا واحدًا أم ألف ربٍ أدينُ إذا تقسمت الأمورُ

تركتُ اللات والعزىٰ جميعًا كذلكَ يفعل الرجل البصيرُ

ترجمہ: کیا ایک رب یا ہزاروں رب، وہ مذہب ہی کیا ہوا کہ جب معاملات کئی خداؤں میں بانٹ دیئے گئے۔

لہٰذا میں نے لات، عزیٰ غرضیکہ سب خداؤں کو چھوڑ دیا اور اسی طرح ایک سمجھدار آدمی کیا کرتا ہے۔

مجوسیت ترک کر کے عیسائیت کی طرف راغب ہوئے۔ عیسائیت اُس دور کا سچا الہامی مذہب تھا۔ یہ عیسائیت جو انھوں نے اختیار کی وہ تثلیث اور کفارے والی عیسائیت ہرگز نہ تھی بلکہ توحید پر مبنی اسلام ہی کی ایک شکل تھی تلاش حق میں نکلے تو نہ تو وطن کی محبت آڑے آئی اور نہ خون کے مقدس رشتے راہ کو روک سکے۔ گویا وہ تبتل الیہ تبتیلا کی عملی تفسیر بن کر نکلے۔ خدا جانے کتنے ماہ و سال وہ اسی تلاش میں مارے مارے پھرتے رہے۔ قریہ بہ قریہ، کو بہ کو، شہر بہ شہر، آبلہ پائی ان کے لئے اب سامان راحت تھی اور بزرگوں کی خدمت وجۂ سعادت۔ طوق غلامی اس مقصد کے لئے پہننا پڑا تو بڑی خندہ پیشانی سے پہن لیا۔ آرزو تھی تو بس یہی آرزو تھی کہ خدا کی صحیح معرفت حاصل ہو جائے اور اس کے محبوب کی زیارت میسر آئے پیغمبر آخر الزمان ؑ کی اتباع کر کے عشق الٰہی کے مزے لوٹ سکیں۔ برسوں کی تگ و دو کے بعد بالآخر کامیابی نے ان کے قدم چومے اور گوہر مقصود انھیں حاصل ہوا۔ منزلِ مراد پر پہنچے کے بعد حضرت سلمان ؓ نے اپنی پوری زندگی عشق الٰہی کی سرمستی میں گزار دی۔ زندگی بھر وہ مرضاتِ الٰہی کے حصول کے لئے مصروف عمل رہے۔ ان کی تمام تر توانائیاں خدائے واحد کی خوشنودی کیلئے وقف تھیں۔ وہ اسی کے لئے جیتے تھے اور اسی کے لئے مرتے تھے تسلیم و رضا ان کی جان حزیں کے لئے ہمیشہ سرمایۂ

تسکین رہی اور للہیت اُن کی زندگی کو کیف و سرور بخشتی رہی۔

میری مرضی ہوئی جب سے تری مرضی میں گم

بندگی میں ملے، ہم کو خدائی کے مزے (مولانا جوہر)

بلاشبہ حضرت سلمانؓ کا زہد فی الدنیا، فکرِ آخرت، خدا کی پسندیدہ ہستیوں سے بے پناہ محبت وعقیدت اور مخلوقِ خدا کے لئے بے انتہا شفقت و رافت اسی عشقِ الٰہی کا کرشمہ تھا۔

مبارک ہیں وہ لوگ جن کے قدم جادۂ حق کے لئے اٹھتے ہیں، جو زندہ رہتے ہیں تو رضائے رب کے لئے اور مرتے ہیں تو لقائے رب کے لئے، جن کی زندگی محبتِ الٰہی کی سرمستی میں بسر ہوتی ہے اور جو زبانِ حال سے کہہ رہے ہوتے ہیں ؎

مقصودِ من بندہ ز کونین توئی

از بہرِ تو میرم ز برائے تو زیم

۲۔ عشقِ رسولؐ

عشقِ رسولؐ حضرت سلمانؓ کی کتابِ حیات کا عنوان جلی ہے۔ جب وہ تلاشِ حق میں سرگرداں تھے تو علمائے نصاریٰ نے پیغمبر آخر الزماںؐ کے بارے میں انہیں بہت کچھ بتایا تھا کیونکہ قدیم الہامی کتابیں تحریف کے باوجود آنحضور ختمی المرتبتؐ کی صفت و ثنا اور ذکرِ جمیل سے خالی نہ تھیں۔ تعریف سنتے ہی حضرت سلمانؓ کا دل محبوبِ خدا کی محبت کا اسیر ہو گیا ؎

اتانی ھواھا قبل ان اعرف الھوی

فصادف قلبا خالیاً فتمکنا

ترجمہ: محبوبِ خدا کی محبت میرے پاس آئی حالانکہ اس وقت میں محبت اور محبوب سے آشنا تک نہیں تھا۔ محبت نے میرے دل کو خالی پایا پس وہ وہاں

جاگزیں ہوگئی۔

حضرت سلمانؓ اس وقت ارضِ روم میں تھے اور وہاں سے دیارِ حبیبؐ کوسوں دور تھا، راستہ پرخطر اور مشکلات سدِ راہ تھیں۔ محبوب تک پہنچا جائے تو کیسے؟

کیف الوصول الی سُعاد ودونها　　　قِللُ الجبال ودونهنّ حتوف

الرجل حافیة ومالی مرکبٌ　　　والکف صفرٌ والطریق مخوف

ترجمہ: اپنی محبوبہ سعاد تک کیسے پہنچا جائے کیونکہ اس سے پہلے پہاڑوں کی چوٹیاں اور ہلاکتیں ہیں۔ جبکہ اپنے پاؤں ننگے ہیں، سواری پاس نہیں، ہاتھ خالی ہے اور راستہ خوفناک ہے۔

حضرت سلمانؓ کا جذبہ صادق تھا اور شوق فراواں تھا اس لئے غلامی در غلامی کے مصائب برداشت کرتے کرتے وہ یثرب پہنچ ہی گئے پیغمبرِ خدا کی آمد کی اطلاع ملی تو وہ کھجور پر چڑھے کام میں مصروف تھے۔ وارفتگیٔ شوق میں یارائے ضبط نہ رہا قریب تھا کہ گر پڑتے۔ بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا تو ایسے والہانہ انداز میں مہرِ نبوت کو بوسے دیئے کہ لوگ اس سعادت اور محبت پر رشک کرنے لگے۔

غلامی سے آزاد ہونے کے بعد ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنے محبوب پیغمبر کی غلامی اختیار کرلی اور مولی الرسول (رسول کا غلام) کہلانا اپنے لئے ہمیشہ باعث فخر سمجھا۔ جب کوئی انہیں اس نسبت سے یاد کرتا تو بے حد خوش ہوا کرتے۔

لا تدعنی الّا بیا عبدها

فانّهٗ اشرف اسمائی

ترجمہ: مجھے اے اس محبوب کے غلام! کے سوا اور کسی نام سے مت پکارو کیونکہ میرا یہی نام سب سے عزت والا نام ہے۔

قبول اسلام اور آزادی کے بعد حضرت سلمانؓ چاہتے تو مدینہ منورہ میں الگ مکان

میں رہائش پذیر ہو سکتے تھے۔ اور اگر ایران اپنے وطن جانا پسند کرتے تو ایسا کرنا بھی ممکن تھا لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا اور اپنے محبوب جن پر وہ دل وجاں سے فدا تھے سے تھوڑا سا دور ہونا بھی گوارا نہیں کیا ہمیشہ درِ رسول پر پڑے رہے اور جلوۂ محبوب سے فیضیاب ہوتے رہے۔

؎ تیرے سوا کوئی شائستۂ وفا بھی تو ہو
میں تیرے در سے جو اُٹھوں تو کس کے در جاؤں

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بھی اپنے اس پیارے صحابی سے حد درجہ محبت تھی اور اسی محبت کا نتیجہ تھا کہ انھوں نے حضرت سلمانؓ کو اپنے گھرانے کا ایک فرد قرار دے دیا۔

صحابہ کرام میں سے غالباً حِبِّ رسولؐ حضرت زیدؓ کے بعد حضرت سلمانؓ ہی واحد فرد ہیں جنھیں سب سے زیادہ رسول اللہ کا قرب حاصل تھا۔ رات کے وقت پہروں رسول پاکؐ اور ان کے درمیان راز و نیاز کی باتیں ہوتی رہتیں۔ اس وقت کسی اور شخص کو مخل ہونے کی جرات نہ ہو سکتی تھی۔ جب تک آقائے نامدار اس دنیائے ناپیدار میں رہے، ان کی خدمت گزاری حضرت سلمانؓ کا محبوب مشغلہ رہا۔ آخر صحبتِ شب تمام شُد۔ رسول پاکؐ دنیا سے رخصت ہو گئے۔ ؎

وَکان سراج الوصلِ ازھر بیننا
فَہبت بہٖ ریحٌ من البین فانطفی

ترجمہ: ہمارے درمیان وصل کا چراغ روشن تھا۔ پھر ہجر و فراق کی ایک ایسی ہوا چلی کہ یہ چراغ بجھ گیا۔

رحلتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے محبوب پیغمبر کے مشن کو جاری رکھنے اور تبلیغ اور جہاد کی خاطر مدینہ منورہ چھوڑنا پڑا۔

دیارِ یار سے نکلے تو بادیدہ تر نکلے۔ جہاں کہیں رہے مدینہ ان کے خوابوں کا محور رہا جب بھی موقع ملتا مزارِ رسولؐ پر آکر ضرور حاضری دیا کرتے۔ جب بھی آتے اپنی پلکوں پر لرزتے ہوئے آنسوؤں کی سوغات لے کر حاضر ہوتے۔

سہ جملۃ المقیم اشواقٌ نیظھرھا
دمعٌ علی صفحاتِ الخدِ ینحدر

ترجمہ: عاشق کی کل کائنات تو بس دردِ محبت ہے جس کی غمازی رخساروں پر بہتے ہوئے چند آنسو ہی کرتے ہیں۔

حضرت سلمانؓ کو پیارے رسولؐ کی پیاری پیاری ادائیں دنیا جہان کی ہر چیز سے زیادہ عزیز تھیں چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد ایک ایک کر کے انھیں یاد کرتے رہتے تھے۔ حسین یادوں کے انمٹ نقوش ان کے ذہن کے دریچوں سے جھانکنے لگتے اور وہ بے اختیار تفہیم مسائل کی خاطر وہ پیرایۂ بیان اختیار کر لیتے جو حضور انورؐ نے اختیار فرمایا تھا۔ ابو عثمان النہدیؒ کہتے ہیں کہ ایک روز میں حضرت سلمانؓ کے ساتھ ایک درخت کے نیچے تھا۔ وہ اچانک اس درخت کی ایک ٹہنی پکڑ کر اسے ہلانے لگے اور ایسا کرنے سے اس کے سارے پتے جھڑ گئے پھر مجھ سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے اے ابو عثمان! تم نے مجھ سے یہ تو نہ پوچھا کہ میں نے ایسا کیوں کیا ہے؟ میں نے عرض کیا حضرت! آپ خود ہی بتا دیجئے۔ ارشاد فرمایا کہ میں بھی ایک دفعہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ ایک درخت کے نیچے تھا۔ آنحضرتؐ نے بھی اس کی خشک ٹہنی پکڑ کر اسی طرح کیا تھا جس سے ٹہنی کے پتے جھڑ گئے تھے پھر حضورؐ نے فرمایا تھا کہ اے سلمان! پوچھتے کیوں نہیں کہ میں نے اس طرح کیوں کیا ہے۔ میں نے عرض کیا تھا کہ حضور بتا دیجئے کہ آپ نے ایسا کیوں کیا۔ آنحضرتؐ نے جواب میں فرمایا تھا کہ جب کوئی مسلمان اچھی طرح سے وضو کرتا ہے اور پانچوں نمازیں خوب ادا کرتا ہے تو اس کی خطائیں اس سے ایسے

ہی جھڑ جاتی ہیں جیسے کہ یہ پتے جھڑ گئے ہیں۔ پھر آنحضرتؐ نے قرآن پاک کی سورہ ہود کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ ۭ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ ۭ ذٰلِكَ ذِكْرٰی لِلذّٰكِرِیْنَ ۔ ۱۱/۱۱۴

(اور دن کے دونوں سروں میں اور رات کے کچھ حصوں میں نماز قائم کیجئے۔ بے شک نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔ یہ نصیحت ہے نصیحت ماننے والوں کے لئے۔)[۱]

حضرت سلمانؓ جب اتباعِ سنت میں رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئے تو شادی کی تقریب میں جہاں کہیں کوئی ایسی بات نظر آتی کہ جو شریعت محمدیہ کے مزاج سے مطابقت نہ رکھتی ہو تو فوراً ایسا کرنے سے روک دیتے اور اپنے محبوب پیغمبر کے ارشادات سناتے۔ بار بار اپنے پیارے پیغمبر کی پیاری پیاری باتیں بڑے پیار بھرے لہجے میں بیان فرماتے رہے کبھی فرماتے امرنی خلیلی ابو القاسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (مجھے میرے دوست ابو القاسمؐ نے یہ حکم دیا تھا) کبھی کہتے ما بھذا اوصانی خلیلی (میرے محبوب نے مجھے اس بات کی تو نصیحت نہیں فرمائی تھی) اور کسی وقت ان کی زبان پر یہ الفاظ اوصانی خلیلی (میرے خلیل نے مجھے یہ نصیحت فرمائی تھی) آجاتے اور پھر فرمانِ رسول کو بیان فرما دیتے۔

پیغمبر خدا نے حضرت سلمانؓ کو زہد اختیار کرنے کی وصیت فرمائی تھی اور فرمایا تھا کہ تمھارا سامانِ زیست مسافر سوار کے زادِ راہ سے زیادہ نہیں ہونا چاہئے چنانچہ انھوں نے اس نصیحت پر حرف بہ حرف عمل کیا اور پوری زندگی فقرِ محمدیؐ میں بسر کر دی۔ گھر کا اثاثہ مختصر رکھا اس کے باوجود جب دنیا سے رخصتِ سفر باندھنے کا وقت ہوا اور گھر کی چند

۱؎ مسند احمد ج ۵ ص ۴۳۷، کنز العمال ج ۴ ص ۷۰

چیزوں پر نگاہ پڑتی تو بے چین ہو جاتے۔ یہ بے چینی نگاہِ پیغمبر میں شرمسار ہونے کے اندیشے کے پیشِ نظر تھی حالانکہ ان کے دامن میں ان کے ایمان و عمل کا ایک نہایت شاندار ماضی ان کے اشک دنوں کی آب و تاب کے ساتھ جگمگا رہا تھا پھر بھی بار بار اشکبار ہوتے تھے اور کہتے تھے افسوس اپنے محبوب سے کئے ہوئے وعدے کو پورا نہیں کر سکا۔

گھر میں یہ سامان کیا، جمع کیا کالے کالے ناگ پال لئے۔

اسی طرح روتے روتے، اپنے محبوب کی باتیں کرتے کرتے اور عشق رسول کی ادائیں دکھاتے دکھاتے اپنے محبوب سے جا ملے۔ وہی محبوب جس کے فراق اور جدائی میں وہ ہمیشہ دل گرفتہ اور اشکبار رہے تھے۔

خود فرمایا کرتے تھے کہ مجھے جو باتیں رلاتی ہیں ان میں سے ایک پیغمبر خدا اور ان کے عزیز ساتھیوں کی دنیا سے جدائی ہے۔

ع   خدا رحمت کند بر عاشقانِ پاک طینت را

بنظرِ غائر دیکھا جائے تو حضرت سلمانؓ کی حیات و ممات اور سیرت و کردار کا ایک ایک پہلو رضائے الٰہی اور عشقِ رسولؐ کی نشاندہی کرتا دکھائی دیتا ہے۔ ان کی سیرت کے جو نمایاں پہلو اگلے صفحات میں بیان کئے جا رہے ہیں درحقیقت وہ اسی جذبۂ عشقِ خدا و رسول کی نمود ہے۔

ع   وکل الی ذالک الجمال یشیر

۳۔ محبتِ اہلبیت

فرمانِ رسالتؐ کے مطابق رسول پاکؐ کی ذات اہل ایمان کے لئے اپنے والدین اولاد اور تمام عزیز انسانوں سے بڑھ کر عزیز ہونی چاہیئے یہی ایمان کا تقاضا ہے۔ ذات نبویؐ سے شیفتگی کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ رسول کے عزیز و اقارب، اہل و عیال، آل و اولاد

اور ان کے رشتہ داروں اور قرابت داروں سے بھی محبت و عقیدت ہو۔ مودتِ اہلبیت منشاء قدرت، رضائے رسولؐ، علامت ایمان اور وسیلۂ نجات ہے۔ خوش نصیب ہے وہ شخص جو اہلبیتِ رسولؐ کا والہ و شیدا ہے اور بدبخت ہے وہ کہ جس کا دل ان نفوسِ قدسیہ کی محبت سے خالی ہے لیکن یاد رہے کہ دو گروہ اس بارے میں افراط و تفریط کا شکار ہو کر ہلاک ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ لوگ مثلاً نصیری اور علی اللہیان جنھوں نے عقیدت میں اس قدر غلو سے کام لیا کہ اہلبیت کو خدا بنا ڈالا۔ چنانچہ وہ لوگ حضرت علیؓ حضرت فاطمہؓ اور حضرت سلمانؓ کو اقنوم ثلاثہ کا درجہ دیتے ہیں۔ دوسرا گروہ خوارج اور نواصب کا ہے کہ جس نے اہلبیت سے عداوت کو اپنا شعار بنا لیا۔

حضرت سلمانؓ خود اہلبیت کے ایک فرد تھے اور دوسرے افرادِ اہلبیت سے بڑی محبت اور عقیدت کے ساتھ پیش آیا کرتے تھے اور اہلبیت کی خدمت کو اپنی سعادت سمجھتے تھے۔ خاندانِ نبوت کے فضائل کے باب میں حضرت سلمانؓ سے کئی احادیثِ رسولؐ مروی ہیں۔ مثلاً امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کی شان میں یہ حدیث بڑی مشہور ہے عنوان صحیفۃِ المومنِ حُبُّ عَلِیِّ ابن ابی طالبؑ (مومن کی کتاب حیات کا عنوان علی ابن ابی طالبؑ کی محبت ہے)

حضرت سلمانؓ جب تک مدینۃ الرسولؐ میں رہے اہل بیت کے ساتھ مقیم رہے ان کے لئے سراپا نیاز بن کر رہے اور جب کوفہ و مدائن میں جا بسے تو بھی محبت و عقیدت میں کوئی کمی نہ آنے پائی اور نہ رشتۂ اخلاص ذرا برابر کمزور پڑا بلکہ مودتِ اہل بیت ہمیشہ اور ہر جگہ ان کے لئے وجہِ نشاطِ روح بنتی رہی ؎

کَانَ الْحُبُّ دَائِرَۃٌ بِقَلْبِیْ
فَأَوَّلُہٗ وَاٰخِرُہٗ سَوَاءٌ

---

[۱] کنز العمال ج ۶ ص ۱۵۲

Marfat.com

ترجمہ: محبت میرے دل میں دائرے کی صورت میں رہی پس اس کا اول اور اس کا آخر برابر ہے۔

۴۔ حبِ صحابہؓ

جو بزرگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رفاقت سے برکت اندوز ہوئے وہ اہلِ ایمان کے لئے یقیناً واجب صد احترام ہیں۔ شرفِ صحابیت ایک نعمتِ عظمیٰ اور موہبتِ کبریٰ ہے۔ مبداءِ فیض نے اپنی نگاہِ انتخاب کے مطابق جماعتِ صحابہ کو بطور خاص اس خاص زمانے میں جو خیر القرون تھا پیدا کیا اور ان صحابہؓ میں وہ خاص استعداد رکھی کہ پیغمبر آخر الزمانؐ کے مخاطب اولیں بن سکیں۔ صحابہ کرامؓ کا مقام اتنا بلند ہے کہ کوئی بڑا سے بڑا ولی بھی ان کی گرد راہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ ولایت کی جہاں پر انتہا ہے وہاں سے صحابیت کی بلاشبہ ابتدا ہے۔ فرمانِ رسالتؐ کے مطابق صحابہؓ نے مُد برابر جو اگر راہِ خدا میں خرچ کئے ہیں بعد میں آنے والے لوگ احد پہاڑ کے برابر سونا بھی خرچ کردیں تو بھی صحابہؓ کے اس صدقے کے برابر نہیں ہو سکتے یقیناً ان سابقین ایمان سے عقیدت و محبت جزوِ ایمان ہے اور ان سے بغض موجبِ خسران ہے۔

حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ نے اپنے مکتوبات شریف میں حضرت شبلی علیہ الرحمۃ کا یہ قول بار بار نقل فرمایا ہے کہ انھوں نے فرمایا مَا اٰمَنَ بِرَسُوْلٍ مَنْ لَمْ یُوَقِّرْ اَصْحَابَہٗ یعنی جو شخص اصحابِ رسولؐ کی عزت و احترام نہیں کرتا وہ شخص در حقیقت رسول اللہؐ پر ایمان ہی نہیں لایا۔

ان پیکرانِ مہر و وفا کی فضیلت پر بلاشبہ خدا اور اس کے رسولؐ شاہد ہیں اور ان کی بلندی مرتبہ پر ماہ و پرویں گواہ ہیں۔ ان کی آنکھیں رخ انور کی زیارت سے منورّ، ان کے کان پیغمبر کی رس گھولنے والی باتوں سے لطف اندوز، ان کی زبانیں سید الانبیاؐ سے ہمکلامی سے مشرف اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان کے دل حُبِّ نبی سے پُر تھے۔

بقولِ حضرت حسان بن ثابت ؓ ؎

یَکْفِیْ بِنَا فَضْلاً عَلٰی مَنْ غَیْرُنَا
حُبُّ النَّبِیِّ مُحَمَّدٍ اِیَّانَا

ترجمہ: ہم صحابہ کے لئے دوسروں پر یہی فضیلت اہلِ کافی ہے کہ ہمارے دل نبی کریمؐ کی محبت سے پُر ہیں۔

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ساتھی صحابیوں کو دل وجان سے چاہتے تھے اور وہ مہاجر ہوں یا انصار سب کا برابر اکرام واحترام کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ سب صحابہ میں یکساں مقبول تھے۔ ان کی ہر دلعزیزی کا اندازہ خندق کی کھدائی کے موقع پر مہاجرین وانصار کے اس مطالبے سے بخوبی ہوسکتا ہے کہ ہر گروہ کی دل کی گہرائی سے خواہش اور تمنا یہی تھی کہ وہ ان کے ساتھ ہوں۔ حضرت سلمانؓ کو جب کبھی کسی ساتھی صحابی سے ملنے کا اتفاق ہوتا تو دیر تک بیٹھے اپنے محبوب پیغمبرؐ کی باتیں کیا کرتے اور اس ساتھی کی بڑی عزت وتکریم کرتے۔

ع خورسندم کہ تو بوئے کسے داری

آپؓ کی انتہائی آرزو یہی تھی کہ صحابہؓ باہم شیر وشکر رہیں اور اختلافات سے بچیں۔ وہ ہمیشہ ایسی باتوں کی حوصلہ شکنی کیا کرتے تھے جن سے صحابہ کرام میں رنجش پیدا ہو یا لوگوں میں سے ان بزرگوں کے بارے میں کسی بد طینت کو حرف گیری کا موقعہ ہاتھ آئے۔ یقیناً ایسی باتوں کو ہوا دینا قطعاً مناسب نہیں جن سے غلط فہمیاں پیدا ہوں کیونکہ غلط فہمیاں جتنی بڑھیں گی دکھ کے سائے اتنے ہی گہرے ہوتے جائیں گے اور اختلاف وافتراق کی خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی جائے گی۔

عمرو بن ابی قرہؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت حذیفہ بن الیمانؓ مدائن میں لوگوں سے بعض صحابہ کے بارے میں کچھ ایسی باتیں کہہ دیتے تھے کہ جو حضور انورؐ نے غصے میں ان لوگوں کے متعلق کبھی کہہ دی تھیں حالانکہ آنحضرتؐ بعد میں ان سے خوش رہے تھے۔ لوگ حضرت سلمانؓ

کے پاس آکر ان باتوں کی تصدیق چاہتے تو آپ انھیں ٹال دیتے اور فرماتے بھائی حذیفہ جو کچھ کہتے ہیں وہی بہتر جانتے ہیں۔ لوگ حضرت حذیفہؓ کے پاس جاکر صورت حالات بیان کرتے کہ حضرت سلمانؓ آپ کی نہ تو تصدیق کرتے ہیں اور نہ تکذیب۔ حضرت حذیفہؓ یہ سن کر حضرت سلمانؓ کے ہاں تشریف لائے اور وضاحت چاہی تو حضرت سلمانؓ نے فرمایا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بعض اوقات غصے میں آجاتے تھے اور اس حالت میں وقتی طور پر بعض صحابیوں کے خلاف کچھ فرمادیا کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی تمھیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ آپؐ نے یہ بھی تو فرمایا ہے کہ میں بھی اولادِ آدم میں سے ہوں، تمھاری طرح بتقاضائے بشریت مجھے بھی غصّہ آجاتا ہے لیکن یہ یاد رکھو کہ بے شک میں رحمت للعالمین بنا کر بھیجا گیا ہوں، میری ایسی سخت و سست کہنے والی باتیں بھی روزِ محشر تمھارے حق میں نافع ثابت ہوں گی۔ اس کے ساتھ ہی حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انھیں نصیحت کی کہ ایسی باتیں دوسروں کو سنانے سے اختلاف و افتراق پیدا ہوسکتا ہے جو پسندیدہ بات ہرگز نہیں۔ بہتر یہی ہے کہ آپ ایسی باتیں کرنے سے اجتناب کیا کریں ورنہ مجبوراً مجھے یہ بات امیر المومنین عمرؓ کو ضرور لکھنی پڑے گی۔[1]

حضور سرورِ کائنات محاورہ عرب کے مطابق بعض اوقات صحابہ کرام کو سمجھاتے وقت رغم انفک (تیری ناک خاک آلودہ ہو) ثَكِلَتْكَ اُمُّكَ (تیری ماں تجھے کھوئے) کے جملے ادا کر دیا کرتے تھے۔ یہ محض وقتی ناپسندیدگی کا اظہار ہوتا تھا اور ایسے جملے بطور بددعا ہرگز نہ تھے۔ سراپا رحمت پیغمبر اپنے ساتھیوں کو حقیقتاً بددعا دے ہی کیسے سکتے تھے وہ تو پتھر کھا کر بھی دعائیں دینے کے عادی تھے۔

---

[1] سنن ابی داود ج ۲ ص ۱۶۸ ملخصاً

۔ رہبانیت سے اجتناب

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اگرچہ عیسائیت قبول کرنے کے بعد عمرعزیز کا خاصہ حصہ راہبوں کے درمیان گزارا تھا لیکن اس کے باوجود قبولِ اسلام کے بعد انھوں نے رہبانیت سے یکسر گریز کیا اور معاشرے کے اندر رہ کر خدمتِ خلق میں مصروف رہے۔ سنتِ نبویؐ پر عمل کرتے ہوئے شادی کی اور خوشگوار ازدواجی زندگی گزاری۔ زہد اختیار کیا اور ذکر الٰہی کی مجلسوں میں بھی شریک رہے لیکن علائق دنیا سے قطع تعلق کرنا بھی گوارا نہیں کیا۔ بلاشبہ یہی تقاضائے فطرت ہے اور یہی اسلام کی عادلانہ روش۔ حضرت سلمانؓ عبادت کے صحیح مفہوم سے آشنا تھے اور اسی پر کاربند تھے۔ اسلام کے نزدیک عبادات ظاہرہ کے علاوہ انسان کی پوری زندگی بھی عبادت بن سکتی ہے۔ اگر وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکامات کے تحت بسر کی جائے۔ یہاں تک کہ کھانا پینا، سونا، جاگنا، بیوی کے پاس جانا، بچوں کا خیال رکھنا، روزی کمانا اور لوگوں کے کام آنا سب کچھ عبادت کے دائرے میں داخل ہے جب کہ دوسرے مذاہب میں محض پوجا پاٹ کا نام ہی عبادت ہے خدا صرف اس کے حقوق ادا کر دینے اور عباداتِ ظاہرہ سرانجام دے دینے سے خوش نہیں ہوجاتا بلکہ اس کا مطالبہ تو یہ ہے کہ اس کے بندوں کے حقوق بھی پوری طرح ادا کئے جائیں اور خدمتِ خلق کو اپنا شعار بنایا جائے۔ حضرت سلمانؓ اپنے علم و یقین کی بدولت عبادت کے اس وسیع مفہوم سے پوری طرح باخبر تھے چنانچہ انھوں نے جب اپنے مواخاتی بھائی ابوالدرداءؓ کو رہبانی اثرات قبول کرتے دیکھا تو انھوں نے ایسا کرنے سے روک دیا اور فرمایا:

یا ابا الدرداء اِنّ لِربّکَ علیکَ حقًا ولاھلکَ علیکَ حقًا و لِجَسدِکَ علیکَ حقًا اعطِ کل ذی حقٍ حقہٗ صُم وافطر وَقُم و نَم

واٰتِ اھلک۔

(اے ابوالدرداءؓ بے شک تیرے رب کا تجھ پر حق ہے اسی طرح تیرے اپنے جسم کا بھی تجھ پر حق ہے پس تم ہر حق دار کا حق ادا کیا کرو۔ نفلی روزہ بھی رکھو اور بغیر روزے کے بھی رہو، رات کو قیام بھی کرو اور سویا بھی کرو اور اپنی بیوی کے پاس بھی جایا کرو)

رسول اکرمؐ نے بھی سارا واقعہ سن کر حضرت سلمانؓ کی تائید فرمائی تھی اور حضرت سلمانؓ والے الفاظ دہرائے تھے۔ ملاحظہ ہو[1]

حضرت سلمانؓ کا نقطہ نظر یہ تھا کہ فرائض و واجبات پورے آداب اور خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کئے جائیں اور نوافل اور زائد عبادات جس قدر آسانی اور سہولت سے ممکن ہوں ادا کر لی جائیں۔ ان زائد عبادات میں پیش نظر محض کثرت نہیں ہونی چاہئے بلکہ میانہ روی اختیار کی جائے اور اس پر مداومت اور مواظبت اختیار کی جائے۔ ان کا اپنا دستور العمل ہمیشہ یہی رہا کہ نوافل میں اعتدال سے کام لیا جائے اور زندگی کسبِ حلال اور خدمتِ خلق میں بسر کی جائے چنانچہ بعض اوقات جب کسی ایسے شخص کو جو اپنی خام خیالی میں کثرتِ نوافل کو بزرگی کا معیار سمجھتا ہو حضرت سلمانؓ کی عباداتِ ظاہرہ اور نوافل دیکھنے کا اتفاق ہوتا تو اُسے بڑی مایوسی ہوتی تھی۔

طارق بن شہابؒ کہتے ہیں کہ میں نے ایک رات حضرت سلمانؓ کے ہاں گزاری اور میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ آپ عباداتِ نافلہ میں کس قدر کد و کاوش سے کام لیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت سلمانؓ رات کے آخری حصے میں کھڑے ہوئے اور نوافل پڑھنے لگے۔ طارق کا بیان ہے کہ انھیں وہ کثرتِ عبادات ہرگز دکھائی نہ دی جو ان کے اپنے

---

[1]: سنن دارقطنی ج ۱ ص ۲۳۶، حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۸۸

گمان میں تھی چنانچہ انھوں نے اس بات کا تذکرہ حضرت سلمانؓ سے بھی کر دیا۔ یہ سن کر حضرت سلمانؓ نے فرمایا:

حافظوا علی ھذہ الصلوات الخمس فانھن کفارات لھذہ الجراحات ما لم تصب المقتلۃ یعنی الکبائر

(اپنی ان پانچ فرض نمازوں کا اچھی طرح خیال رکھا کرو اور انھیں پورے آداب کے ساتھ ادا کیا کرو کیونکہ وہ چھوٹی چھوٹی خطاؤں کا کفارہ ہیں بشرطیکہ تم سے گناہ کبیرہ سرزد نہ ہوں) پھر فرمایا کہ جب لوگ نماز عشاء ادا کر لیتے ہیں تو وہ تین درجوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ ایک گروہ تو وہ ہے کہ ان کے لئے گناہ ہے ثواب نہیں۔ دوسرا گروہ وہ ہے کہ وہ ثواب کے مستحق ہیں اور گناہ سے بھی محفوظ۔ جب کہ تیسرا گروہ ایسا ہے کہ ان پر نہ گناہ ہے اور نہ ثواب۔ پہلے گروہ میں لوگ شامل ہیں جنھوں نے ظلمتِ شب اور لوگوں کی غفلت سے فائدہ اٹھایا۔ اور گناہوں میں لگ گئے۔ دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جنھوں نے ظلمتِ شب اور لوگوں کے غافل ہونے کو غنیمت سمجھ کر رات کو قیام کر لیا اور نوافل پڑھ لیے جب کہ تیسرا گروہ ان افراد پر مشتمل ہے کہ جنھوں نے نماز عشاء ادا کی اور پھر سو گئے۔ ایسے لوگ نہ گناہ گار ہوئے اور نہ ثوابِ زائد کے مستحق۔ اس کے بعد نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: ایاک والحقحقۃ وعلیک بالقصد والدوام (تم افراط و تفریط سے بچا کرو اور اپنے اوپر عباداتِ نافلہ میں میانہ روی اور دوام کو لازم سمجھو)[1]

یہ بات عام مشاہدے میں آئی ہے کہ بعض لوگ نفلی نماز روزوں اور حجوں میں بڑی مستعدی دکھاتے ہیں اور اس میں بڑے اہتمام سے کام لیتے ہیں لیکن حقوق العباد اور خدمتِ خلق کے پہلوؤں سے پہلوتہی کر جاتے ہیں، پڑوس میں کوئی بیمار ہو، کوئی بھوکا پیاسا پڑا ہوا

---

[1]: حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۸۹ - ۱۹۰

ہو انھیں کوئی پروا نہیں ہوتی حالانکہ غریبوں سے غمخواری اور مسکینوں کی دلداری نفلی نماز روزے اور نفلی حج سے بدرجہا بہتر عبادت ہے۔

ع دل بدست آر کہ حج اکبر است

۶۔ اتباعِ سنت

نیکی کے کاموں میں سے صرف وہ کام حقیقی معنوں میں نیکی اور عبادت قرار پاتا ہے کہ جو رسول اللہؐ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق سرانجام دیا جائے۔ اگر اس روشن روش سے ہٹ کر کوئی کام خواہ نماز ہو یا روزہ ہو عمل میں لایا جائے تو وہ خدا کے ہاں ہرگز قابلِ قبول نہیں۔ اتباعِ سنت ہی میں مومن کی فلاح و نجات ہے اور روحانی ترقی کے لئے یہی واحد ذریعہ ہے۔ یہی سرچشمہ ہدایت ہے اور باقی سب سراسر ضلالت ہے۔

ے محال است سعدی کہ راہ صفا
تواں رفت جز در پئے مصطفےؐ (سعدیؒ)

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ عاشق رسولؐ تھے اور عشق کا اولین تقاضا یہی تھا کہ پیروئ رسولؐ کی جائے اور اتباعِ سنت کی پوری پوری کوشش کی جائے۔ چنانچہ دیگر صحابہ کرامؓ کی طرح وہ بھی اتباعِ سنت میں ہمیشہ دل و جاں سے سرگرمِ عمل رہے اور اس جادۂ حق سے کبھی سرمو انحراف نہیں کیا۔ ہونا بھی یہی چاہئے تھا کیونکہ

ع اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ یُّحِبُّ مُطِیْعٌ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سفر میں ہمیشہ نماز میں قصر فرمایا کرتے تھے اور اسے عطیہ خداوندی سمجھتے تھے۔ حضرت سلمانؓ کا بھی یہی معمول تھا۔ اگر کوئی امام پوری نماز پڑھا دے تو باقی رکعتیں بنگاہ فتویٰ میں نافلہ شمار ہو سکتی ہیں لیکن بادۂ سنت کے سرشار حضرت سلمانؓ کو ایسا کرنا بھی ناگوار گزرتا تھا۔ مندرجہ ذیل واقعہ اسی حقیقت کی نقاب کشائی کرتا ہے۔

ابولیلی الکندیؒ کہتے ہیں کہ ایک بار حضرت سلمانؓ مدینہ سے ترکِ سکونت کے بعد پھر بارہ تیرہ شہسواروں کے ساتھ واردِ مدینہ ہوئے۔ وہ سب شاہسوار اصحابِ رسولؐ میں سے تھے۔ جب نماز کا وقت ہوا تو انھوں نے حضرت سلمانؓ سے امامت کی درخواست کی۔ انھوں نے فرمایا ہم غیر عرب نہ تو آپ لوگوں کی امامت کریں گے اور نہ تمھاری عورتوں سے نکاح کی جرات کریں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمھارے ہی ذریعے سے ہدایت بخشی ہے۔ پس ان میں سے ایک شخص نے آگے بڑھ کر امامت کرائی اور انھوں نے پوری چار رکعت نماز پڑھا دی۔ جب انھوں نے سلام پھیرا تو حضرت سلمانؓ کہنے لگے ہمیں چار رکعت کی ضرورت تو نہ تھی ہمارے لئے تو اس کا نصف یعنی دو رکعت نماز قصر کافی تھا کیونکہ ہم رخصت پر عمل کرنے کے زیادہ حاجتمند ہیں [1]

خوشی کے موقعوں پر بالعموم لوگ اظہارِ مسرت کرتے وقت احکامِ شریعت کو نظر انداز کر جاتے ہیں لیکن حضرت سلمان کی شادی ہوئی تو انھوں نے رسومِ شادی کے ہر مرحلے پر اتباعِ شریعت کو ملحوظ رکھا۔ سامانِ جہیز کی کثرت دیکھی تو بجائے خوش ہونے کے ناگواری کا اظہار کیا، در و دیوار پر خوشنما پردے دیکھے تو ناپسند کئے۔ بیوی کے پاس پہنچے تو پہلا کام یہ کیا کہ دونوں نے مل کر نماز پڑھی۔ ان مواقع پر بار بار رسولِ پاکؐ کے ارشادات یاد کرتے رہے اور ان پر عمل کرتے رہے۔

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مزاج شناسِ پیغمبر تھے اور سنتِ نبوی کی تمام تر جزئیات سے پوری طرح باخبر تھے چنانچہ جب کبھی کسی صحابی سے عدمِ واقفیت کی بنا پر کچھ فروگزاشت ہو جاتی تو اسے ضرور متنبہ کر دیتے تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کسی خاص دن کا نفلی روزے کے لئے مخصوص کر لینا پسند خاطر نہ تھا۔ اتفاق سے کچھ عرصہ

---

[1] سنن بیہقی ج ۳ ص ۱۴۴، حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۸۹

کے لئے حضرت ابو الدرداءؓ نے جمعے کا روزہ رکھنا اپنا معمول بنا لیا۔ حضرت سلمانؓ کو پتہ چلا تو انھیں ایسا کرنے سے روک دیا۔

محمد بن سیرینؒ کی روایت ہے کہ حضرت سلمانؓ حضرت ابو الدرداءؓ کے ہاں بروز جمعہ تشریف لے گئے وہاں جا کر معلوم ہوا کہ وہ تو محوِ خواب ہیں۔ وجہ دریافت کی تو لوگوں نے بتایا کہ جب جمعہ کی رات آتی ہے تو وہ اس میں شب بیدار رہ کر نوافل ادا کرتے رہتے ہیں اور جمعے کے روز روزہ رکھ لیتے ہیں۔ آپ نے انھیں کھانا تیار کرنے کا حکم دیا پھر حضرت ابو الدرداءؓ کو بلا کر فرمایا بھائی جان! آیئے مل کر کھانا کھائیں۔ وہ کہنے لگے کہ میں تو روزے سے ہوں۔ حضرت سلمانؓ برابر اصرار کرتے رہے مجبور ہو کر انھوں نے کھانا کھا لیا۔ پھر دونوں بزرگ آنحضرتؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور دونوں نے اس بات کا تذکرہ آنحضرتؐ سے کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تین بار حضرت ابو الدرداءؓ کے زانو پر ہاتھ مار کر فرمایا اے عویمر! سلمان تم سے زیادہ عالم ہیں۔ مزید فرمایا تم راتوں میں سے جمعہ کی رات کو قیام و نوافل کے لئے اور دنوں میں سے جمعۃ المبارک کو روزہ رکھنے کیلئے مخصوص نہ کر لیا کرو۔[1]

۷۔ کتاب اللہ سے وابستگی

اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تلاوت، اس کے مفہوم سے آگاہی، اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا اور زندگی کے ہر شعبے میں اس سرچشمہ ہدایت سے رہنمائی حاصل کرنا ایک تقویٰ شعار مومن کا مطمحِ نظر اور منتہائے مقصود ہے۔ اپنے مالکِ حقیقی کے حضور جھکے ہوئے دل اسی سے دھڑکتے ہیں۔ اپنے محبوب کے اس پیغام دلنواز کو سن کر ان پر کیف و سرور

---

[1] طبقات ابن سعد، ج ۴ ص ۸۵

کی سرمستیاں چھا جاتی ہیں اور آنکھوں سے معرفت الٰہی میں بہے ہوئے آنسوؤں کی برسات جاری ہو جاتی ہے۔ بلاشبہ یہی آنسو گوہر ہائے تابدار سے بھی زیادہ گراں قدر ہیں۔ قرآن پاک مومن کی زندگی ہے اور اس کے بغیر اس کی زندگی کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔

گر تو می خواہی مسلمان زیستن
نیست ممکن جز بقرآں زیستن

تلاوتِ قرآن مردِ مومن کی شخصیت کو حسن و عظمت اور روح کو سوز و گداز عطا کرتی ہے۔ حضرت سلمانؓ اگرچہ عجمی تھے لیکن اس کے باوجود انھیں عربی زبان پر پوری طرح دسترس حاصل تھی اور قرآن کی صحتِ قرأت پر بھی انھیں مکمل عبور تھا۔ اس سلسلے میں انھوں نے بڑی محنت کی تھی اور وہ اپنے تلامذہ کو بھی قرآن صحت اور ترتیل کے ساتھ تلاوت کرنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔

رجا بن حیواۃ کی روایت ہے کہ انھوں نے اپنے اصحاب کو وصیت فرمائی تھی کہ نقل القرأت یعنی قرآن صحت کے ساتھ پڑھنے کے علوم حاصل کرتے ہوئے اگر جان دی جائے تو یہ موت قابلِ ستائش موت ہوگی۔ حضرت سلمانؓ کے نزدیک تلاوتِ قرآن صاحبِ حیثیت کے انفاق فی سبیل اللہ سے بڑھ کر اجر و ثواب والی عبادت ہے جیسا کہ ابوالبختریؒ کہتے ہیں کہ حضرت سلمانؓ نے فرمایا اگر کوئی شخص رات ایسی حالت میں بسر کرے کہ لوگوں کو سونا چاندی اور لونڈی غلام عطا کرتا ہو تو اس کی نسبت وہ شخص بہتر ہے کہ جو رات تلاوت قرآن اور ذکر الٰہی میں مشغول ہو کر گزارتا ہے۔[1]

حضرت سلمانؓ کو قرآن کا بیشتر حصہ حفظ اور پورا قرآن مستحضر تھا۔ جب کوئی مسئلہ پیش

---

[1] طبقات ابن سعد، ج ۴ صہ ۲۰۴

ہوتا تو وہ قرآن پاک سے استشہاد کیا کرتے تھے جیسا کہ اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ کسی شخص نے سب سے فضیلت والا عمل پوچھا تو انھوں نے ولذکر اللہ اکبر کی آیت تلاوت کر کے جواب دیا تھا۔ حضرت علی المرتضیٰ رض کے قول کے مطابق حضرت سلمان رض کو علم اوّل و آخر دیا گیا تھا یعنی وہ تورات زبور انجیل اور قرآن کے عالم تھے یہی وجہ ہے کہ کافی لوگ استفادہ علم کی خاطر ان کی طرف رجوع کیا کرتے تھے اور وہ مرجع عوام تھے۔ کتبِ احادیث میں ایسی روایات ملتی ہیں کہ حضرت سلمان رض پیشاب کر کے اور طہارت سے فارغ ہو کر آئے تو لوگ قرآنی مسائل پوچھنے کے لئے منتظر تھے اور وہ لوگ کہنے لگے کہ آپ وضو کر لیں کیونکہ ہم کچھ قرآنی مسائل پوچھنا چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا آپ لوگ پوچھیں، میں قرآن کو ہاتھ لگائے بغیر زبانی جواب دے دوں گا چنانچہ آپ نے قرآن کو چھوئے بغیر زبانی مسائل بیان کئے اور آیات کی تلاوت زبانی فرمائی[1]

حضرت سلمان رض وعظ و نصیحت کی خاطر لچھے دار تقریریں کرنے اور حسین الفاظ کی قوس و قزح بنانے سے پرہیز کیا کرتے تھے۔ ان کے نزدیک پند و نصیحت کے لئے اللہ کے کلام سے بڑھ کر اور کوئی کلام نہیں تھا۔ اس سلسلے میں وہ لوگوں کی پسند و ناپسند سے بلند ہو کر محض رضا الٰہی کو پیش نظر رکھتے تھے۔ قرات اور تلاوت کرتے وقت وہ آداب کا پورا پورا لحاظ رکھتے تھے اور یہ ہرگز نہیں کرتے تھے کہ کچھ آیتیں کسی سورت سے پڑھیں اور کچھ آیتیں کسی اور سورت سے۔

روایت ہے کہ لوگوں کو پتہ چلا کہ حضرت سلمان رض مدائن کی مسجد میں تشریف فرما ہیں تو لوگ جوق در جوق مسجد میں جمع ہو گئے یہاں تک کہ ان کی تعداد ہزار کے برابر ہو گئی۔ حضرت سلمان رض انھیں تشریف رکھنے کے لئے کہتے جاتے تھے۔ جب لوگ بیٹھ گئے تو

---

[1] سنن بیہقی ج ۱ ص ۸۸، سنن دارقطنی ج ۱ ص ۴۶

آپ نے سورہ یوسف کی تلاوت کرنی شروع کردی۔ لوگ ایک ایک کر کے کھسکنے لگے حتیٰ کہ سونے کے قریب رہ گئے۔ آپ ناراض ہوتے اور فرمانے لگے الزخرف من القول اردتم؟ یعنی تم یہ چاہتے تھے کہ کسی ایک سورۃ سے پڑھوں اور ایک کسی اور سے یا تمہیں بے سروپا قصے کہانیاں سناؤں؟[1]

۸۔ ذکرِ الٰہی سے موانست

تلاوتِ قرآن بذاتِ خود ذکرِ الٰہی ہے اس کے علاوہ متعدد اور کلماتِ ذکر ہیں جن سے ذاکرین کی زبانیں تر رہتی ہیں۔ ذکرِ محبت الٰہی اور درود شریف عشقِ رسول کا ذریعہ اظہار ہیں۔ ان کی کثرت یقیناً ازدیادِ محبت کا باعث ہے۔ بمصداق فمن احبّ شیئاً اکثر من ذکرہ۔

ذکرِ الٰہی سے دل کا زنگ دور ہو جاتا ہے اور وہ تجلیاتِ الٰہی کا مرکز بن جاتا ہے اور روح سے اس کی بدولت سکون و مسرت کی ایسی لہریں اٹھتی ہیں کہ جن سے افکار و آلام کا غبار یکسر ڈھل جاتا ہے۔

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (القرآن)

ترجمہ: اچھی طرح یاد رکھو کہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

حضرت سلمانؓ ان خاصانِ خدا میں سے تھے ذکرِ الٰہی جن کا وردِ زبان تھا اور ان کے دل کی گہرائیوں میں بھی خدا کی یاد بسی ہوئی تھی۔ وہ اٹھتے، بیٹھتے، گھر میں ہوتے یا تلاشِ معاش میں لگے ہوتے ہر حال میں یادِ خداوندی میں مصروف رہتے تھے اور چشم زدن کے لئے اپنے مالکِ حقیقی کی یاد سے غافل نہ ہوتے تھے۔

---

[1]:۔ طبقات ابن سعد، ج ۴ ص ۲۰۳

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک بار غریب صحابہ نے آکر یہ عرض کیا تھا کہ دولت مند اور اہل ثروت ہم سے نیکیوں میں سبقت لیتے جا رہے ہیں۔ نماز و روزہ میں تو ہم ان کے برابر ہیں لیکن مال کی بدولت وہ لوگ صدقہ و خیرات، حج اور جہاد میں ہم سے آگے نکل گئے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ سن کر فرمایا تھا کہ تم ذکرِ الٰہی کیا کرو ان کے برابر ہو جاؤ گے۔

بقول ایک عربی شاعر ؎

لا خیل عندک تھدیھا ولا مال

فلیسعد النطق ان لم یسعد الحال

ترجمہ: تیرے پاس اگر مال اور گھوڑے تحفہ میں پیش کرنے کے لئے نہیں ہیں تو پھر اپنی زبان سے ہی وہ کام لے لے۔

علامہ سمہودی لکھتے ہیں کہ عہد رسالت مآبؐ میں مسجد نبویؐ کے اسطوانِ توبہ کے آس پاس مساکین صحابہؓ مصروفِ ذکر رہتے تھے اور انہی کے بارے میں واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم کی آیت نازل ہوئی تھی[1]

یہ لوگ نازشِ پیغمبر تھے اور خدا کو انہی بندوں پر ناز تھا۔ ان پر فرشتے نوید جانفزا لے کر اترتے تھے اور ان پر رحمتوں کا نزولِ پیہم ہوتا تھا۔ حضرت سلمانؓ ان لوگوں کے سرخیل اور گلِ سرسبد تھے۔

تاریخ گواہی دیتی ہے کہ حضرت سلمانؓ نے قبولِ اسلام سے لے کر زندگی کی آخری سانس تک ذکرِ الٰہی وظیفہ حیات بنائے رکھا اور انھوں نے ہمیشہ ذکر سے معمور اور فکر سے بھرپور زندگی گزاری۔ وہ اپنے ساتھیوں کو بھی ذکر الٰہی کی برابر ترغیب دیا کرتے تھے

---

[1] :- وفا الوفا، ج ۲ ص ۴۴۵

اور لمحاتِ مسرت میں بالخصوص خدا کو یاد کرتے رہنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے تاکہ اپنے مالکِ حقیقی سے تعلق استوار اور خوشگوار رہے اور وہ مصیبتوں میں بندے کا خیال رکھے اسے پریشانیوں سے نجات دے۔

۹۔ دعوت وارشاد

حضورؐ ختمی مرتبت پیغمبرِ آخر الزمان تھے اور آپ کے بعد نبوت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی لیکن کارِ نبوت یعنی تبلیغ کا کام ہمیشہ جاری رہنا تھا اس غرض کے لئے آنحضرتؐ نے صحابہ کرامؓ کی جماعت کو بہترین تربیت دی اور انھیں دعوتِ اسلام دینے، پیغامِ حق پہنچانے امر بالمعروف کرنے اور نہی عن المنکر کا فریضہ سر انجام دینے کے لئے مقرر فرمایا۔ چنانچہ داعیٔ اعظم کا ہر صحابی مطلعٔ ہدایت کا ایک روشن ستارہ، سراپا تبلیغ اور پیکرِ رشد و رہنمائی تھا۔ حضرت سلمان کو نعمتِ اسلام بڑی جد و جہد کے بعد میسر آئی تھی اس لئے زندگی بھر ان کی کوشش یہی رہی کہ دوسرے لوگوں کو اس نعمت سے بہرہ ور کیا جائے۔ سلمان بن اسلامؓ کی ذاتِ گرامی اوصافِ نبویؐ کی ایسی زندہ تصویر اور ایسا جامع مرقع تھی کہ آپ کے چہرہ اقدس کی زیارت کر لینا اور آپ کی صحبت میں چند لمحے گزار دینا برسوں کی درس و تدریس سے بڑھ کر تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن کا انتخاب ہمیشہ لاجواب ہوا کرتا تھا، انھیں محارباتِ عراق و ایران کے دوران میں لشکرِ اسلام کا داعی مقرر کر دیا تھا اور انھوں نے ہمیشہ بڑی حکمت اور دردمندی کے ساتھ دعوتِ اسلام کا فریضہ ادا کیا۔ مزید براں مفتوحہ علاقوں میں فارسی نژاد ہونے کی بدولت انھوں نے نومسلموں کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرانے میں بھی قابلِ قدر خدمات سر انجام دیں چنانچہ موالیوں اور نومسلم ایرانیوں میں انھیں اس قدر مقبولیت حاصل ہو گئی کہ وہ لوگ انھیں اپنا ہیرو اور بطلِ جلیل تصور کرتے ہیں۔

ایک مستشرق لکھتے ہیں کہ اس طرح حضرت سلمانؓ نومسلم ایرانیوں کے لئے

ایک مثالی شخصیت (PROTOTYPE) بن گئے ہیں اور ان نومسلموں نے اسلام کی ترقی میں بڑا حصہ لیا۔ پس حضرت سلمانؓ مسلم ایران کے قومی ہیرو اور شعوبیہ کی ہر دلعزیز شخصیت قرار پائے ہیں[1]

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اہل عرب کی فضیلت کے قائل تھے کیونکہ عربوں نے اسلام قبول کرنے میں سبقت حاصل کی تھی اس لئے اہل عجم بالعموم ان کے ہم کفو نہیں ہو سکتے۔

حضرت اوس بن ضمعجؒ حضرت سلمان سے روایت کرتے ہیں کہ اے اہل عرب! تم لوگ ہم سے دو باتوں میں فضیلت لے گئے ہو اس لئے ہم نہ تو تمھاری عورتوں سے نکاح کریں گے اور نہ تمھاری امامت کرائیں گے[2]

لیکن اس فضیلت کے باوجود جب اہل عرب کو کوئی زیادتی کرتے دیکھتے تو انھیں تنبیہ کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہ کیا کرتے تھے۔

ابو نہیکؒ اور عبداللہ بن حنظلہؒ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ ایک لشکر میں حضرت سلمانؓ کے ساتھ تھے ایک عرب نے کسی شخص کو بہت زیادہ مارا پیٹا۔ اس شخص نے حضرت سلمان کے پاس شکایت کی اس پر آپ نے عربوں کو خطاب کر کے فرمایا:

"یا معشر العرب! الم تکونوا شر الناس دینا وشر الناس دارا وشر الناس عیشاً فاعزکم اللہ واعطاکم أتریدون ان تاخذوا الناس بعزۃ اللہ، واللہ لتنتھن اولیا۔ خذت اللہ ما فی ایدیکم فلیعطنیہ غیرکم"[3]

1: ENCYCLOPAEDIA OF Islam P. 501

2: سنن کبری بیہقی ج ۵ صہ ۱۳۴

3: حلیۃ الاولیاء ج ۱ صہ ۲۰۰، ۲۰۱

ترجمہ: اے عربو! کیا تم مذہب کے اعتبار سے برُے آدمی نہ تھے، گھر بار کے لحاظ سے سب لوگوں سے برے نہ تھے اسی طرح زندگی کے لحاظ سے سب لوگوں میں سے ذلیل تر نہیں تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں اسلام کے ذریعے عزت عطا کی اور نعمتیں بخشیں کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تم لوگوں سے اللہ کے دیئے ہوئے شرفِ انسانی کو چھین لو۔ بخدا تم ایسی حرکتوں سے باز آجاؤ ورنہ اللہ وہ سب کچھ تم سے واپس لے لے گا جو کچھ تمہارے قبضے میں ہے اور اسے غیروں کو عطا کر دے گا۔

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جہاں کہیں بھی ہوتے وہ رشد و ہدایت کی مسند کو زینت دے رہے ہوتے۔ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے ہر حال میں مناسب موقع پا کر لوگوں کو کبھی قرآن کے احکامات سناتے اور کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کہی ہوئی باتیں یاد دلاتے رہتے تھے حتیٰ کہ سیر و سفر پر نکلتے تو راستے میں پند و نصائح اور موعظت و حکمت کے موتی بکھیرتے جاتے تھے۔ وہ جو کچھ دوسروں کو کرنے کے لئے فرماتے تھے خود اس پر اس سے زیادہ عمل کر چکے ہوتے تھے اور اوامر و حسنات میں بلا شبہ انہیں سبقت اور برتری حاصل تھی۔ بمصداق ؎

در محبت آنچہ می گوئیم اول می کنیم
پارہ بیش است از گفتارِ ما کردارِ ما (ظہوری)

۱۰۔ جہاد فی سبیل اللہ

ظلم و ستم اور جبر و استبداد اور استحصالی قوتوں کے خلاف مظلوموں کی حمایت میں ہتھیار اٹھانا جہاد کہلاتا ہے۔ اس میں فی سبیل اللہ کی شرط اس وقت پوری ہوتی ہے جب کہ جہاد میں حصہ لینے والا محض رضائے الٰہی کے لئے شریک جہاد ہو، اس میں

نام ونمود کی خواہش نہ ہو اور اسی طرح مال غنیمت کا حصول بھی اس کا مقصد نہ ہو مسلمان جب تک اس جذبۂ جہاد سے سرشار رہے۔ موت سے گریزاں نہیں ہوئے اور مال و دولت کی محبت اور عیش وعشرت میں نہیں پڑے اس وقت تک وہ سربلند رہے۔

حضرت سلمانؓ کی زندگی کا کچھ حصہ تلاش حق کی جدوجہد میں گزرا اور بقیہ زندگی کلمۂ حق کی سربلندی کے لئے جہاد میں انھوں نے گزاری ہے۔ انھیں جنگ خندق اور اس کے بعد کے غزوات نبوی میں شرکت کا موقع ملا اور انھوں نے ان تمام غزوات میں بے جگری سے لڑ کر اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے۔ بعد ازاں عہد فاروقی میں عراق اور ایران کی فتوحات میں اپنے ہم وطنوں کے خلاف برابر حصہ لیا اور اپنی روایاتی بہادری سے کام لے کر بڑے بڑے بہادروں کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا حالانکہ وہ اس وقت خاصے عمر رسیدہ ہو چکے تھے۔ عہد عثمانی میں جب عرصۂ حیات نہایت مختصر رہ گیا تھا تو وہ اس وقت بھی فریضۂ جہاد سے غافل نہیں ہوئے۔ دور دراز علاقوں میں اپنی شمشیر زنی کی دھاک بٹھاتے رہے۔ ان کی سیرت کا یہ مجاہدانہ پہلو واضح کرتا ہے کہ جہاد کا موقع ملنے پر اس سے بڑھ کر اور کوئی عبادت نہیں ہے۔ اس سلسلے میں نہ کوئی مجبوریاں پاؤں کی زنجیر بن سکتی ہیں اور نہ پیرانہ سالی راہ جہاد میں حائل ہو سکتی ہے۔

۱۱۔ حق گوئی و بے باکی

حق گوئی و بے باکی ایک مومن کا بنیادی وصف بلکہ اس کا طغرہ امتیاز ہے۔ قدرت نے حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں یہ جذبہ ابتدا ہی سے ودیعت کر دیا تھا چنانچہ جب انھیں عیسائی طریقہ عبادت کے مشاہدے کا موقع ملا اور اسے مجوسی نماز سے بہتر سمجھا تو اس بات کا برملا اظہار کر دیا۔ باپ نے دھمکیاں دیں سخت سست

کہا بلکہ اذیت دینے سے بھی گریز نہ کیا لیکن یہ حلقہ ہائے زنجیر یا درہ ہائے تعزیر انھیں ہرگز اس راہ سے نہ روک سکے جس کو وہ حق سمجھتے تھے۔ عیسائیت کی آغوش میں جا کر ان کی حق گوئی برقرار رہی جب انھوں نے اپنے عیسائی راہب استاد کو دنیادار اور ریاکار پایا تو خاموش نہ رہ سکے۔ اس کے علاوہ وہ علی وجہ البصیرت خدا کی واحدانیت کے قائل تھے لہٰذا پرستارانِ تثلیث میں رہتے ہوئے بھی عقیدۂ توحید کی شمع فروزاں رکھی۔ قبولِ اسلام کے بعد ان کی حق گوئی اور بے باکی پر اور نکھار آگیا۔ حق پوشی اور مداہنت ان کے نزدیک ہمیشہ ناقابلِ معافی جرم رہے ہیں۔ جب کبھی وہ کوئی ایسی چیز دیکھتے جو ان کی دینی بصیرت اور تمیز و شعور کے مطابق دین کی اجتماعی روح کے خلاف ہوتی تو بلا جھجک ٹوک دیا کرتے تھے۔ خواہ وہ بات کسی بزرگ سے ہی کیوں نہ سرزد ہوئی ہو اور لوگ اسے عبادت ہی کیوں نہ سمجھ رہے ہوں۔ جیسا کہ حضرت ابوالدرداءؓ والے مشہور واقعے سے ظاہر ہوتا ہے۔ جب آپ نے دیکھا حضرت ابوالدرداءؓ اپنے اہل و عیال کے حقوق ادا کرنے کے فرض سے غافل ہو رہے ہیں اور عبادتِ نافلہ میں ان کا انہماک بڑھ گیا ہے تو انھیں نفل نماز پڑھنے اور نفلی روزے رکھنے سے روک دیا اور فرائض کی طرف انھیں متوجہ کیا۔ اسی طرح عہد فاروقی میں جب حضرت ابوالدرداءؓ نے عہدہ قضا قبول کیا تو انھوں نے بڑی صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے انھیں اس ذمہ داری کی کٹھنائیوں سے باخبر کر دیا۔ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک مہمان نے ایک بار روٹی کے بچے کھچے ٹکڑے ایک سائل کو دے دیئے تو اکرامِ مہمان کے باوجود اسے روکنے میں حجاب محسوس نہ کیا۔ اپنی شادی کی تقریبات میں جہاں منکرات دکھائی دیں بڑی بے باکی سے ان پر نکیر فرمائی اور اپنے سامنے کوئی خلافِ ورع بات نہ ہونے دی۔ آپ اگر کوئی اچھی بات خواہ کسی سے سنتے تو اس کو داد دیئے بغیر نہ رہتے۔

حلیۃ الاولیاء میں نافع بن جبیر بن مطعم کی روایت ہے کہ حضرت سلمانؓ ایک روز

کسی پاک وصاف جگہ کی تلاش میں تھے جہاں نماز ادا کرسکیں چنانچہ انھوں نے اس سلسلے میں ایک نبطی خاتون سے دریافت کیا تو وہ کہنے لگی جستجو کرو تو طہارتِ قلب کی جستجو کرو اور پھر جہاں چاہو نماز پڑھ لو نماز ہو جائے گی۔ آپ نے اس کی معرفت زا اور حکمت آمیز بات سنی تو فرمایا یہ خاتون واقعی بڑی دانا نکلی ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفۂ وقت تھے حضرت سلمانؓ ان کے ہاں آمد و رفت رکھتے تھے اور دونوں بزرگوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے بڑا احترام تھا۔ حضرت زاذانؒ کہتے ہیں کہ ایک بار امیر المومنین حضرت عمرؓ نے حضرت سلمانؓ سے فرمایا اچھا یہ تو بتائیے کہ میں خلیفہ (نائب خدا و رسول) ہوں یا ملک (محض بادشاہ) حضرت سلمانؓ نے یہ سوال سن کر فرمایا بھائی! صاف اور سیدھی سی بات ہے اگر آپ ایک درہم یا اس سے کم و بیش مسلمانوں کی زمین سے وصول کر کے اسے غلط جگہ پر خرچ کر دیں تو پھر آپ ملک (بادشاہ) ہوں گے اور خلیفہ نہ رہ سکیں گے۔ حضرت عمرؓ نے یہ سنا تو (احساس فرض کی شدت سے بے اختیار) اشکبار ہو گئے۔[1]

حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ حضرت عمرؓ بیت المال کے معاملے میں اس قدر محتاط تھے کہ ان کی نظیر خلفائے راشدین کے اپنے عہد کے سوا اور کہیں بھی نہیں ملتی۔

۱۲۔ صدق وصفا

صدق قول و عمل کی سچائی کو کہتے ہیں۔ صدق کا ایک پہلو حق گوئی کے ضمن میں بیان ہو چکا ہے۔ صدق کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ جن چیزوں پر ایمان لایا جائے، اپنے حسن عمل سے بھی ان کی تصدیق کی جائے۔ حضرت سلمانؓ کی شخصیت میں صدق کے یہ تمام پہلو نمایاں دکھائی

---

[1]:۔ الکامل ابن اثیر، ج ۳ ص ۳۲

دیتے ہیں اور ان کی زندگی اس حقیقت کی شاہد عادل ہے۔ ان کا ایمان تھا کہ اللہ تعالے معبود یکتا ہے۔ انھوں نے اپنے عمل سے بھی ہمیشہ یہی ثابت کیا کہ وہ ایک خدا کے پرستار ہیں، اسی کی رضا کے لئے جیتے اور اسی کے لئے مرتے ہیں۔

انھوں نے زبان سے پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا اقرار کیا تھا زندگی بھر عشق رسول ان کا شیوہ رہا اور اتباع رسولؐ ان کا مقصدِ حیات۔ پیغمبر خداؐ نے انھیں اس دنیائے فانی میں مسافر کی طرح زندگی بسر کرنے کا حکم دیا تھا۔ اسی مسافرانہ انداز سے اپنی پوری زندگی گزار دی اور آسائش و آرام کی طرف کبھی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا۔

قول و فعل کی یہی حسین مطابقت اور دلفریب موافقت ان کی سیرت کے مختلف پہلوؤں پر عجب رنگ بہار دیتی ہے۔ صدق کا انتہائے کمال سچے پیغمبروں کی تصدیق میں سبقت ہے۔ حضرت سلمانؓ اس میدان میں بھی کسی سے پیچھے نہیں رہتے۔ سینکڑوں میلوں کی مسافت طے کر کے آئے اور تصدیق نبوت کی۔ مخاطبین اولین اور ام القریٰ کے رہنے والوں میں سے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلاشبہ صدیق اکبرؓ ہیں لیکن شرف صدیقیت میں یہود سے حضرت عبد اللہ بن سلامؓ اور نصاریٰ میں سے قبولِ حق کرنے والے حضرت سلمانؓ کا بھی ضرور حصہ ہے۔

حضرت سید علی ہجویری گنج بخشؒ نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے بارے میں فرمایا ہے کہ صفا صدیق کی مخصوص صفت ہے۔ اس صفت کی اصل صدیقیت ہے اور اس کی دو شاخیں ہیں:

۱۔ انقطاعِ دل از اغیار یعنی غیر اللہ سے دل نہ لگانا۔

۲۔ خلوئے دل از دنیائے غدار یعنی بے وفا دنیا سے دل خالی رکھنا۔ ان ہر دو صفت کے اعتبار سے حضرت ابوبکرؓ، صدیق اکبر ہیں اور وہ اس طریقت کے امام و مقتدا ہیں۔

سلسلہ نقشبندیہ کے مطابق حضرت سلمان رضؓ نے اس سلسلے میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سے کسب فیض کیا تھا اور ان میں یہ صدق وصفا کی خوبیاں اپنے تمام تر حسن وکمال کے ساتھ موجود تھیں۔ عاشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علامہ اقبال علیہ الرحمۃ نے اپنے کلام میں کئی مقامات پر صدقِ سلمانی کا تذکرہ کیا ہے۔

۱۳۔ جود وسخا

فیاضی اوصاف حمیدہ میں سے ہے اور ہر معاشرے میں اسے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس قصبے جیّ میں پرورش پائی تھی اس کے باشندے اپنے بخل کی وجہ سے خاصے بدنام تھے۔ لیکن حضرت سلمانؓ کنول کا پھول تھے وہ اس آلودگی سے بالکل پاک رہے۔ قبول اسلام کے بعد صحبتِ سید الانبیاءؐ میں آکر تو وہ مجسمہ جود وسخا بن گئے تھے۔ اہلِ ایمان کی ایک اہم صفت انفاق فی سبیل اللہ ہے اور ابوالقاسم محمد مصطفےٰؐ کی ذاتِ والا صفات سخاوت کے بلند ترین مقام پر فائز تھی۔ احادیث میں وارد ہوا ہے کہ آنحضورؐ فیاض تھے اور ماہ رمضان میں تو بالخصوص ان کی داد ودہش کا یہ عالم ہوتا تھا کہ باد وباراں کا مقابلہ کیا کرتے تھے۔ حضرت سلمان رضؓ پر آنحضرتؐ کی تربیت کا بڑا اثر ہوا اور فیاضی پہلے سے بھی ان میں تھی، اب اس میں مزید نکھار پیدا ہو گیا۔

حضرت سلمان رضؓ بے حد مہمان نواز واقع ہوئے تھے۔ جب کچھ آمدنی ہو جاتی تو اذنِ عام دے کر مہمانوں کو بلا لیتے اور جب کچھ نہ ہوتا تو بھی روکھے سوکھے سے ضرور مہمانوں کی خاطر ومدارات کرتے تھے۔ میزبانی کو وہ تازگیٔ ایمان کا ذریعہ سمجھتے تھے۔

ابوالبختریؒ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت سلمان رضؓ سے اپنے سفر کے دوران میں لوگوں کی میزبانی کی تعریف کی تو آپ نے فرمایا تھا، یا ابن اخی! ذالک

طرفۃ الایمان (اے بھتیجے! یہ تو ایمان کی تازگی ہے) میزبانی اور مہمانوں کی خاطر و تواضع حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی اور روزمرہ کا معمول تھا وہ اس خوشگوار فرض سے اس وقت بھی غافل نہ تھے جب کہ وہ خود چند لمحوں کے مہمان تھے اور بستر مرگ پر پڑے پیغام اجل کا انتظار کر رہے تھے۔ عین اسی وقت انھوں نے اپنی زوجہ محترمہ سے اپنے ہاں آنے والے مہمانوں۔ فرشتوں کے لئے مشک و عنبر پانی میں گھول کر چارپائی کے ارد گرد چھڑکنے کا حکم دیا تھا۔ میزبانی کے علاوہ حضرت سلمان رضؓ کی عام سخاوت کا یہ عالم تھا کہ جو کچھ پاس ہوتا اسے راہ خدا میں دے ڈالتے تھے چنانچہ حضرت امام حسن رضؓ کی مشہور روایت ہے کہ عہد فاروقی میں حضرت سلمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا سالانہ وظیفہ پانچ ہزار درہم تھا۔ جب بھی وہ وظیفہ آتا تو اسے ضرورت مند لوگوں میں تقسیم کر دیا کرتے تھے[۱]

۱۴۔ فقر و استغناء

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اصحاب صفہ میں سے تھے اور ان کا ابتدائی دور عسرت و ناداری میں گزرا لیکن اس کے باوجود انھیں کسی کے سامنے کبھی دست سوال دراز کرتے نہیں دیکھا گیا۔ کہیں سے کچھ مل جاتا تو کھا لیتے اور خدا کا شکر ادا کرتے نہ ملتا تو صبر کر لیتے۔ وہ ہمیشہ اپنی عزت نفس کا خیال رکھتے تھے اور کبھی وقار کو مجروح نہ ہونے دیتے تھے۔ کچھ مانگنا ہوتا تو ہمیشہ اپنے مالک حقیقی سے مانگتے۔ پیغمبر خدا نے انھیں یہ دعا سکھائی تھی: یَا رَبِّ اَقْضِ عَنِّی الدَّیْنَ وَاَغْنِنِی مِنَ الْفَقْرِ (اے میرے پالنے والے! تو میرا قرض ادا کر دے اور مجھے ناداری سے مستغنی بنا دے) چنانچہ وہ

---

[۱] حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۹۷، ۱۹۸

یہی دعا مانگا کرتے تھے۔ خدا ان کی گزر اوقات کے لئے کوئی نہ کوئی ذریعہ ضرور پیدا کر دیتا تھا۔ وہ خود بھی محنتی تھے اور محنت و مشقت سے روزی کمانے میں کوئی عار محسوس نہ کرتے تھے بلکہ محنت سے روزی کمانا انھیں مرغوبِ خاطر تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں انھوں نے جہاد میں بھرپور حصہ لیا یقیناً کافی مالِ غنیمت حصے میں آیا ہوگا مگر انھوں نے حسبِ معمول اسے راہ خدا میں بانٹ دیا۔ سالانہ وظیفہ بھی بارگاہ خلافت سے آتا تو اسے بھی خدا کے بندوں میں تقسیم کر دیا کرتے تھے اور خود فقیرانہ انداز میں زندگی بسر کیا کرتے تھے۔ یہ فقر ان کا اختیاری اور رضا کارانہ تھا اور اس میں بھی ان کے پیشِ نظر رضائے رسول تھی۔ کیونکہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسی فقر کو اپنے لئے سرمایۂ فخر سمجھا تھا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ حضرت سلمانؓ اپنی ذات اور اپنے اہل و عیال پر بس اتنا خرچ کرتے تھے کہ جسم و جاں کا رشتہ برقرار رہ سکے۔ ان کا اپنا بیان ہے کہ میں محنت مزدوری کر کے جو کچھ کماتا ہوں اس میں سے صرف ایک درہم اپنے گھر خرچ کرتا ہوں اور باقی راہ خدا میں دے دیتا ہوں۔

۱۵۔ توکّل و قناعت

توکّل درحقیقت اپنی سوجھ بوجھ کے مطابق صحیح کام کرنے کے بعد نتائج کو خدا پر چھوڑ دینے کا نام ہے۔ بعض لوگوں کو اس کے مفہوم سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے اور انھوں نے مصروفِ تگ و تاز رہنے کی بجائے بے عملی کے حصارِ عافیت میں پناہ لینے کو توکّل سمجھ لیا اور ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر بیٹھ رہے۔ حالانکہ توکّل کی یہ تعبیر فریبِ نفس کے سوا اور کچھ نہیں۔ مفسرین کا بیان ہے کہ اہلِ یثرب دورِ جاہلیت میں جب حج کے لئے نکلتے تو خالی ہاتھ ہوتے اور کہتے کہ ہم خدا کی توکّل اور بھروسے پر عزمِ حج کر رہے ہیں اور پھر راستے میں مانگنا شروع کر دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس رجحان کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا بلکہ حکم دیا کہ حج کے لئے جب

چلو تو زادِ راہ لے کر چلا کرو اور زادِ راہ اتنا ضرور ہونا چاہیئے کہ انسان راستے میں سوال کی خجالت سے بچ سکے۔ حضرت سلمانؓ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تربیت یافتہ صحابی تھے لہٰذا وہ توکل کے صحیح اسلامی تصور سے بخوبی آگاہ تھے اور اسی پر عمل پیرا تھے۔ خوب محنت اور مشقت سے روزی کماتے تھے، جہاد میں سرگرمی سے حصہ لیتے تھے اور ہر کام میں مادی ذرائع سے کام لینے کے بعد نتائج کو خداوند تعالیٰ کی صوابدید پر چھوڑ دیتے تھے۔ کام کرنے کے بعد اگر نتیجہ حسب توقع نکل آیا تو خدا کا شکر ادا کیا اور خلاف توقع نکلا تو راضی برضا ہو گئے۔ وہ گھریلو ضروریات مثلاً غلہ وغیرہ اکٹھا فراہم کر لینے کو بھی ہرگز خلافِ توکل نہیں سمجھتے تھے۔

حضرت زید بن صوحانؓ کے آزاد کردہ غلام سالم بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں اپنے آقا حضرت زید کے ساتھ بازار میں کھڑا تھا ہمارے پاس صحابی رسولؐ حضرت سلمانؓ کا گزر ہوا اور انھوں نے ایک وسق (قریباً سوا پانچ من) سامانِ خورد و نوش غلہ وغیرہ خرید رکھا تھا۔ حضرت زید نے انھیں دیکھا تو کہنے لگے اے ابو عبداللہ! آپ بھی ایسا کرتے ہیں حالانکہ آپ تو رسول پاکؐ کے صحابی ہیں۔ حضرت سلمانؓ نے یہ سن کر جواب میں فرمایا جب نفس اپنے رزق کو اکٹھا کر لیتا ہے تو وہ مطمئن ہو جاتا ہے اور پھر عبادت کے لئے بالکل فارغ ہو جاتا ہے مزید براں اس سبب ہر طرح کے وسوسے دور ہو جاتے ہیں[1]

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کچھ مہینوں کے لئے غلہ فراہم کر لینا اس وجہ سے بھی ضروری سمجھتے تھے کہ اہل وعیال ان کے جہاد میں مصروف ہو جانے کے بعد نان و نفقہ کے لئے پریشان نہ ہوں۔

جہاں تک قناعت کا تعلق ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ انسان تھوڑے سے اثاث

---

[1] :- حلیۃ الاولیاء ج ۱ صـ ۲۰۷

البیت اور سامانِ زلیست پر اکتفا کرے۔ حضرت سلمانؓ اس لحاظ سے بڑے قناعت کیش واقع ہوئے تھے مختصر سا ان کے گھر کا سامان تھا۔ مکان بھی بنوایا تو مختصر سا۔ کھانا پینا اوڑھنا بچھونا بھی مختصر سا تھا اور وہ اسی حالت میں مطمئن تھے۔ ان کی آرزویں قلیل تھیں لیکن ان کے مقاصد جلیل تھے۔

یہ ایک نفسیاتی حقیقت ہے کہ جس قدر دنیاوی خواہشات کی تکمیل ہوتی جائے اسقدر وہ زیادہ بڑھتی جاتی ہیں حالانکہ اگر قناعت کیشی کو وتیرہ بنالیا جائے تو انسان کا تھوڑی سی چیزوں پر بھی گزارا ہوسکتا ہے جب کہ ہم کئی ایسی چیزیں بھی جمع کر لیتے ہیں جو درحقیقت ضروری نہیں ہوتیں محض سامانِ تعیش ہوتی ہیں ؎

حرص قانع نیست بیدلؔ ورنہ اسباب جہاں
آنچہ ما در کار داریم اکثرے درکار نیست

۱۶۔ کسبِ کمال و اکل حلال

محنت اور مشقت سے اپنی روزی کمانا اور اپنے ہاتھوں سے کام کر کے بسر اوقات کرنا اسلام کی نگاہ میں پسندیدہ فعل ہے۔ یہی سنتِ انبیاء ہے اور اسی کی ترغیب اللہ اور اس کے رسولؐ نے دی ہے۔ بعض مذاہب اور معاشروں میں ہاتھ سے کام کرنے والوں کو نگاہِ حقارت سے دیکھا جاتا ہے خصوصاً برصغیر پاک وہند میں ہندومت کے اثرات کے تحت مختلف پیشوں سے متعلق طبقے کو شودر اور کمیں سمجھا جاتا ہے۔ جب کہ پیغمبر اسلام علیہ وآلہ وسلم نے کسب حلال کرنے والے کی تعریف و تحسین فرمائی ہے۔ حضرت سلمانؓ کا نقطہ نظر اسلامی تعلیمات کے عین مطابق یہ تھا کہ ہر انسان کو خود کوئی نہ کوئی کام کر کے روزی کمانا چاہیے اور معاشرے پر بوجھ بننے سے گریز کرنا چاہیے۔ وہ خود بھی اسی اصول پر کاربند تھے۔ حضرت عبداللہ بن بریدہؓ کہتے ہیں کہ حضرت سلمانؓ اپنے ہاتھ سے کام کر کے

روزی کمایا کرتے تھے۔ حضرت ابو عثمان النہدیؒ کا بیان ہے کہ حضرت سلمانؓ فرمایا کرتے تھے: اِنّی لَاُحِبُّ اَنْ اٰکُلَ مِنْ کَدِّ یَدِیْ (میں پسند یہ کرتا ہوں کہ اپنے ہاتھوں کی محنت ومشقت سے کمایا اور کھایا کروں)[1]

حضرت امام حسنؓ کی روایت یہ ہے کان عطاء سلمان خمسۃ الآف و اذا خرج عطاءہ امضاہ ویاکل من سفیف یدہ (حضرت سلمانؓ کا وظیفہ پانچ ہزار تھا جب وظیفہ نکلتا تو خیرات کر دیتے اور خود بوریا چٹائیاں بن کر گزر اوقات کیا کرتے تھے)[2]

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بوریا بننے، ٹوکریاں بنانے اور چٹائیاں بننے کا یہ کام انھوں نے انصارِ مدینہ سے سیکھا تھا۔ روزانہ ایک درہم کے کھجور کے پتے خریدتے تھے اور انھیں بن کر چٹائی تین درہم میں فروخت کر دیتے تھے۔ ایک درہم پتے خریدنے کے لئے رکھ لیتے، ایک درہم گھر کے اخراجات کے لئے ہوتا اور ایک درہم راہِ خدا میں دے دیتے تھے حتیٰ کہ جب مدائن کے گورنر تھے تو بھی فارغ اوقات میں یہی کام اور محنت کیا کرتے تھے اس کے بعد امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انھیں ایسا کرنے سے روک دیا۔ خود فرماتے تھے کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھے نہ روکتے تو میں گورنری کے باوجود یہ کام کرتا رہتا۔[3]

سلامہ العجلی کہتے ہیں کہ میرا بھانجا قدامہ نامی صحرائی علاقے سے میرے پاس آیا اور اس نے حضرت سلمانؓ سے ملنے کا اشتیاق ظاہر کیا۔ چنانچہ ہم دونوں ان سے ملنے کے لئے گئے تو وہ مدائن میں ایک چارپائی پر بیٹھے بوریا بن رہے تھے۔ حالانکہ وہ بیس ہزار فوجیوں

---

[1]: ۔ حلیۃ الاولیاء، ج ۱ ص ۲۰۰ ۔ مجمع الزوائد، ج ۹ ص ۳۴۲ ۔ تفسیر درمنثور، ج ۵ ص ۱۳۲

[2]: ۔ حلیۃ الاولیاء، ج ۱ ص ۱۹۷، ۱۹۸

[3]: ۔ طبقات ابن سعد، ج ۴ ص ۸۹

کے سردار تھے۔[1]

گورنری کے عہدے سے سبکدوش ہو جانے کے بعد حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بوریا بننے کے علاوہ اور بھی کئی کام کئے بلکہ وہ کسی ایسے کام کے کرنے میں قطعاً کوئی عار محسوس نہ کرتے تھے جس سے اکل حلال حاصل ہو سکے۔

چنانچہ چمڑا رنگنے تک کا کام وہ خوشدلی سے کر لیتے تھے۔ حارث بن عمیرہ کا بیان ہے کہ میں روانہ ہوا اور مدائن پہنچا تو اچانک میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ جس کے کپڑے پھٹے پرانے تھے اور وہ سرخ رنگ کی کھال لئے اس پر سے بال، داغ دھبے رگڑ رگڑ کر دور کر رہے تھے۔ میں نے انھیں متوجہ کیا تو انھوں نے مجھے دیکھا اور ہاتھ سے اشارہ فرمایا بندۂ خدا ذرا وہیں تشریف رکھیئے۔ میں وہیں کھڑا ہو گیا اور پاس سے ایک آدمی سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ تو حضرت سلمان رضؓ ہیں۔ حضرت سلمان رضؓ گھر گئے۔ صاف سفید کپڑے پہنے اور آ کر مجھ سے مصافحہ فرمایا۔[2]

حضرت سلمان رضؓ کو کاشت کاری سے بھی شغف رہا ہے۔ ابو قرہؒ کہتے ہیں کہ وہ ایک بار حضرت حذیفہ رضؓ کے ہمراہ حضرت سلمان رضؓ سے ملنے ان کے گھر گئے تو پتہ چلا کہ وہ اپنے ترکاری کے کھیت میں ہیں۔ وہاں پہنچے تو وہ انھیں ایسے حال میں ملے کہ ان کے پاس ایک زنبیل تھی جس میں انھوں نے ترکاری چن رکھی تھی اور زنبیل کو لاٹھی کی مدد سے اپنے کندھے پر اٹھا رکھا تھا۔[3]

---

[1]: - حلیۃ الاولیاء، ج ۱ ص ۱۹۷

[2]: - ایضاً ص ۱۹۸

[3]: - ادب المفرد ص ۳۶ - حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۹۸

۱۷۔ سادگی اور بے تکلفی

سادگی اصحاب زہد کی نمایاں علامت ہے اور حضرت سلمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی سیرت کا ایک پہلو سادگی بھی ہے بلکہ سراپا سادگی۔ وہ ہمیشہ مختصر اور سادہ لباس پہنتے تھے اور ان کی یہ سادگی ان کے ناداری کے دور سے لے کر خوشحالی کے دور تک یکساں رہی۔ جب وہ اصحاب صفہ میں شامل تھے تو جیسا لباس پہنتے تھے ویسا ہی لباس ان کے گورنری کے زمانے میں رہا۔ ایک اونچا ایرانی طرز کا پاجامہ جسے اندرو ورد کہتے ہیں اور ایک چادر یا قمیص ہمیشہ زیب تن کرتے تھے حالانکہ ایرانی بالعموم خوب شاندار لباس پہننے کے عادی ہوتے تھے۔ گورنری کے زمانے میں جب وہ باہر نکلتے تو سادہ لباس میں ہوتے اور عام لوگوں سے گھل مل جاتے یہاں تک کہ ناواقف شخص کو پتہ بھی نہ چلتا کہ وہ گورنر ہیں۔ بعض اوقات تو یوں بھی ہوتا کہ ناواقف لوگ انھیں عام مزدور سمجھ کر بوجھ اٹھانے کے لئے کہہ دیتے اور آپ بخوشی بوجھ اٹھا لیتے۔ جب لوگ بتاتے کہ یہ تو حاکم صوبہ ہیں تو وہ بوجھ اٹھوانے والا خوفزدہ ہو جاتا لیکن آپ فرمایا کرتے نہیں اب تو میں بوجھ منزل مقصود تک پہنچائے بغیر نہ رکھوں گا۔

ثابت کا بیان ہے کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ امیر مدائن تھے لیکن لوگوں کے پاس ایسی حالت میں آتے جاتے تھے کہ اندرو ورد پہنے ہوتے اور اوپر عبا لئے ہوتے تھے[1]

میمون بن مہران کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو اس وقت دیکھا جب وہ عامل مدائن تھے کہ ایک گدھے پر سوار ہو کر جا رہے ہیں اور اوپر معمولی سی چادر لئے ہوئے ہیں[2]

---

[1]:۔ طبقات ابن سعد، ج ۴ ص ۸۷

[2]:۔ حلیۃ الاولیاء، ج ۱ ص ۱۹۹

ہریم کی روایت یہ ہے کہ انھوں نے حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک گدھے کی ننگی پیٹھ پر سوار دیکھا۔ وہ چھوٹی سی سنبلانی قمیص پہنے ہوئے تھے جو پیچھے سے بہت تنگ تھی، ان کی لمبی لمبی پنڈلیاں تھیں اور ان پر بال کثرت سے تھے۔ وہ سواری کے وقت اتنی اونچی ہوگئی تھی کہ ان کے گھٹنوں تک جا پہنچی تھی[1]

وہ جب شام کی طرف حضرت ام الدرداءؓ سے ملنے کے لئے گئے تو بھی مختصر پاجامے اور عبا میں تھے اور پاپیادہ تھے۔ ابن شوذب کی روایت کے مطابق آپ اپنے اوپر جو چادر لئے ہوئے تھے اس سے سر کسی قدر ڈھنپا ہوا تھا اور کندھوں پر چادر کے لمبے لمبے کان بن کر گر گئے تھے۔ لوگوں نے حضرت سلمانؓ سے عرض کیا حضرت! آپ تو اپنے آپ کا بالکل خیال نہیں رکھتے۔ کیا عجیب سی وضع قطع بنا رکھی ہے۔ یہ سن کر فرمایا اِنَّ الْخَیْرَ خَیْرُ الْاٰخِرَۃِ بھائی! بھلائی تو در حقیقت آخرت کی بھلائی ہے[2]

جس طرح حضرت سلمانؓ کی معاشرت سادگی کا نمونہ تھی اسی طرح بے تکلفی بھی اتباع سنت کے مطابق آپ کی سیرت کا ایک پہلو ہے۔ تکلف کو آپ قطعاً پسند نہیں فرماتے تھے۔ مہمانوں کی خاطر و مدارات ضرور کرتے تھے لیکن تکلف سے ہرگز کام نہیں لیتے تھے۔ جو کچھ ہوتا بغیر پس و پیش کے پیش کر دیا کرتے تھے۔ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے کہ بدترین دوست وہ ہے جو تمھیں پُرتکلف خاطر و مدارات کا محتاج بنائے یا تمھیں معذرت پیش کرنے پر آمادہ کرے اور تم اس کے لئے تکلف کرو[3]

حضرت سفیان بن سلمہؒ کہتے ہیں کہ میں سلمان فارسیؓ کے پاس آیا تو انھوں نے روٹی

---

[1] :۔ طبقات ابن سعد، ج ۴ ص ۸۷

[2] :۔ ادب المفرد ص ۵۲

[3] :۔ عوارف المعارف ص ۵۰۳

اور نمک نکال کر میرے سامنے پیش فرمایا اور فرمایا اگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اس بات سے منع نہ فرماتے کہ کوئی کسی کے ساتھ تکلف کرے تو میں تمھارے لئے ضرور تکلف کرتا[1]

حضرت سلمانؓ قول وفعل دونوں میں بے تکلف تھے اور تکلف کو سراسر تکلیف سمجھتے تھے۔

حضرت ابو وائل کہتے ہیں کہ میں اپنے ایک دوست کے ہمراہ حضرت سلمانؓ کی ملاقات کے لئے گیا تو انھوں نے ہمیں جَو کی روٹی اور موٹا کوٹا ہوا نمک پیش کیا۔ یہ دیکھ کر میرے دوست نے کہا کہ اگر نمک میں تھوڑا سا مرزنجوش ہوتا تو خوب رہتا۔ مرزنجوش ادراک کی طرح ہوتا ہے جو چٹنی بنانے کے کام آتا ہے۔ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا لوٹا اٹھایا اور اسے رہن رکھ مرزنجوش لے آئے۔ جب ہم کھانے سے فارغ ہوئے تو میرے دوست نے دعا مانگتے ہوئے یہ جملہ کہا الحمد للہ الذی قنّعنا بما رزقنا (اس خدا کے لئے تمام تعریفیں ہیں کہ جس نے ہمیں اس چیز پر قناعت بخشی جو اس نے ہمیں بطور رزق دی) حضرت سلمانؓ نے یہ سنا تو فرمایا بھائی! اگر تم اس پر قناعت کرتے جو اللہ تعالےٰ نے تم کو دی تھی تو میرا لوٹا سبزی فروش کے ہاں رہن نہ پڑا ہوتا[2]

اس تمام تر بے تکلفی کے باوجود حضرت سلمانؓ ان امور میں قطعاً گفتگو کرنے کے روا دار نہ تھے جو باتیں شریعت نے پوشیدہ رکھنے کے لئے کہا ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شادی کے موقع پر دوسرے روز چند بے تکلف ساتھیوں نے ذاتی نوعیت کا سوال کیا تو انھیں ڈانٹ دیا اور فرمایا کہ رسول خداؐ نے ایسی

---

[1] :۔ عوارف المعارف ص ۲۱۵

[2] :۔ تفسیر در منثور، ج ۵ ص ۳۲۱

باتیں کرنے سے منع فرمایا ہے۔

۱۸۔ تواضع وانکسار

انسان کی عظمت کا راز تواضع وانکسار میں ہے اور غرور وتکبر کم ظرفی کی علامت ہے۔ جتنا کوئی بلند مرتبہ ہو اسے اتنا زیادہ عجز وانکسار کا اظہار قول وفعل سے کرنا چاہیئے۔ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے علم وفضل اور جاہ ومرتبے کے لحاظ سے بڑی جلالت قدر کے مالک تھے لیکن اس کے باوجود تواضع وانکسار ان کا شعار تھا۔ اسی تواضع اور انکسار کا نتیجہ تھا کہ گورنر ہوتے ہوئے گدھے پر سواری کر لیتے، عام کھردری چارپائی پر بیٹھ رہتے اور ایسا سادہ لباس پہنتے کہ لوگوں کو پتہ تک نہ چلتا کہ وہ گورنر اور جلیل القدر صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ عام دنیادار حکمرانوں کی طرح ان کے ہاں حفاظتی دستے، کروفر اور جاہ وحشم کا قطعاً کوئی اہتمام نہ تھا۔ وہ شرفِ صحابیت سے مشرف بلکہ بہت بلند رتبہ صحابی تھے لیکن نام ونمود کی ادنیٰ ترخواہش بھی کبھی ان کے حاشیۂ خیال میں نہیں آئی تھی۔ ان کی تواضع و انکسار کا اندازہ حسب ذیل واقعے سے بخوبی ہو سکتا ہے۔

روایت ہے کہ حضرت اشعث بن قیس اور حضرت جریر بن عبداللہ البجلی حضرت سلمانؓ سے ملنے کے لئے آئے۔ آپ اس وقت مدائن کے ایک نواحی قلعے میں تشریف رکھتے تھے وہ وہاں پہنچے اور سلام عرض کیا پھر دریافت کیا کہ کیا آپ سلمان فارسیؓ ہیں؟ آپ نے اثبات میں جواب دیا پھر انھوں نے پوچھا کہ کیا آپ صحابیٔ رسولؐ ہیں؟

اس پر حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ میں نہیں جانتا۔ اس پر ان دونوں کو شک گزرا کہ شاید یہ وہ سلمان نہ ہوں جن سے ملنے کے لئے وہ آئے ہیں۔ حضرت سلمانؓ کو ان کے تذبذب کا اندازہ ہو گیا اس لئے فرمایا بھائی میں ہی وہ شخص ہوں جس سے ملنے کے لئے تم آئے ہو۔ سچی بات تو یہ ہے کہ میں نے جناب رسالت مآبؐ کو دیکھنے کی سعادت

ضرور حاصل کی ہے اور ان کے پاس رہنے کا موقع بھی ضرور ملا ہے لیکن جہاں تک ان کے ساتھی صحابی ہونے کا تعلق ہے تو وہ تو وہ شخص ہو سکتا ہے جو ان کے ساتھ جنت میں داخل ہونے کا شرف حاصل کر سکے[۱]

۱۹۔ حلم و بردباری

غلبہ اور قدرت ہوتے ہوئے دوسروں کی ناروا اور ناگوار باتوں کو برداشت کر لینا اور انھیں سزا دینے سے گریز کرنا بے شک ارباب ہمت اور اصحاب عزیمت کا کام ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد قدرت ہے۔

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ

حضرت سلمانؓ میں حلم و بردباری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ وہ لوگوں کی طعن و تشنیع سے بھری ہوئی باتیں سنتے اور ان کی جاہلانہ حرکتیں دیکھتے لیکن ان کے چہرے پر ذرا ملال نہ آتا بلکہ بڑی خندہ پیشانی سے ان کو برداشت کر لیتے تھے۔

یہ چیز ان کی انسان دوستی اور خلق خدا پر شفقت کو ظاہر کرتی ہے اور ان کے وسعت ظرف و پختگی کردار کی آئینہ دار ہے، وہ خود لطیف طرز کے مزاح کو پسند کرتے تھے اور طعن و تمسخر سے پرہیز کیا کرتے تھے۔ ان کے پُرلطف مزاح کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی ہوتا ہے کہ جب انھوں نے بنی کندہ میں شادی کی اور سسرال کے مکان کے در و دیوار کو خوشنما قیمتی پردوں سے آراستہ دیکھا تو پوچھنے لگے کیا مکان کو بخار چڑھ گیا ہے کہ اس قدر کپڑے اسے لپیٹ دیئے گئے ہیں یا خانۂ کعبہ بنی کندہ میں اتر آیا کیونکہ کعبہ پر پردے چڑھائے جاتے ہیں۔

تاریخ اور کتب سیر میں حضرت سلمانؓ کی بردباری کی کئی مثالیں ملتی ہیں مثلاً خلیفہ بن سعید المرادی نے اپنے چچا سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت سلمانؓ کو مدائن کی کسی

شاہراہ پر سے گزرتے ہوئے دیکھا۔ اچانک ایک اونٹ جس پر سرکنڈے لدے ہوئے تھے وہ آپ سے آکر ٹکرایا۔ آپ کو سخت چوٹ لگی اور جسم درد کرنے لگا۔ آپ پیچھے ہٹ کر شتربان کے پاس گئے اور اسے کہا تو صرف اتنا کہا کہ خدا تمھیں اس وقت تک زندہ رکھے جب تک تم نوجوانوں کی حکومت کو دیکھ نہ لو۔[1]

یہ جو کچھ آپ نے فرمایا تھا اس کا مطلب یہ تھا کہ میں تو تمھارا حاکم ہوتے ہوئے یہ باتیں برداشت کر لیتا ہوں لیکن جب بنی امیہ کے نوعمر امراء برسراقتدار ہوں گے تو وہ یہ چیزیں قطعاً برداشت نہیں کریں گے پھر تمھیں ہماری قدر معلوم ہوگی۔

ثابت اپنی روایت میں کہتے ہیں کہ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ عامل مدائن تھے وہ لوگوں کے پاس ایک سرخ رنگ کے مختصر سے پاجامے اندر و ورد اور عبائیں آتے جاتے تھے۔ لوگ جب انھیں اس ہیئت میں دیکھتے تو کرک آمدا کرک آمدا کی آوازیں لگانے لگ جاتے۔ حضرت سلمانؓ پوچھتے کہ یہ لوگ کیا کہتے ہیں تو لوگ انھیں بتاتے کہ یہ لوگ آپ کو اپنے ایک کھلونے سے تشبیہ دیتے ہیں حضرت سلمانؓ فرماتے کوئی حرج نہیں۔ بھلائی تو وہ ہے جو آج کے بعد ہو یعنی دنیا میں نہیں بلکہ آخرت میں اچھا اور بھلا ہونا اصل بھلائی ہے۔[2]

ہریم کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سلمانؓ کو ایک گدھے کی ننگی پیٹھ پر سوار دیکھا۔ مختصر سی سنبلانی قمیص پہن رکھی تھی جو گھٹنوں تک آجاتی تھی اور ان کے پیچھے بچے جمع ہوگئے تھے۔ یہ دیکھ کر میں نے ان بچوں کو ڈانٹتے ہوئے کہا کہ تم گورنر صاحب سے دور ہٹ کیوں نہیں جاتے۔ حضرت سلمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے سنا تو فرمایا انھیں اپنے حال پر چھوڑ دو، انھیں کچھ نہ کہو۔ بے شک خیر و شر تو آج (اس دنیا) کے بعد ہی ہے۔[3]

---

[1]:- طبقات ابن سعد، ج ۴ ص ۸۷

[2]:- ایضاً

[3]:- ایضاً

قبیلہ بنی عبدالقیس کے ایک شخص کی روایت ہے وہ کہتا ہے کہ میں حضرت سلمان رضؓ کے ہمراہ تھا وہ اس وقت ایک لڑائی میں لشکر اسلام کے سردار تھے ان کا گزر فوجی جوانوں پر ہوا وہ انھیں دیکھ کر (ازرہ مذاق) ہنسنے لگے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے یہ تمہارے سردار ہیں! میں نے حضرت سلمان رضؓ سے عرض کیا اے ابوعبداللہ! آپ دیکھتے نہیں یہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا انھیں کہنے دو جو کچھ کہتے ہیں اور تم انھیں کچھ نہ کہو بیشک بھلائی اور برائی تو آج کے بعد ہوگی۔ اگر تم سے ہو سکے تو خاک پھانک لو لیکن دو آدمیوں پر بھی امیر ہرگز نہ بنو[1]

ان تمام روایات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ سادگی سے رہتے تھے اور طاقت و اقتدار ہوتے ہوئے بھی لوگوں کی سخت سست اور ناگوار باتوں کو بڑے تحمل کے ساتھ برداشت کر لیتے تھے۔ ان سے ہرگز ناراض نہ ہوتے تھے اور نہ انتقامی کارروائی کرنے کا خیال تک دل میں لاتے تھے۔ البتہ آپ شریعت اور قانون کی خلاف ورزی خواہ کسی سے ہو، اسے کبھی برداشت نہ کر سکتے تھے۔ اس وقت یہ مرنجاں مرنج شخصیت تیغ بے نیام بن جاتی تھی۔

۲۰۔ زہد و ورع

دنیا کی دلفریبیوں پر فریفتہ نہ ہونا، حرص و آز سے بچنا اور ہمیشہ آخرت کی فکر کرنا زہد کہلاتا ہے۔ ایک مومن دنیا میں رہتا ضرور ہے اور اپنے معاشرتی تعلقات کو احسن طریقے سے برقرار رکھتا ہے لیکن اپنا دل دنیا میں نہیں لگاتا، اسے وہ ہمیشہ عارضی قیام گاہ سمجھتا ہے اور دارالبقار کے لئے یہاں رہتے ہوئے نیکی اور عمل کا زاد راہ تیار کرتا رہتا

---

[1] :۔ طبقات ابن سعد، ج ۴ ص ۸۷-۸۸

ہے۔ حضرت سلمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے صحیفۂ حیات کا ایک اہم عنوان ان کا زہد فی الدنیا ہے۔

انھوں نے ہمیشہ زاہدانہ انداز سے زندگی بسر کی۔ مختصر سا مکان بنوایا مختصر اثاث البیت رکھا۔ جو کچھ کمایا وہ راہ خدا میں دے دیا۔ لباس عمر بھر سادہ رہا۔ حضرت امام حسن رضؓ بتاتے ہیں کہ حضرت سلمان رضؓ جب گورنر کے عہدے پر متمکن تھے تو ایک عبا میں خطبہ دیا کرتے تھے۔ اس کا آدھا حصہ نیچے بچھایا کرتے اور آدھے حصے سے بدن کو ڈھانپتے تھے[1] اسی طرح ان کے گھر میں بیوی کیلئے جو بستر تھا اس کی کیفیت یہ تھی کہ ایک دری بچھی ہوئی تھی سرہانے کی جگہ اینٹیں رکھی ہوئی تھی اور مختصر سا کپڑا تھا[2]

حضرت حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سلمان رضؓ کو دیکھا ہے وہ ایک گودڑی پہنے ہوئے تھے جس میں کئی کئی پیوند لگے ہوئے تھے[3]

لیکن یہ یاد رہے کہ صحابہ کرامؓ محض ضرورۃً پیوند لگاتے تھے۔ دنیا دار صوفیوں کی طرح از خود پیوند جوڑ کر لباس نہیں بناتے تھے۔ صحابہ کرام اور ان متصوفین کے لباس پیوند لگے ایک جیسے سہی لیکن دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے ؎

اَمَّا الْخِیَامُ فَاِنَّھَا لَخِیَامِھِمْ

وَاَرٰی نِسَاءَ الْحَیِّ غَیْرَ نِسَائِھَا

حضرت ابوبکر شبلیؒ نے ایک بار مرقعے اور خود ساختہ پیوند والا لباس پہنے کچھ لوگوں کو دیکھا جو طریقت کا دعویٰ کرتے تھے تو یہی شعر پڑھا تھا۔ امام محمد باقر رضؓ نے ایسے

---

[1]:۔ طبقات ابن سعد، ج ۴ صہ ۸۷ - حلیۃ الاولیاء ج ۱ صہ ۱۹۷-۱۹۸

[2]:۔ حلیۃ الاولیاء، ج ۱ صہ ۱۹۸

[3]:۔ کشف المحجوب صہ ۷۸

ہی لوگوں کو دیکھ کر فرمایا بھائیو! اگر تمھارے لباس تمھارے باطن کے موافق ہیں تو تم نے لوگوں کو اپنے باطن پر آگاہ کرنا پسند کیا۔ اور اس کے مخالف ہیں تو رب کعبہ کی قسم تم ہلاک ہو گئے۔[1]

لباس کی طرح حضرت سلمانؓ کھانا بھی سادہ اور بہت تھوڑا کھایا کرتے تھے اور بسیار خوری سے انھیں شدید نفرت تھی۔ عطیہ بن عامرؒ کہتے ہیں کہ میں نے مشاہدہ کیا کہ حضرت سلمانؓ ایک بار کھانا کھا چکنے کے بعد پھر اصرار کے باوجود ہرگز نہ کھایا کرتے تھے اور فرماتے تھے حسبی حسبی یعنی میرے لئے یہی کافی ہے۔[2]

کثرتِ فتوحات کی بدولت مسلمانوں میں مال و دولت کی کثرت ہو گئی تھی اور بلاشبہ یہ امتحان و آزمائش کے دور کا سر آغاز تھا جس کے بارے میں مخبرِ صادقؐ نے اندیشے ظاہر کئے تھے۔

سونے چاندی کے جبڑے بڑی تیزی سے ایمان و یقین کو نگلتے جا رہے تھے اور یہ دنیاوی تموّل، روحانی افلاس کا باعث بنتا جا رہا تھا۔ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نگاہ دولت و ثروت کی فراوانی پر پڑتی تو پریشان سے ہو جاتے اور ان کی نگاہوں میں عہدِ نبویؐ کا فقر آ جاتا۔

بنی عبس کے ایک شخص بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت سلمانؓ کے ہمراہ سیر کر رہا تھا، آپ فتوحات اور کسریٰ ایران کے خزانوں کا تذکرہ کرنے لگے جو مسلمانوں کے ہاتھ لگے تھے۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمھیں یہ خزانے، یہ فتوحات اور یہ نعمتیں عطا فرمائیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان خزانوں کو روکے رکھا جب تک رسولِ پاکؐ دنیا میں زندہ رہے۔ اس وقت تو

---

[1] :۔ تلبیس ابلیس ص ۲۵۹، ۲۶۰

[2] :۔ حلیۃ الاولیاء، ج ۱ ص ۱۹۸ ۔

صحابہ کی حالت ہوتی تھی کہ وہ صبح اٹھتے تھے تو ان کے پاس نہ درہم و دینار ہوتا تھا اور نہ مد برابر غلہ۔

اس کے بعد ہی یہ سب کچھ دولت آئی۔ عبسی شخص کہتے ہیں پھر ہمارا گزر ایک ایسے کھلیان پر ہوا جہاں غلہ برسایا جا رہا تھا حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر فرمایا بے شک وہ ذات جس نے تم کو یہ خزانے دیئے، یہ فتوحات دیں اور یہ نعمتیں عطا کیں بیشک اس نے کسریٰ کے خزانوں کو روکے رکھا جب تک کہ حضرت رسول اکرمؐ حیات تھے اور آپ کے صحابہ اس حالت میں صبح کرتے تھے کہ ان کے پاس نہ کوئی درہم ہوتا اور نہ دینار اور اسی طرح نہ کوئی مدّ غلّہ۔ اس کے بعد ہی اے عبسی بھائی یہ سب کچھ ہوا۔[1]

یہ دلفریب اور پرکشش دنیا اپنی تمامتر رعنائیوں کے ساتھ حضرت سلمانؓ کو دعوتِ نظارہ دیتی رہی لیکن اس پیکرِ زہد فقرِ محمدی کے سرمست نے اسے ایک آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا اور ہمیشہ اتباعِ رسولؐ میں قل العفو پر عمل پیرا رہے ؎

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مردِ درویش جس کو حق نے دیئے ہیں اندازِ خسروانہ

۲۱۔ تقویٰ و طہارت

تقویٰ دراصل صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے بچنے، شک و شبہ والی چیزوں سے پرہیز کرنے، ہر حال میں خدا سے ڈرتے رہنے اور اعمالِ صالحہ کو حُسن و خوبی کے ساتھ سرانجام دینے کا نام ہے۔ حضرت سلمانؓ کا لباس گو سادہ اور پیوندوں پر مشتمل تھا لیکن ان کا باطن تقویٰ کے نور سے منوّر تھا اور وہ ایک ایسے لباس سے بھی آراستہ تھے جو کسی کسی کو

---

[1] : حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۹۸

نصیب ہوتا ہے اور یہ لباس ان پر تقوے کا لباس تھا ۔ وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِكَ خَیْرٌ ۔ (القرآن)

ان کی پوری زندگی تقوے وطہارت سے عبارت تھی ۔ وہ اہلِ بیتِ نبوت میں سے تھے اور منشاء قدرت یہی تھا کہ خاندانِ نبوت کے تمام افراد تقویٰ وطہارت میں ممتاز رہیں اور حرص وآز کی آلودگیوں سے ہمیشہ پاک وپاکیزہ رہ کر زندگیاں بسر کریں چنانچہ یہ بزرگ واقعی ان خوبیوں کا مرقع تھے جن پر اخلاق فاضلہ کی عمارت قائم ہے ۔ یہ نعمتِ عظمیٰ اور فضیلت کبریٰ بلاشبہ ان بزرگوں کی ذاتی کوشش اور موہبت ربانی کی رہینِ منت تھی ۔

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیاتِ طیبہ طہارت ظاہرہ وباطنہ کی بہترین مثال ہے ۔ ان سے جو احادیث مروی ہیں وہ بھی اکثر وبیشتر طہارت اور غسل جمعہ کے باب میں ہیں ۔ اس سلسلے میں مشرکین اور منافقین کی ملامت کی پروا کئے بغیر روایات بیان کیا کرتے تھے ۔ ان کی اپنی زندگی گواہی دیتی ہے کہ وہ رزائل اخلاق سے پوری طرح مجتنب، اخلاقِ حسنہ سے پوری طرح آراستہ اور تزکیۂ نفس اور طہارتِ قلب میں اپنی مثال آپ تھے ۔ ان کے دل ودماغ میں خدائے واحد کی محبت رچی بسی ہوتی تھی، ان کا خانۂ دماغ بتانِ وہم وگماں سے یکسر خالی اور دل غیر اللہ کی محبت سے پاک تھا ۔ ان کے جسم کا انگ انگ تقویٰ وطہارت کے نور سے منور اور خالق کون ومکاں کے انوار و تجلیات کا امین تھا ۔ ان کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ اگرچہ وہ مجازی طور پر اہل بیت میں شامل تھے لیکن اس کے باوجود وہ ہر چیز سے بچتے تھے جس میں صدقے کا ادنیٰ سا شائبہ بھی ہوتا ۔

ابویعلی الکندیؒ کی روایت ہے کہ حضرت سلمانؓ کے ایک غلام نے کہا کہ مجھے مکاتب بنا لیجئے اور آزاد کر دیجئے آپ نے فرمایا آپ کے پاس کیا کچھ ہے؟ وہ کہنے لگا کہ لوگوں سے مانگ کر مکاتبت کی رقم ادا کر دوں گا ۔ آپ فرمانے لگے اچھا تو آپ

مجھے لوگوں کا دھووَن کھلانا چاہتے ہو۔

روایت اگرچہ اس کے بعد کچھ نہیں کہتی لیکن قرائن یہی بتاتے ہیں کہ آپ نے وہ مال قبول کرنے سے انکار کر دیا اور اسے بلا معاوضہ آزاد کر دیا ہوگا۔ حالانکہ نگاہ فتویٰ میں اس کے سوال کرنے سے جمع شدہ مال حضرت سلمانؓ کے لئے ہرگز صدقہ نہ ہوتا۔

آپ کے تقویٰ کی ایک اور مثال یہ بھی ہے کہ آپ اہل عرب کو ان کی سبقت ایمانی کی وجہ سے فضیلت کا حقدار سمجھتے تھے اس لئے نماز میں ان کی امامت کرانے اور عرب عورتوں سے نکاح کرنے سے گریز کرتے تھے جب کہ اہل فتویٰ کے نزدیک علم و فضل میں ممتاز عجمی عربوں کے ہم کفو ہیں۔

۲۲۔ صبر و استقامت

صبر و استقامت اصل ایمان اور پیشوائی کے لئے شرطِ اولین ہے۔ حضرت سلمانؓ نے اپنے علم و یقین کی بنیاد پر جب سمجھ لیا کہ خدا ایک ہے اور خدائے واحد کی سچی عبادت، انسانی زندگی کا مقصدِ وحید ہے تو وہ اس خدا کی صحیح معرفت اور عبادت کے درست طریقے کو معلوم کرنے کے لئے گھر بار چھوڑنے اور رشتہ داروں سے منہ موڑنے پر آمادہ ہو گئے۔ آبائی مذہب مجوسیت کو چھوڑ دیا اور ایسا کرتے وقت تکلیفیں بھی اٹھائیں مگر پائے ثبات میں کوئی لغزش نہ آئی۔ پھر بہت سے ماہ و سال عیسائی علماء کی خدمت میں بسر کئے۔ بھوک پیاس کے صدمے سہے اور طرح طرح کی تکالیف برداشت کیں بالآخر جب انھیں یہ معلوم ہو گیا کہ ان کے درد کا درماں پیغمبر آخر الزمانؐ کے ہاں ہے تو بے خوف و خطر اس راہ پر نکل کھڑے ہوئے جہاں انھیں گوہر مقصود ملنے کا یقین تھا۔ اس راہ میں بھی انھیں بہت سی تکالیف و شدائد کا سامنا کرنا پڑا کئی اشخاص کے ہاں غلام بنے اور غلامی کے دکھ بڑے صبر و سکون کے ساتھ برداشت کرتے رہے۔ اسلام لائے تو انھیں

اپنا مقصد حاصل ہو گیا اور صبر کے دوسرے مرحلے کا آغاز ہوا یعنی باطل کے مقابلے میں ڈٹ کر نبرد آزما ہونے کا۔ چنانچہ انھوں نے عہدِ نبوی ؐ کے تمام غزوات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور میدان جنگ میں مثالی ثابت قدمی دکھائی۔ صبر کا تیسرا مرحلہ غلبہ و اقتدار کے بعد تحمل و بردباری کا رویہ اختیار کرنا اور عفو و احسان سے کام لینا ہے۔ حضرت سلمانؓ صبر کے اس میدان میں بھی کسی سے پیچھے نہیں رہے۔ جب وہ گورنر مدائن بنے تو وہ سراپا عفو و تحمل دکھائی دیتے ہیں۔ لوگ ایسی باتیں ان کے سامنے کہہ دیتے اور ایسی حرکتیں کر گزرتے جن پر عام انسان غصے سے بے قابو ہو جاتا ہے لیکن وہ صاحب عزیمت بزرگ تھے کہ چہرے پر ملال تک نہ لاتے تھے۔ سب سے درگذر کرتے اور ان کی خدمت میں مصروف رہتے تھے۔ ان کا زہد و تقویٰ اور اندازِ زیست بھی ان کے بے پناہ صبر و استقامت کی روشن دلیل ہے۔

۲۳- ایثار و قربانی

ایثار و قربانی صحیفۂ انسانیت کی پہلی آیت اور اہلِ درد کا اولیں شعار ہے۔ کتاب و سنت میں ایثار پیشہ لوگوں کی تعریف و توصیف بڑے دل کش انداز میں بیان کی گئی ہے۔ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی داستانِ حیات کا ایک اہم باب ایثار و قربانی ہے۔ دین کی خاطر گھر بار، رشتے دار اور وطن قربان کر دینا ان کے جذبۂ قربانی کی ایک ہمیشہ یاد رہنے والی مثال ہے۔ ان کی قربانی کا ایک اور پہلو اپنی تمام تر خواہشات کو مرضاتِ الٰہی اور رضائے رسول ؐ کے تابع کر دینا ہے۔ اس کے علاوہ زندگی بھر جو کچھ کماتے رہے، اپنی ذات کے لئے نہیں کماتے رہے بلکہ دوسروں پر ایثار کرتے رہے۔

وہ انتہائی محنت و مشقت سے کماتے تھے لیکن بہت تھوڑا اپنے اور اپنے اہلِ و عیال پر خرچ کرتے تھے اور باقی سب کچھ راہ خدا میں دے دیتے۔ تلاشِ معاش میں ہمیشہ

سرگرمِ عمل رہے اور مختلف طریقوں اور پیشوں سے کسبِ معاش کیا لیکن یہ کدوکاوش ہمیشہ دوسرے ضرورت مند انسانوں کی حاجت روائی کے لئے تھی۔ خود تو خوردن برائے زیستن پر عمل پیرا تھے۔ صرف اتنا کھاتے تھے کہ جسم و جان کا رشتہ برقرار رہ سکے بلکہ بسا اوقات خود بھوکے رہتے تھے اور دوسروں کو کھلایا کرتے تھے۔

ایثار و قربانی کی تربیت انھیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اہلِ بیت سے حاصل ہوئی تھی۔

اہلِ بیتِ نبوت بلاشبہ ایثار و قربانی کی جیتی جاگتی تصویریں تھیں۔ ان کے بارے میں ایک واقعہ بڑا مشہور ہے کہ ایک دفعہ قبیلہ بنی سلیم کا ایک بوڑھا شخص اسلام لایا تو رسول پاکؐ نے صحابہ کرامؓ کو اس کی امداد کرنے کے لئے فرمایا چنانچہ صحابہ کرامؓ نے اس شخص کی امداد کی۔

حضرت سعد بن عبادہؓ نے اپنی اونٹنی عطا کی تو حضرت علیؓ نے اپنا عمامہ لیکن کھانے پینے کا بندوبست نہ ہو سکا۔ حضرت سلمانؓ کہتے ہیں کہ میں اسے لے کر سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس مسکین کو کھانا کھلانے کی درخواست کی۔ جناب سیدہ نے آبدیدہ ہو کر جواب دیا کہ گھر میں کھانے کو تو کچھ نہیں۔ ہم خود تین روز سے فاقے سے ہیں۔ ہاں یہ کرو کہ میری چادر شمعون یہودی کے پاس لے جاؤ اور رہن رکھ کر غلہ لے آؤ۔

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس مسکین کو ساتھ لے کر یہودی کے پاس پہنچے اور اسے تمام کیفیت بیان کر دی۔ وہ حیران رہ گیا اور پکار اٹھا کہ اے سلمان! خدا کی قسم یہ وہی لوگ ہیں جن کی خبر تورات میں دی گئی ہے۔ گواہ رہنا کہ فاطمہؓ کے باپ پر ایمان لایا۔ اس کے بعد اس نے کچھ غلہ حضرت سلمانؓ کو دے دیا اور چادرِ زہرا بھی بصد عزت و احترام واپس کر دی۔ حضرت فاطمہؓ نے آٹا پیسا، روٹی پکائی اور مسکین کو بھجوا دی۔ حضرت سلمانؓ نے تقاضا کیا کہ کچھ اپنے بچوں کے لئے بھی رکھ لیجیے۔ لیکن حضرت سیدہؓ نے فرمایا جو چیز

میں راہ خدا میں دے چکی ہوں وہ ہمارے لئے جائز نہیں۔

۲۴۔ ہمدردی و غمخواری

اسلام کے سماجی نظام کی بنیاد ہی محبت و رافت پر ہے۔ انسان کا لفظ انس سے بنا ہے لہٰذا انسانیت کا تقاضا یہی ہے کہ دوسرے انسانوں سے محبت و یگانگت کا سلوک کیا جائے اور ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی سے پیش آیا جائے۔ دردمندی اور ہمدردی انسان کا طرۂ امتیاز ہے ؎

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ دردمند دل لے کر دنیا میں آئے تھے۔ اس لئے جب وہ کسی کو دکھ میں دیکھتے تو ان کا دل بے اختیار درد سے بھر آتا تھا۔ سچ ہے کہ دردمند ہی کو دوسرے دکھی انسان کا احساس ہوتا ہے۔

ع فانّ الحزین یُواسی الحزینا

وہ نہ صرف دوسروں کے دکھ درد کا احساس کرتے تھے بلکہ ان کی تکالیف دُور کرنے کی کوشش بھی ضرور کیا کرتے تھے۔ حضرت ابوالدرداءؓ کی زوجہ حضرت ام الدرداءؓ کو پریشان حال دیکھا تو حضرت ابوالدرداءؓ کو اپنی بیوی کے حقوق ادا کرنے کی تاکید کی۔ خود اگرچہ زہد کی زندگی بسر کیا کرتے تھے لیکن اس کے باوجود انھیں اپنے ماتحت ملازموں کا بے حد خیال رہتا تھا۔

حارثہ بن مُضرِبؒ کہتے ہیں کہ حضرت سلمانؓ فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنے خادم کو اس کی ضروریات کی تمام چیزیں مہیا کر دیتا ہوں تاکہ وہ میرے بارے میں بدگمانی نہ کرے یعنی وہ یہ نہ سمجھے کہ میں خود تو خوب کھا پی لیتا ہوں اور اسے تھوڑا دیتا ہوں [1]

---

[1]: حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۲۰۲۔ طبقات ابن سعد ج ۴ ص ۸۹

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے ملازم کی تکلیف کا اس قدر احساس رہتا تھا کہ کبھی اسے زیادہ کام کرنے پر مجبور نہیں کرتے تھے۔

ابو قلابہؒ کا بیان ہے کہ ایک شخص حضرت سلمانؓ کے پاس گیا تو دیکھا کہ حضرت خود بیٹھے آٹا گوندھ رہے ہیں۔ وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ ملازم کو کسی کام کے لئے بھیجا تھا اب ہم نے یہ پسند نہ کیا کہ اس پر دوسرے کام کا بوجھ ڈالا جائے لہٰذا یہ کام خود کر لیا[1]

ان کا دستر خوان ہمیشہ دوسروں کے لئے وسیع ہوتا تھا۔ غرباء، فقراء، مساکین اور یتامیٰ ان کے ہاں آتے جاتے تھے اور محنت مزدوری سے جب کوئی خاص آمدنی ہو جاتی تھی تو بطور خاص معذوروں کو دعوتِ طعام دیا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن بریدہؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ہاتھ سے محنت کر کے کماتے تھے جب کوئی چیز ملتی تو اس سے گوشت یا مچھلی خرید لیتے اور اپاہج لولے لنگڑے اور معذور لوگوں کو بلاتے اور ان کے ساتھ مل کر کھایا کرتے تھے[2]

معذور مساکین کی دعوت کے علاوہ وقتاً فوقتاً دوسرے لوگوں کو بھی کھانے پر بلایا کرتے تھے لیکن مہمانوں کو آدابِ ضیافت ملحوظ رکھنے اور مساکین کو کمتر نہ سمجھنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔

ابو البختریؒ نے ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک بار حضرت سلمانؓ نے ایک شخص کو دعوتِ طعام دی وہ شخص کھانا کھا رہا تھا کہ ایک مسکین اُدھر آنکلا۔ اس شخص نے اسے روٹی کے بچے ہوئے ٹکڑے دینے شروع کر دیئے۔ آپ نے دیکھا تو اس مہمان کو ایسا کرنے سے روک دیا اور فرمایا میں نہیں چاہتا کہ کھلانے کا ثواب تو مجھے ہو اور بچے کھچے ٹکڑے مسکین

---

[1]:۔ حلیۃ الاولیاء ج ۱، ص ۲۰۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۴ ص ۹۰

[2]:۔ حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۲۰۰

کو دینے کا عذاب سمجھے ہو۔[1]

حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس مہمان کے ساتھ جو طرز عمل اختیار کیا وہ بھی بلا شبہ ہمدردی اور خیر خواہی پر مبنی تھا کیونکہ وہ شخص بچے کھچے ٹکڑے کھلا کر مسکین کی بے حرمتی کا باعث بن رہا تھا اور میزبان کی اجازت کے بغیر کر رہا تھا اس لئے بھی خدا کے ہاں اس کی باز پرس ہوتی۔

عیادتِ بیماراں ہمدردی کے اظہار کا ایک مقبول طریقہ ہے حضرت سلمانؓ کو جب پتہ چلتا کہ ان کا کوئی مسلمان بھائی بیمار ہے تو وہ بیمار پرسی کے لئے ضرور جایا کرتے تھے اور بیمار کو تسلی دیا کرتے تھے۔ حضرت سعید بن وہبؓ کہتے ہیں کہ میں حضرت سلمانؓ کے ہمراہ ان کے ایک بیمار دوست جو محلہ کندہ میں تھا عیادت کے لئے گیا۔ حضرت سلمانؓ نے اس کی مزاج پرسی کے بعد اس سے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندے کو بیماری کے ذریعے آزمائش میں مبتلا کرتا ہے اور پھر اسے عافیت عطا کرتا ہے۔ پس وہ بیماری اور تکلیف اس کے گذشتہ گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے اور بقیہ زندگی کے لئے یہ امر ذخیرہ ثواب بن جاتا ہے جب کہ فاجر شخص کو جب وہ بیماری میں مبتلا کرتا ہے اور اسے عافیت دے دیتا ہے تو اس اونٹ کی طرح ہوتا ہے جسے مالک نے کچھ عرصہ کے لئے باندھ دیا ہو اور پھر کھول دیا ہو۔ اس اونٹ کو کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ اسے کیوں باندھا گیا تھا اور کیوں اسے چھوڑ دیا گیا۔[2]

اس روایت میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ ایک حدیثِ رسولؐ کے مفہوم پر مبنی تھا اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ بیماری بھی مردِ مومن کے لئے ضروری انتباہ، ذریعہ نجات اور گناہوں کے کفارے کا درجہ رکھتی ہے۔ اگر وہ بیماری میں صبر اور بعافیت اور شفایابی پر شکر

---

[1] : حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۲۰۰

[2] :۔ ایضاً ص ۲۰۶

خداوندی ادا کرتا ہے تو یہ بیماری اس کے لئے نعمت سے کم نہیں ہے۔

وہ جب لوگوں کو دنیاوی مال و دولت پر جان دیتے مشاہدہ کرتے تو انھیں بہت دکھ ہوتا اس وقت وہ سراپا روحانی کرب میں ڈوبا ہوا نالۂ غم بن جاتے تھے اور لوگوں کو مخبرِ صادقؐ کی تنذیریں یاد دلاتے تھے۔ اسی طرح فتوحاتِ ایران کے مواقع پر انھوں نے اپنے ہم وطنوں کو بڑی دلسوزی کے ساتھ تبلیغ کی اور کفر کی ہلاکت سے بچنے اور اسلام کے دامانِ عافیت میں پناہ لینے کی پرزور تلقین کی۔ ان کی صدائے دعوت کا یہ غلغلہ ہر میدان اور ہر جنگ میں بلند ہوتا رہا۔ ایسی آواز کہ جس کا سوز و گداز پتھروں کو پانی کر دینے کے لئے کافی تھا۔ وہ سعادت مند تھے جو اسلام لے آئے اور شقاوت جن کا مقدر بن چکی تھی وہ اس نعمت سے محروم رہے۔

حضرت سلمانؓ مظلوموں کے ہمیشہ سے ہمدرد تھے۔ جب کسی پر ظلم ہوتے دیکھتے تو برداشت نہ کر سکتے تھے اور مظلوم کی نہ صرف دلجوئی کرتے تھے بلکہ ظلم و زیادتی کرنے والے سے اس کی حق رسی کرا کر رہتے تھے۔ مظلوم اور ستم رسیدہ لوگوں کو ان کی انصاف پسندی پر بھرپور اعتماد تھا اس لئے وہ لوگ داد رسی کے لئے آپ کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔

ابو نہیکؒ اور عبداللہ بن حنظلہؒ کہتے ہیں کان الانسان اِذَا ظُلِمَ اشتکی الی سلمان (جب کسی انسان پر زیادتی ہوتی تھی تو وہ حضرت سلمانؓ کے پاس آکر شکایت کیا کرتا تھا[1])

حضرت سلمانؓ لوگوں کی خطاؤں سے بالعموم درگزر کیا کرتے تھے اور آپ یہی چاہتے تھے کہ لوگوں کے جن گناہوں پر اللہ تعالیٰ نے پردہ ڈال دیا ہے۔ ان سے چشم پوشی کرنی چاہیئے اور لوگوں کو سزائیں دینے سے حتی الامکان اجتناب کرنا چاہیئے۔

ابو مجزاہ نے ایک بار اعلان کر دیا کہ جس کسی نے کوئی گناہ کیا ہو تو لوگ اسے پکڑ کر ہمارے

---

[1]: حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۲۰۱

پاس لائیں تاکہ ہم اسے سزا دے کر پاک کر دیں۔ چنانچہ کچھ لوگوں کو پکڑ کر اس کے پاس لایا گیا اور ابو مجزاۃ نے انھیں مارنا پیٹنا شروع کر دیا۔ حضرت سلمانؓ کو پتہ چلا تو آپ اس کے پاس تشریف لے گئے اور دریافت فرمایا کیا تمھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے گناہوں سے معافی کی کوئی ضمانت دے رکھی ہے کہ جو کچھ کرو وہ معاف کر دے گا۔

وہ بولا نہیں ایسا تو نہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا تو پھر کوڑے کو پھینک دو، اللہ تعالیٰ نے جس شخص کی پردہ پوشی کر دی ہے تم اس کی پردہ دری نہ کرو اور خواہ مخواہ لوگوں کو سزائیں نہ دیا کرو[1]

یہ واقعہ بلاشبہ حضرت سلمانؓ کی ہمدردی، دردمندی اور مخلوقِ خدا پر شفقت کی ایک مثال ہے اور ان کی زندگی ایسی مثالوں سے بھرپور ہے۔

---

[1] سنن بیہقی ج ۸ ص ۳۳۲
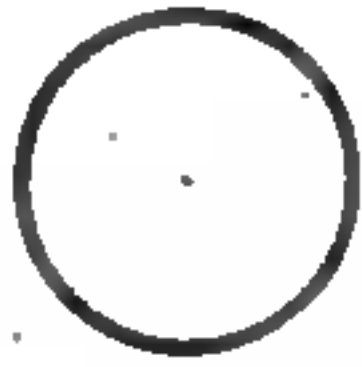
باب چہارم

فرمان سلمانؓ

(اقوال و آثار)

ذکر — عمل اکبر

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے دریافت کیا کہ سب سے بڑا عمل کیا ہے؟

آپؓ نے فرمایا کیا تم نے قرآن پاک نہیں پڑھا۔ اس میں واضح طور پر بیان ہے وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ (بے شک اللہ کا ذکر ہی افضل ہے)[1]

صدائے مانوس و مقبول : صدائے مردود و نامقبول

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب بندہ راحت، مسرت اور ثروت کے لمحات میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا رہتا ہے پھر اسے کبھی کوئی تکلیف آپہنچے اور خدا کے حضور فریاد کرے تو فرشتے سن کر کہتے ہیں کہ یہ تو مانوس آواز ہے جو اس بندہ ضعیف کی ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی سفارش کرتے ہیں۔ اس کے برعکس جو شخص اپنے راحت کے اوقات میں اللہ کو یاد نہ کرتا ہو اور تکلیف پہنچنے پر جب یاد کرے تو فرشتے کہتے ہیں کہ یہ کیسی غیر مانوس آواز ہے (لہٰذا وہ سفارش نہیں کرتے)[2]

---

[1]:- فضائل ذکر صـ ۲۰

[2]:- فضائل ذکر صـ ۲۱

شکرِ نعمت: دعائے برکت

حضرت ابراہیم التیمیؒ کہتے ہیں کہ حضرت سلمانؓ کے سامنے جب کھانا رکھا جاتا تھا تو یہ دعائیہ کلمات کہا کرتے تھے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ کَفَانَا الْمَئُوْنَۃَ وَ وَاَحْسَنَ الرِّزْقِ[1]

ترجمہ: ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہماری گھریلو ضرورت پوری کی اور ہمیں عمدہ رزق عطا فرمایا۔

حارث بن سویدؒ سے روایت ہے کہ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کھانا کھاتے تو یہ کہا کرتے تھے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ کَفَانَا الْمَئُوْنَۃَ وَاَوْسَعَ عَلَیْنَا فِی الرِّزْقِ[2]

ترجمہ: سب تعریفیں اس ذاتِ حق کے لئے ہیں جس نے ہماری ضرورت پوری کی اور ہمیں رزق میں وسعت عطا فرمائی۔

احسان فی الصلوٰۃ: پیمانۂ حسنات

سالم بن ابی الجعدؒ حضرت سلمانؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا
اَلصَّلٰوۃُ مِکْیَالٌ فَمَنْ وَفّٰی اُوْفِیَ لَہٗ وَمَنْ نَقَصَ فَقَدْ عَلِمْتُمْ مَاقِیْلَ لِلْمُطَفِّفِیْنَ[3]

ترجمہ: نماز ایک پیمانہ ہے پس جس کسی نے اسے پورا پورا ادا کیا اسے (ثواب بھی)

---

[1] :۔ طبقات ابن سعد، ج ۴ ص ۸۹

[2] :۔ ایضاً

[3] :۔ سنن بیہقی ج ۲ ص ۲۹۱

پورا پورا دیا جائے گا۔ اور جس نے اس پیمانۂ نماز میں کمی کر دی تو تم اچھی طرح جانتے ہی ہو کہ تھوڑا ناپنے تولنے والوں کے بارے میں (کلام پاک میں) کیا کہا گیا ہے۔

تشریح: نماز عبادات ظاہرہ میں سے اہم ترین عبادت ہے۔ روز محشر اگر یہ قبول ہو گئی تو باقی تمام عبادتیں قبول ہو سکیں گی وگرنہ نہیں۔ اس نماز کو خلوص نیت، حضور قلب، اطمینان ارکان اور خشوع و خضوع کے ساتھ خوشنودیٔ خدا کے لئے طریقہ سنت کے مطابق یعنی پورے آداب کے ساتھ ادا کرنا چاہیئے۔ ادائیگی نماز میں جس قدر حسن و خوبی سے کام لیا جائے اسی قدر زیادہ اجر و ثواب ہو گا۔

ناپ تول میں کمی کرنے والوں کا جو حوالہ حضرت سلمانؓ نے دیا ہے وہ سورہ مطففین کی ابتدائی آیات کی طرف اشارہ تھا جن میں ایسے لوگوں کی خرابی، ہلاکت اور جہنمی ہونا بیان کیا گیا ہے۔

اصلاحِ باطن: اصلاحِ ظاہر

حضرت ابوالبختریؒ کہتے ہیں کہ حضرت سلمانؓ نے فرمایا:

لِكُلِّ امْرِئٍ جَوَّانِيٌّ وَبَرَّانِيٌّ فَمَنْ يُصْلِحْ جَوَّانِيَهُ يُصْلِحِ اللّٰهُ بَرَّانِيَهُ وَمَنْ يُفْسِدْ جَوَّانِيَهُ يُفْسِدِ اللّٰهُ بَرَّانِيَهُ[1]

ترجمہ: ہر انسان کے لئے باطن اور ظاہر ہے۔ جس نے اپنے باطن کی اصلاح کر لی، اللہ تعالیٰ اس کے ظاہر کی بھی اصلاح کر دے گا اور جس نے اپنے باطن کو خراب کر لیا تو اللہ تعالیٰ اس کے ظاہر کو بھی درست نہیں کرے گا۔

---

[1]: حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۲۰۳

تشریح : اس قول کا مطلب یہ ہے کہ عبادات ظاہرہ خدا اور اس کے رسول کے احکام کے مطابق ضرور سر انجام دینی چاہئیں لیکن یہ عبادات قابل قبول تب ہو سکتی ہیں جب باطن کی اصلاح بھی ساتھ کر لی جائے۔ اصلاح باطن یہ ہے تزکیۂ نفس کیا جائے اور تطہیر قلب ہو، نیت کا خلوص ہو اور ریاکاری سے اجتناب کیا جائے۔ اس سلسلے میں عبادات کے آداب اور تقاضوں کا بھی پوری طرح لحاظ رکھا جائے ورنہ محض نیکی اور عبادت کا کام کر دینے سے ضروری نہیں کہ خدا کے ہاں قبول ہو گیا ہو بلکہ بعض اوقات ایسے اعمال منہ پر مار دیئے جاتے ہیں جو خلوص باطن سے عاری ہوں۔ دل کی روحانی بیماریوں میں مبتلا شخص کی ہر عبادت سعی لاحاصل ثابت ہوتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات گرامی میں سے ہے کہ آپ نے فرمایا رُبَّ تَالٍ لِلْقُرْاٰنِ وَالْقُرْاٰنُ یَلْعَنُہٗ یعنی بہت سے قرآن پڑھنے والے ایسے ہیں کہ قرآن ان پر لعنت بھیجتا ہے۔

ایک حدیث یہ بھی ہے رُبَّ صَائِمٍ لَیْسَ لَہٗ مِنْ صِیَامِہٖ اِلَّا الْجُوْعُ وَالظَّمَاءُ یعنی بہت سے ایسے روزہ دار ہیں کہ انہیں روزہ رکھنے سے سوائے بھوک پیاس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

مختصر یہ ہے کہ جس کا دل مادی کدورتوں سے پاک اور نفس اپنی خواہشات سے ہٹ کر مرضاتِ الٰہی کا تابع ہو جائے تو انسان نفس مطمئنہ کا مقام بلند حاصل کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے ظاہر کو سنوار دیتا ہے چنانچہ اسے عبادات میں ایک عجیب قسم کا کیف و سرور میسر آتا ہے اور اس کے اعضاء و جوارح نورِ ایمان سے جگمگا اٹھتے ہیں۔

زہد و ورع : نور و ہُدیٰ

حضرت سلمانؓ سے منقول ہے کہ انھوں نے فرمایا:

اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا زَہَدَ فِی الدُّنْیَا اِسْتَنَارَ قَلْبُہٗ بِالْحِکْمَۃِ وَتَعَاوَنَتْ

اَعْضَاءُہٗ فِی الْعِبَادَۃِ ھٰذِہٖ ھٰذِہٖ[1]

ترجمہ: بے شک جب بندہ دنیا میں زہد اختیار کر لیتا ہے تو اس کا دل نورِ حکمت سے منور ہو جاتا ہے اور اس کے اعضا عبادت میں اس اس طرح اس کے ساتھ تعاون کرنے لگتے ہیں۔

تشریح: زہد کی وجہ سے انسان کا دل مادی کدورتوں اور حرص و آز سے بالکل پاک ہو جاتا ہے اور فکرِ آخرت کا جذبہ اس کے دل و دماغ اور رگ و پے میں موجزن ہو جاتا ہے جس کی بدولت اس کے اعضا و جوارح عبادتِ الٰہی میں سرگرمِ عمل رہتے ہیں اور عبادت میں اسے سرورِ سرمدی حاصل ہوتا ہے۔ عباداتِ ظاہرہ کے علاوہ خدمتِ خلق بھی ہمیشہ ایسے ہی لوگوں کا شعار ہوتا ہے۔

دنیا میں خاکساری: آخرت میں سرفرازی

حضرت جریر بن عبد اللہ البجلیؓ سے روایت ہے کہ حضرت سلمانؓ نے انھیں فرمایا یَا جَرِیْرُ تَوَاضَعْ لِلّٰہِ تَعَالٰی فَاِنَّہٗ مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ فِی الدُّنْیَاءِ رَفَعَہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ[2]

ترجمہ: اے جریر! تم اللہ تعالیٰ کی خاطر جھک کر رہو کیونکہ بے شک جو شخص اللہ تعالیٰ کی خاطر دنیا میں تواضع اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے ضرور سربلند کرے گا۔

تشریح: دنیا میں اللہ کی رضا کی خاطر متواضع بننا، خدا کی اطاعت میں لگے رہنا اور خلقِ خدا

---

[1]: منہاج الدین ص ۱۳

[2]: حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۲۰۲

سے عجز و انکسار سے پیش آنا بہت بڑی نیکی ہے جس کا اجر یقیناً آخرت میں ملے گا اور وہاں متواضع کو مرتبہ بلند میسر ہو گا۔ دنیا میں مال و دولت کی کثرت یا جاہ و مرتبہ کی وجہ سے نخوت و غرور کا سودا دماغ میں سما جانا دون ہمت، کم ظرف اور ناعاقبت اندیش لوگوں کا کام ہے کیونکہ یہ دنیاوی چیزیں تو بالآخر فنا ہو جانے والی ہیں۔

ضبط و تحمّل: مومن کا دستور العمل

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا غصّے کو روکو، غصہ آبھی جائے تو اپنے ہاتھ اور زبان پر قابو رکھو۔ ان کا قول یہ بھی ہے کہ جھگڑا، قبل اس کے کہ بڑھ جائے تم اس سے علیحدہ ہو جایا کرو۔ حضرت سلمان رضؓ کے بارے میں یہ روایت ہے کہ کسی سر پھرے نے آپ کو گالیاں دیں۔ جواب میں حضرت سلمان رضؓ کہنے لگے بھائی! میں مٹی سے پیدا ہوا ہوں مٹی میں مل جاؤں گا۔ اگر قیامت کے روز میرے گناہوں کا پلہ بھاری ہو گیا تو میں اس سے بدتر ہوں جو تم کہہ رہے ہو۔[1]

موتوا قبل اَن تموتوا

روایت ہے کہ حضرت سلمان رضؓ اپنی مادری زبان فارسی میں اپنے آپ سے مخاطب ہو کر فرمایا کرتے تھے۔ سلمان بمیر (اے سلمان! مر جاؤ)[2]

ایک مردِ مومن کے لئے معراجِ کمال یہ ہے کہ وہ اپنی نفسانی خواہشات کو مار دے اور صرف اسی چیز کو چاہے جس کو اللہ اور اس کے رسول چاہتے ہیں۔ اس کی تمامتر

---

۱ :- دانش کدہ ص ۱۳۵، ۱۳۶

۲ :- طبقات ابن سعد، ج ۴ ص ۹۰

خواہشات مرضاتِ الٰہی کے تابع اور منشائے پیغمبر کے عین مطابق ہو جائیں۔ یہ انداز زیست بقا بعد الفنار اور الصحو بعد المحو کا ہے۔ یہی مطلوب شریعت اور یہی منتہائے طریقت ہے۔ اس طرح دنیا میں رہتے ہوئے مرجانا حیات ابدی اور سعادت سرمدی ہے مرنا چاہیئے تو ہمیشہ ایسے ہی مرنا چاہیئے ؎

لیس مَن مات فاستراح بمیتٍ
انّما المیت مَیتُ الاحیاء

عشقِ الٰہی کا تقاضا یہی ہے کہ انسان مرنے سے پہلے ترکِ شہوات اور نفس امّارہ کی سرکوبی کرتے ہوئے گویا اپنے آپ کو مٹا ڈالے اور اس کے بعد مرضاتِ الٰہی کے مطابق زندگی بسر کرے۔ مرنے سے پہلے مرجانا واقعی بلند ہمت لوگوں کا کام ہے جو لوگ فنا یعنی خواہشاتِ نفس کی قربانی نہیں دے سکتے ان سے بقا یعنی مردانِ با خدا کی سی زندگی گزارنے کی توقع کرنا فضول سا ہے ؎

ومن لم یمت فی حبہٖ لم یعش بہٖ
ودون اجتناء النحل ماجنت النحل

فرزندِ توحید : فردِ فرید

روایت ہے کہ ایک مجلس میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے کسی شخص سے فرمایا کہ اپنا نسب بیان کیجئے۔ اس نے بیان کر دیا پھر کسی اور سے نسب بیان کرنے کی فرمائش کی گئی۔ اس نے بھی اپنا نسب بیان کیا۔ اس طرح لوگ اپنے نسب بیان کرتے رہے۔ بات جب حضرت سلمانؓ تک پہنچی تو انھوں نے فرمایا کہ میں اپنے آبار و اجداد میں سے کسی کو اسلام کی حالت میں نہیں جانتا۔ میں تو اتنا جانتا ہوں کہ میں سلمان ابن اسلام ہوں اور بس۔ مزید براں میرے علم میں سرکار رسالت مآبؐ کا یہ ارشاد گرامی بھی ہے کہ

اگر کوئی شخص اپنے آبا میں سے نو شخص دورِ جاہلیت کے گنوائے تو دسواں بھی جہنم میں ہوگا اور اگر کوئی اسلام میں سے ایک شخص کے ساتھ اپنا نسب ملائے اور اوپر والے دوسروں کو چھوڑ دے تو وہ بھی اس شخص کے ساتھ جنت میں جائے گا۔[1]

عمل انسان کو مقدس بناتا ہے

حضرت ابوالدرداءؓ نے ارض مقدس (شام و فلسطین) میں اقامت پذیر ہونے کے بعد حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وہاں آنے کی دعوت دی تو انھوں نے انھیں تحریر فرمایا:

اِنَّ الْاَرْضَ لَا تُقَدِّسُ احداً وَاِنَّمَا یُقَدِّسُ الانسان عَمَلُهٗ[2]

ترجمہ: تحقیق زمین کسی کو مقدس نہیں بنا دیتی۔ بے شک انسان کو صرف اس کے اعمال ہی تقدیس بخشتے ہیں۔

ہدیہ سلام: بہترین ہدیہ

حضرت اشعث بن قیس اور حضرت جریر بن عبداللہ بجلی شام سے مدائن میں حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملنے کے لئے آئے تو کہنے لگے کہ ہم آپ کے بھائی کی جانب سے حاضر ہوئے ہیں جو کہ شام میں مقیم ہیں۔ آپ نے پوچھا کون بزرگ؟ انھوں نے جواب دیا کہ حضرت ابوالدرداء اس پر آپ نے فرمایا پھر وہ تحفہ کہاں ہے جو انھوں نے تمھارے ہاتھ مجھے بھیجا ہے۔ وہ کہنے لگے کہ انھوں نے کوئی تحفہ تو ہمارے ساتھ نہیں بھیجا۔

---

[1]: کنز العمال ج ۷ ص ۴۰

[2]: موطأ امام مالک ص ۳۲۲

آپ نے فرمایا خوف خدا کرو اور امانت ادا کر دو کیونکہ میرے پاس جو شخص بھی ان کے پاس سے آتا ہے وہ ایک تحفہ ضرور لاتا ہے۔ دونوں بزرگ پریشان ہو کر کہنے لگے براہ کرم آپ اس جھگڑے کو مزید نہ بڑھائیے۔ ہمارا مال موجود ہے اس میں سے جتنا چاہیں، لے لیں۔ آپ نے فرمایا مجھے آپ کے مال سے کوئی سروکار نہیں۔ بلکہ مجھے تو وہ تحفہ چاہیے جو انھوں نے بھیجا ہے۔ وہ قسم کھا کر کہنے لگے بخدا انھوں نے تحفہ تو کوئی نہیں دیا تھا البتہ اتنا ضرور کہا تھا کہ تمھارے درمیان میں وہ ایسے شخص موجود ہیں کہ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم جب ان سے تنہائی میں راز و نیاز کی باتیں کر رہے ہوتے تھے تو پھر ان کے علاوہ کسی اور کو ہرگز تلاش نہ کرتے تھے۔ تم جب ان کے پاس جاؤ تو میری طرف سے انھیں سلام کہنا۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا میں اس تحفے کے علاوہ اور کیا تم سے مانگ رہا تھا۔ ہدیہ سلام سے بڑھ کر فضیلت والا اور کونسا تحفہ ہو سکتا ہے؟ یہی سلام ہی تو بارگاہ رب العزت کی جانب سے بابرکت اور پاکیزہ تحفہ ہے [1]

افشائے سلام: بہترین کام

حضرت اوس بن ضمعجؒ کہتے ہیں کہ ہم لوگوں نے حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نیک کام کے بارے میں دریافت کیا کہ جو ہم کیا کریں تو آپ نے ارشاد فرمایا!

تفشی السلام وتطعم الطعام وتصلی والناس نیام (تم سلام کو پھیلایا کرو، کھانا کھلایا کرو اور نماز پڑھا کرو جب کہ دوسرے لوگ محوِ خواب ہوں) [2]

---

[1]: حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۲۰۱

[2]: حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۲۰۴

ضیافتِ مسلمان: تازگیٔ ایمان

حضرت ابوالبختری کا بیان ہے کہ ایک شخص حضرت سلمان رضؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ لوگوں کا برتاؤ آج میرے ساتھ بڑا اچھا رہا۔ مجھے سفر کا اتفاق ہوا تو بخدا جس کسی کے پاس اترا وہ مجھے اپنے حسن سلوک کی بدولت ایسے لگا جیسے کہ وہ میرا حقیقی بھائی ہو پھر اس شخص نے ان لوگوں کی مہمان نوازی اور ان کے لطف و کرم کی تعریفیں کیں۔ یہ سُن کر حضرت سلمان رضؓ نے فرمایا یا ابن اخی ذالک طُرْفَۃُ الْاِیْمَانِ اَلَمْ تَرَ الدابۃ اِذا حمل علیہا حملہا انطقت بہ مسرعۃ واذا تطاول بہا السیر تتلقا[1]

ترجمہ: اے بھتیجے! یہ تو ایمان کی تازگی ہے۔ کیا تم نے لادو جانور کو نہیں دیکھا کہ جب اس پر بوجھ لادا جاتا ہے تو وہ اسے اٹھا لیتا ہے اور تیز تیز چلتا ہے اور جب مسافت لمبی ہو جائے تو پھر ٹھہرنے لگ جاتا ہے اور دیر لگاتا ہے۔

مردِ مومن کی مثال: مریض مع معالج باکمال

حضرت ابوسعید الوہبی کہتے ہیں کہ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:
اِنَّمَا مَثَلُ المومنِ فی الدنیا کمثل مریضٍ معہ طبیبہٗ الذی یعلم داءہٗ ودواءہٗ فاذا اشتہی ما یضرہ منعہ وقال لا تقربہٗ فَاِنَّکَ المومن یشتہی اشیاء کثیرۃ مما فضل بہ غیرہٗ من العیش فیمنعہ اللہ ایاہ ویحجزہ عنہ حتّٰی یتوفاہ فیدخلہ الجنۃ[2]

---

[1]: حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۲۰۳

[2]: ایضاً ج ۱ ص ۲۰۷

ترجمہ: بے شک مومن کی مثال اس مریض کی سی ہے کہ جس کے ساتھ اس کا معالج بھی موجود ہو جو اس کا مرض بھی جانتا ہو اور اس کا علاج بھی۔ جب وہ کوئی ایسی چیز کھانے کی خواہش کرے جو اس کے لئے مضر ہو تو وہ معالج اسے روک دیتا ہے اور کہتا ہے کہ تم اس کے قریب نہ جاؤ کیونکہ اگر تم اسے استعمال کرو گے تو وہ تمہیں ہلاکت سے دوچار کر دے گی۔ اسی طرح مومن سامانِ زندگانی کی بہت سی چیزوں کو خواہش کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے دوسروں کو عطا کی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اس کو وفات دے کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے زندگی کے دن پورے ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کو وفات دے کر بہشت بریں میں داخل کر دیتا ہے۔

بیماری کی زحمت: مومن کے لئے رحمت

حضرت سعید بن وہبؒ کہتے ہیں کہ میں حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ان کے ایک دوست کی عیادت کے لئے گیا جو کہ بنی کندہ کے محلے میں تھے۔ حضرت سلمانؓ نے ان کی بیمار پرسی کے بعد انہیں فرمایا۔ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے مسلمان بندے کو کسی تکلیف و آزمائش میں مبتلا کرتا ہے اور پھر اسے عافیت عطا کرتا ہے تو وہ تکلیف اس کے گذشتہ تمام گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے اور آنے والی زندگی کے لئے توفیقِ توبہ کا ذریعہ ہو جاتی ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی نافرمان بندے کو مرض و ابتلاء میں مبتلا کر دیتا ہے اور پھر اسے عافیت و آرام بخش دے تو وہ اس اونٹ کی مانند ہوتا ہے کہ جس کے مالک نے اسے باندھ دیا اور پھر کھول دیا۔ پس اسے کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ جب اسے باندھ دیا گیا تھا تو کیوں باندھا دیا گیا تھا اور جب چھوڑ دیا گیا ہے تو کیوں چھوڑ دیا گیا ہے[۱]۔

---

[۱] ۔ حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۲۰۶ - ادب المفرد ص ۸۷

تشریح: حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول دانش سے ظاہر ہوتا ہے کہ مومن کی عجب شان ہے کہ رنج ہو یا راحت، بیماری ہو یا تندرستی اس کے لئے سب رحمت ہی رحمت ہے۔ خدا کی رضا کے سامنے سر تسلیم خم کر کے مسلمان بیماری اور ابتلاء و آزمائش میں اپنے دکھ درد پر صبر کرتا ہے اور حکم شریعت اور سنت پیغمبر کے مطابق علاج معالجہ اور مداوا ضرور کرتا رہتا ہے لیکن شفاء کو خدا کے ہاتھ میں سمجھتا ہے لہٰذا اس کے لئے وہ دوا کے ساتھ ساتھ دعا سے بھی غافل نہیں رہتا کیونکہ دعا کرنا بھی خدا ہی کے حکم سے ہے۔ جب شافی مطلق اسے شفا بخشتے ہیں اور ابتلا و آزمائش دور کر دیتے ہیں اور اپنی رضا کی راحت عطا کرتے ہیں تو وہ خدا کا شکر ادا کرتا ہے اور بقیہ زندگی کو عطیہ خداوندی سمجھتے ہوئے عبادت حق اور خدمت خلق میں بسر کرتا ہے۔ وہ بیماری اور دکھ درد اس کے گناہوں کا کفارہ اور اس کے لئے ذریعہ نجات ثابت ہوتے ہیں جب کہ فسق و فجور میں مبتلا شخص کے لئے بیماری محض بلائے جان ہے وہ اس سے کوئی اجر و ثواب اور کوئی درس عبرت حاصل نہیں کر پاتا۔

مرگِ مردِ مسلماں: ملک الموت مادرِ مہرباں

حضرت مسلم بن عطیہ اسدیؒ سے روایت ہے کہ حضرت سلمانؓ ایک شخص کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ وہ شخص اس وقت حالت نزع میں تھا۔ آپ نے ملک الموت سے خطاب کرتے ہوئے کہا اے فرشتے! اس شخص پر نرمی اور مہربانی فرمائیے۔ اس کے بعد حضرت سلمانؓ نے فرمایا کہ یہ آدمی کہہ رہا ہے کہ فرشتہ کہتا ہے کہ اِنِّیْ بِکُلِّ مُؤمِنٍ رَفِیْقٌ (بے شک میں تو ہر مومن کے لئے نرم اور رحم دل ہوں)[1]

---

[1] حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۲۰۴

مومن کے لئے موت کا فرشتہ بھی کمال مہربانی سے پیش آتا ہے اور سکراتِ موت کی تلخیاں بھی اس کے حق میں شہد سے شیریں ثابت ہوتی ہیں، جتنی تکلیف اسے موت کے وقت پہنچتی ہے وہ اس کے لئے کفارۂ عصیان بنتی ہے۔

نعماتِ جنت : سراپا عظمت

حضرت جریر بن عبداللہ بجلیؓ کہتے ہیں کہ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک لکڑی اپنے ہاتھوں میں پکڑی اور انگلیوں کے درمیان رکھ کر مجھے دکھائی اور فرمایا اے جریر! اگر تم ایسی لکڑی بہشت میں تلاش کروگے تو کہیں نہیں ملے گی۔ میں نے عرض کی تو پھر نخل و شجر کہاں سے ہوں گے۔ فرمایا ان کی جڑیں اور شاخیں تو موتیوں اور سونے کی ہوں گی اور ان درختوں پر ثمر ہائے بہشت ہوں گے۔[1]

مظالم و جہالت : ظلماتِ روزِ قیامت

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت جریرؓ سے یہ بھی فرمایا تھا اے جریر! کیا تم جانتے ہو کہ روزِ محشر کے اندھیرے اور ظلمات کیا ہیں؟ جریرؓ نے نفی میں جواب دیا تو فرمایا ظلم الناس بینھم فی الدنیا یعنی لوگوں کا دنیا میں ایک دوسرے سے ظلم کرنا ہی ظلماتِ قیامت کا باعث ہوگا۔[2]

دنیا میں عیش و عشرت : آخرت میں حرمان و حسرت

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ دنیا کے عیش و عشرت سے گریز کیا کرتے تھے اور

---

[1] حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۲۰۲
[2] ایضاً

بار خوری بھی انھیں بے حد ناپسند تھی۔ حضرت عطیہ بن عامرؓ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا ہے کہ وہ ایک بار کھانا کھا لینے کے بعد پھر کھانے کو ناپسند کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے جیسی جیسی یعنی میرے لئے یہی کافی ہے یہی کافی ہے۔ اس کے بعد وہ یہ حدیث رسولؐ بیان کیا کرتے تھے کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے:

اِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ شِبَعاً فِی الدُّنْیَا اَطْوَلُھُمْ جُوْعاً فِی الْاٰخِرَۃِ یَا سَلْمَانُ اِنَّ الدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّۃُ الْکَافِرِ[1]

ترجمہ: تحقیق جو لوگ دنیا میں خوب سیر ہو کر کھاتے ہیں وہ آخرت میں سب سے زیادہ بھوکے رہیں گے اے سلمان! یہ دنیا تو مومن کے لئے فقط قید خانہ ہے اور کافر کے لئے بس یہی جنت ہے۔

امارت کا بارگراں: فائدہ تھوڑا، زیادہ نقصاں

حضرت جعفر بن برقانؒ سے روایت ہے کہ حضرت سلمانؓ سے پوچھا گیا کہ کونسی چیز آپ کو امارت اور حکومت قبول کرنے سے نفرت دلاتی ہے تو آپ نے فرمایا حلاوۃ رضاعتھا ومرارۃ فطامھا (اس کے دودھ پلانے کی مٹھاس اور پھر دودھ چھڑانے کی تلخی)[2]

حضرت سلمانؓ امیر مدائن تھے تو ایک دفعہ اپنے ایک ساتھی کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا:

---

[1]: حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۹۸-۱۹۹

[2]: ایضاً

اِنْ استطعتَ اَنْ تاکل من التراب فکُلْ مِنْہُ وَلاَ تکونَنَّ امیرًا علی اثنین [1]

ترجمہ: اگر تم مٹی کھا سکو تو کھا لو لیکن دو آدمیوں پر امیر ہرگز نہ بننا۔

دعائے مضطر و مظلوم: مقبول و مستجاب بالعموم

عہدہ و امارت کی ذمہ داریاں قبول کرنے سے گریز کرنے کی ایک وجہ حضرت سلمانؓ کے نزدیک یہ تھی کہ وہ اس بات سے ڈرتے تھے کہ کہیں ان سے کسی پر زیادتی نہ ہو جائے یا لوگوں کے حقوق ادا کرتے وقت ان سے کوئی کوتاہی نہ ہو جائے جب کہ مظلوم کی دعا، خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول و مستجاب ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ساتھی کو امارت سے بچنے کے ساتھ ہی یہ نصیحت فرمائی تھی:

اتقِ دعوۃ المظلوم والمضطر فَاِنَّھَا لَا تُحجَبُ [2]

ترجمہ: تم ستم رسیدہ اور بے قرار شخص کی بددعا سے بچتے رہا کرو کیونکہ اس کے اور بارگاہ رب العزت کے درمیان کوئی حجاب اور رکاوٹ نہیں ہوتی۔

جانوروں کا حق: رزق، رحم و رفق

حضرت ابو الشعثاء المحاربیؒ کہتے ہیں کہ میں حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ایک لشکر میں تھا۔ آپ نے فرمایا:

---

[1]: حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۹۸، ۱۹۹

[2]: طبقات ابن سعد، ج ۴ ص ۸۸

عليكم بهذه البهائم التي تكفل الله بارزاقها فارفقوا بها في السير واحطوها قوتها۔[1]

ترجمہ: ان چوپاؤں کی ذمہ داری تم پر ہے جن کے رزق کا اللہ تعالیٰ نے تمھیں کفیل بنایا ہے۔ پس سفر کے معاملے میں ان کے ساتھ نرمی اختیار کرو اور ان کا چارا (خوراک) انھیں برابر دیا کرو۔

ناخدا جن کا نہ ہو ان کا خدا ہوتا ہے

حضرت ابوعثمان النہدیؒ کہتے ہیں کہ حضرت سلمانؓ نے فرمایا:

لو يعلم النّاس عون الله للضعيف ما غالوا بالظهر۔[2]

ترجمہ: لوگوں کو اگر پتہ ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کمزور کے ساتھ کس قدر شاملِ حال ہوتی ہے تو وہ ضرور اس کا ساتھ دینے میں کوئی پس وپیش نہ کرتے اور اسے بظاہر بے یار و مددگار نہ چھوڑتے۔

حفاظتِ لسان: نجاتِ انسان

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے:

أَكْثَرُ النَّاسِ ذُنُوبًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَكْثَرُهُمْ كَلَامًا فِي مَعْصِيَةِ اللهِ۔[3]

ترجمہ: روزِ قیامت لوگوں میں سے زیادہ گناہوں والے وہ لوگ ہوں گے جو

---

[1]: سنن بیہقی ج ۳ ص ۲۰

[2]: حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۲۰۰

[3]: ایضاً ص ۲۰۲

دنیا میں زیادہ باتیں اللہ کی نافرمانی میں کرتے رہتے ہیں۔

حضرت سلمانؓ کا ایک اور قول یہ ہے لوگو! زیادہ مت بولو اور بولو تو مناسب بات بولو، اسی طرح لوگوں سے زیادہ میل جول نہ بڑھاؤ اور ملو جلو بھی تو سچائی کو اپنا پیشہ بناؤ۔[1]

مکس اور مچھر: نعیم وسقر

حضرت طارق بن شہابؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت سلمانؓ نے فرمایا ایک آدمی ایک مکھی کی بدولت داخل جنت ہوا اور ایک شخص ایک مکھی کی بدولت جہنم رسید ہوا۔ پوچھا گیا آخر وہ کیسے؟ فرمایا پہلی امتوں میں سے دو شخصوں کا گزر کچھ لوگوں کے پاس سے ہوا۔ وہ لوگ ایک بت لئے بیٹھے تھے اور ہر شخص سے کچھ نہ کچھ بت پر نچھاور کرنے کے لئے کہتے تھے۔ پہلے شخص سے انھوں نے ایسا کرنے کے لئے کہا تو وہ کہنے لگا کہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں۔ وہ کہنے لگے کہ چڑھا دا تو ضرور چڑھاؤ خواہ مکھی ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ اس نے ایک مکھی بُت پر بھینٹ کر دی اور ان لوگوں سے تو خلاصی پائی لیکن جہنم میں جا پہنچا۔ دوسرے شخص سے یہ مطالبہ ہوا تو وہ کہنے لگا میں بت پر کچھ بھی نچھاور نہیں کروں گا خواہ مکھی ہی کیوں نہ ہو کیونکہ یہ صریح شرک ہے۔ ان بدبختوں نے اسے شہید کر دیا اور وہ اس طرح سیدھا جا خُلد نشین ہوا۔[2]

منافقینِ قرونِ شر: پہلوں سے بدتر

سورہ بقرہ کی ابتدائی آیات میں جہاں منافقین کا تذکرہ آیا ہے۔ ان آیات کو پیش نظر

---

[1]: دانش کدہ ص ۱۳۵

[2]: حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۲۰۳

رکھ کر حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اس خصلت کے لوگ اب تک نہیں آئے مطلب یہ تھا کہ آنحضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں یہ بدخصلت لوگ تھے تو سہی لیکن ان کے بعد جو منافق آئیں گے وہ ان سے بھی بدتر ہوں گے۔[1]

جسم وجاں کا تعاون: کامیابی میں معاون

حضرت ابوالبختری رحؒ کہتے ہیں کہ حضرت سلمانؓ نے فرمایا جسم اور دل کی مثال اندھے اور اپاہج کی سی ہے۔ اپاہج کہنے لگا کہ مجھے پھل نظر آرہا ہے لیکن اپنی معذوری کی وجہ سے وہاں تک پہنچ نہیں سکتا پس تم مجھے اٹھالو۔ چنانچہ اندھے نے اسے اٹھالیا۔ پھل توڑ کر اس نے بھی کھایا اور اسے بھی کھلایا۔[2]

دل اور جسم میں تعاون اور ہم آہنگی کامیابی کی ضامن ہے۔ منافقت یہی ہوتی ہے کہ زبان پر کچھ ہو اور دل میں کچھ۔ اسلام دل وجان کے تعاون و توافق پر زور دیتا ہے۔ عقیدے کی صحت کے ساتھ ساتھ عمل بھی اسی کے مطابق ہونا چاہئے اور اسی میں مسلمان کی کامیابی کا راز مضمر ہے۔ اسی طرح مادی ترقی کے ساتھ روحانی ارتقاء ساتھ ساتھ ہو تو انسانیت کے لئے نعمتِ عظمیٰ ہے۔ عصرِ حاضر کا المیہ یہ ہے کہ انسان مادی لحاظ سے تو ترقی کی منازل طے کرتا جا رہا ہے جب کہ روحانی میدان میں وہ بہت پسماندہ رہ گیا ہے۔

خاتمۂ حیا: خاتمۂ ایمان

حضرت زاذان رحؒ کی روایت ہے کہ حضرت سلمانؓ نے فرمایا:

---

[1] ۱۔ حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۲۰۵

[2] ۱۔ حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۲۰۴

اِنَّ اللّٰہَ إذا اراد بِعَبْدٍ شراً اَوْ ھلکتہ نزع منہ الحیاءُ فَلَمْ تلقہ الا مقتیًا ممقتاً فاذا کان مقیتاً نزعت منہ الرحمۃ فلم تلقہ إلاّ فظاً غلیظاً فاذا کان ذالک نزعت منہ الامانۃ فلم تلقہ الّا خائنًا مخونًا فاذا کان ذالک نزعت ربقۃ الاسلام من عنقہٖ فکان لعینًا ملعونًا [1]

ترجمہ: تحقیق اللہ تعالیٰ جب کسی کو سزا دینے اور اس کی ہلاکت کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے حیا نکال لیتا ہے تو پھر تو اسے اس حالت میں ملے گا کہ لوگ اس سے نفرت کرتے ہیں اور وہ لوگوں سے نفرت کرتا ہوگا جب وہ ایسا ہدفِ ملامت بن جاتا ہے تو اس سے رحمدلی نکال لی جاتی ہے پھر تو اسے بداخلاق اور سخت دل پائے گا۔ جب وہ اس طرح کا ہو جاتا ہے تو اس سے امانت نکال لی جاتی ہے پھر تو اسے ملے گا تو وہ خود خیانت کرنے والا نظر آئے گا اور دوسرے بھی اس کے ساتھ خیانت کرتے ہوں گے جب وہ اس حالت کو پہنچ جاتا ہے تو اس کی گردن سے اسلام کا پھندا نکال لیا جاتا ہے اور اس کا وجود سراپا لعنت بن کر رہ جاتا ہے۔

دل را بہ دل راہیست

حضرت حارث بن عمیرہؒ کہتے ہیں کہ میں مدائن میں حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملنے کے لئے گیا۔ دیکھا تو میرے سامنے بوسیدہ کپڑے پہنے ہوئے ایک شخص کھڑا ہوا ہے۔ سرخ رنگ کی ایک کھال اس کے پاس ہے جس پر سے وہ بال اور دھبے دُور

---

[1] :- حلیۃ الاولیاءؔ ج ۱ صہ ۲۰۴

کر رہا ہے۔ میں نے توجہ دلائی تو مجھے ایک نظر دیکھا اور ہاتھ سے اشارہ کیا گویا کہہ رہا ہے بندہ خدا وہیں ٹھہرے رہو۔ میں وہیں ٹھہر گیا۔ اس کے بعد میں نے وہاں موجود لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ تو حضرت سلمان فارسیؓ ہیں۔ آپ گھر تشریف لے گئے۔ صاف سفید کپڑے پہنے اور آکر مجھ سے مصافحہ فرمایا اور خیریت احوال پوچھی۔ میں نے عرض کیا اے ابو عبداللہ! زمانہ ماضی میں نہ تو آپ نے مجھے دیکھا اور نہ مجھے آپ کی زیارت نصیب ہوسکی۔ اس لئے نہ آپ مجھ سے شناسا ہیں اور نہ میں آپ سے پوری طرح متعارف۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا تعارف کیوں نہیں؟ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ بے شک میری روح نے تو آپ کی روح کو دیکھتے ہی پہچان لیا تھا۔ کیا آپ حارث بن عمیرہ نہیں ہیں۔ میں نے جواب دیا واقعی وہی ہوں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو میں نے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تمام روحیں (عالم ارواح میں) مجتمع لشکر کی صورت میں تھیں۔ پس جن میں اللہ تعالیٰ کی خاطر آپس میں جان پہچان ہوگئی تو وہ باہم رشتہ الفت میں منسلک ہوگئیں اور جنھوں نے وہاں آپس میں جان پہچان نہ کی، ان میں اختلاف و تفرقہ پیدا ہوگیا[1]

ہنسانے والی تین چیزیں؛ رُلانے والی تین چیزیں

حضرت جعفر بن برقانؒ کہتے ہیں کہ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے تین باتوں نے مجھے ہنسایا اور تین باتیں مجھے رُلاتی ہیں۔ جو باتیں مجھے ہنساتی ہیں وہ یہ ہیں۔

۱۔ مجھے ہنسی آتی ہے اس شخص پر جو دنیا سے لمبی لمبی امیدیں باندھے بیٹھا ہے حالانکہ موت اس کی تلاش میں ہے۔

---

[1] حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۲۰۷

۲ - مجھے اس شخص پر ہنسی آتی ہے کہ جو (عبادت سے) غفلت کا شکار ہے حالانکہ اس کے بارے میں (باز پرس کے لحاظ سے) کوئی غفلت نہیں کی جائے گی۔

۳ - اسی طرح میں اس شخص پر ہنسے بغیر نہیں رہ سکتا کہ وہ نادان منہ بھر بھر کر قہقہے لگاتا رہتا ہے حالانکہ اسے خبر تک نہیں کہ خدا اس سے راضی ہے یا ناراض۔

تین باتیں جو مجھے رُلاتی ہیں ان میں سے ایک تو اپنی محبوب ہستیوں یعنی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کی مفارقت ہے جو مجھے چین نہیں لینے دیتی دوسری چیز موت کے وقت کی تلخیوں کی نمود ہے جو مجھے پریشان کئے دیتی ہے اور تیسری چیز میدان حشر میں حساب کتاب کے لئے رب العزت کے سامنے کھڑے ہونا ہے جہاں مجھے یہ پتہ نہیں ہوگا کہ میرا کوچ کس طرف ہوگا جنت کی طرف یا دوزخ کی جانب [1]

علم وحکمت: فیض وبرکت

سنن دارمی میں ہے کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے جو خطوط حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو لکھے ان میں سے ایک خط میں آپ نے تحریر کیا کہ علم ایک چشمہ ہے جس پر لوگ آتے ہیں اور اس سے نالیاں نکالتے ہیں۔ خداوند تعالیٰ اس طرح اس سے بہت سے لوگوں کو فیض یاب کرتا ہے لیکن اگر کوئی حکمت خاموش ہو تو وہ جسد بے روح ہے۔ اگر کوئی علم فراخ دلی سے خرچ نہ کیا جائے تو وہ محض ایک ایسا خزانہ ہے جو دور کہیں زمین میں دفن ہو۔ عالم کی مثال بلاشبہ اس شخص کی سی ہے جو تاریک راستے پر چراغ روشن کرتا ہے تاکہ لوگ اس سے روشنی حاصل کریں اور اسے دعا دیں [2]

---

[1]: - حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۲۰۷۔

[2]: - ایضاً

علم وکمال: دولت لازوال

حضرت ابوالبختریؒ کہتے ہیں کہ بنی عبس کا ایک شخص حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ تھا جب دونوں دریائے دجلہ پر پہنچے۔ اس شخص نے دریا سے پانی پیا حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے فرمایا دوبارہ بھی پی لو۔ وہ کہنے لگا کہ میری پیاس تو بجھ گئی ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کیا تمھارے پانی پینے سے دریا میں کچھ کمی واقع ہو گئی ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں ہرگز نہیں میرے پینے سے کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ اس پر آپ نے فرمایا اسی طرح علم ہے کہ خرچ کرنے سے کبھی کم نہیں ہوتا۔ پس تم علم سے وہ علم لیا کرو جو تمھارے لئے نفع بخش ہو۔[1]

دینی علم: ضروری علم

حضرت سلمانؓ نے حضرت حذیفہؓ سے فرمایا اے عبسی بھائی! اِنَّ الْعِلْمَ کَثِیْرٌ وَالْعُمْرُ قَصِیْرٌ فَخُذْ مِنَ الْعِلْمِ مَا تَحْتَاجُ اِلَیْهِ مِنْ اَمْرِ دِیْنِكَ وَدَعْ مَا سِوَاهُ فَلَا تُعَانِهٖ۔[2]

ترجمہ: بے شک علم بہت زیادہ ہے اور عمر مختصر ہے پس تم علم میں سے وہی کچھ حاصل کر لیا کرو جو تمھیں دین و شریعت کے لئے درکار ہو اور اس کے سوا جو کچھ علم ہے اسے چھوڑ دو اور اس سے کوئی سروکار نہ رکھو۔
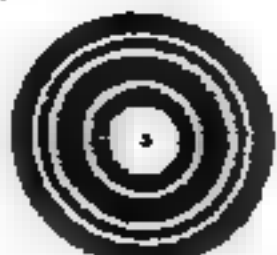
وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

کتابت: ابن الصادق عبد اللہ
نوشہرہ ورکاں ضلع گوجرانوالہ

[1] حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۸۸
[2] ایضاً ص ۱۸۹

ماخذ و مصادر

۱ - امام بخاری : الصحیح — مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی

۲ - امام مسلم : الصحیح — " " " " "

۳ - امام ترمذی : الجامع — " " " " "

۴ - امام ابی داود : السنن — " " " " "

۵ - امام ابن ماجہ : السنن — مطبوعہ ولی محمد اینڈ سنز کراچی

۶ - امام مالک : الموطا — مطبوعہ کتب خانہ دار الاشاعت کراچی

۷ - امام نسائی : السنن — مطبوعہ نور محمد کارخانہ کتب کراچی

۸ - امام ترمذی : شمائل ترمذی — " " " " "

۹ - امام حاکم : المستدرک — مطبوعہ حیدر آباد دکن (انڈیا)

۱۰ - امام بخاری : الادب المفرد — مطبوعہ المطبعۃ التازیہ (مصر)

۱۱ - امام دارقطنی : السنن — مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی (انڈیا)

۱۲ - امام بیہقی : السنن الکبریٰ — مطبوعہ حیدر آباد دکن (انڈیا)

۱۳ - امام ابن الہیثمی : مجمع الزوائد — مطبوعہ دار الکتاب بیروت (لبنان)

۱۴ - امام احمد بن حنبل : المسند — مطبوعہ مصر

۱۵ - امام علی المتقی : کنز العمال — مطبوعہ حیدر آباد دکن (انڈیا)

۱۶ - امام زرقانی : شرح الموطا — مطبوعہ مصر

۱۷ - ابن ہشام : السیرۃ النبویہ — مطبوعہ مطبعہ مصطفیٰ البابی (مصر)

۱۸ - محمد بن جریر طبری : تاریخ الامم والملوک — مطبوعہ استقامہ قاہرہ (مصر)

۱۹ - ابن الاثیر الجزری : الکامل فی التاریخ — مطبوعہ المنیریہ (مصر)

۲۰ - خضری بک : اتمام الوفاء — مطبوعہ قاہرہ (مصر)

۲۱ - ابن سعد : الطبقات الکبریٰ مطبوعہ بیروت (لبنان)

۲۲ - حافظ ابن البر : الاستیعاب علی ہامش الاصابہ مطبوعہ مصطفیٰ محمد (مصر)

۲۳ - حافظ ابن حجر عسقلانی : الاصابہ فی تمیز الصحابہ مطبوعہ المطبعۃ الشرقیہ (مصر)

۲۴ - حافظ ابن حجر عسقلانی : تہذیب التہذیب مطبوعہ بیروت (لبنان)

۲۵ - حافظ ابن حجر عسقلانی : تقریب التہذیب مطبوعہ المعارف بیروت (لبنان)

۲۶ - حافظ ابن الاثیر الجزری : اسد الغابہ مطبوعہ تہران (ایران)

۲۷ - حافظ ابن کثیر : البدایہ والنہایہ مطبوعہ السعادہ (مصر)

۲۸ - امام ابن تیمیہ : الفرقان مطبوعہ الازہر (مصر)

۲۹ - ابو نعیم اصفہانی : حلیۃ الاولیاء مطبوعہ السعادہ (مصر)

۳۰ - علامہ جلال الدین سیوطی : تفسیر الدر المنثور مطبوعہ المکتبۃ الاسلامیہ طہران (ایران)

۳۱ - علامہ آلوسی زادہ : تفسیر روح المعانی مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور

۳۲ - شیخ عبد الوہاب الشعرانی : الیواقیت والجواہر مطبوعہ مصطفیٰ البابی (مصر)

۳۳ - شیخ عبد الوہاب الشعرانی : الکبریت الاحمر علی ہامش الیواقیت مطبوعہ مصطفیٰ البابی (مصر)

۳۴ - علامہ نور الدین سمہودی : وفا الوفا مطبوعہ السعادہ (مصر)

۳۵ - شیخ ابراہیم بیجوری : المواہب اللدنیہ مطبوعہ الخیریہ (مصر)

۳۶ - امام غزالی : منہاج العابدین علی ہامش المواہب مطبوعہ الخیریہ (مصر

۳۷ - شیخ ابو عبد الرحمٰن السلمی : طبقات الصوفیہ مطبوعہ دار الکتاب العربی (مصر)

۳۸ - قاضی عیاض : کتاب الشفاء مطبوعہ مکتبہ نعیمیہ لاہور

اصل عربی ترجمہ اردو

۳۹ - شیخ شہاب الدین سہروردی : عوارف المعارف مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور

۴۰ - علامہ البلاذری : فتوح البلدان مطبوعہ نفیس اکیڈیمی کراچی

۴۱ - حافظ ابن کثیر : تفسیر القرآن مطبوعہ نور محمد کراچی

۴۲ - حافظ ابن الجوزی : تلبیس ابلیس مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی

۴۳ - مولانا محمد یوسف کاندھلوی : حیاۃ الصحابہ مطبوعہ ادارہ اشاعت دینیات نیو دہلی (انڈیا)

بزبان فارسی

۴۴ - دکتر لطف اللہ مغتم پایاں : فرہنگ آبادیہائے ایران مطبوعہ مشہد (ایران)

۴۵ - شیخ عبد الحق محدث دہلوی : جذب القلوب مطبوعہ مکتبہ نعیمیہ لاہور

۴۶ - شیخ عبد الحق محدث دہلوی : اخبار الاخیار مطبوعہ کتب خانہ رحیمیہ دیوبند (انڈیا)

۴۷ - شاہ ولی اللہ محدث دہلوی : انتباہ فی سلاسل اولیا مطبوعہ کتب خانہ علویہ لائل پور

۴۸ - حضرت سید علی ہجویری : کشف المحجوب اردو ترجمہ مطبوعہ مدنی کتب خانہ لاہور

بزبان اُردو

۴۹ - مولانا محمد زکریا : فضائل نماز مطبوعہ علمی کتاب خانہ لاہور

۵۰ - مولانا محمد زکریا : فضائل ذکر مطبوعہ علمی کتاب خانہ لاہور

۵۱ - مولانا محمد زکریا : حکایات صحابہ مطبوعہ علمی کتاب خانہ لاہور

۵۲ - مولانا عبد السلام ندوی : اسوہ صحابہ مطبوعہ اعظم گڑھ (انڈیا)

۵۲ - مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی : مہاجرین مطبوعہ اعظم گڑھ (انڈیا)

۵۴ - ڈاکٹر حمید اللہ حیدر آبادی : عہد نبوی کے میدان جنگ مطبوعہ حیدر آباد دکن (انڈیا)

۵۵ - ڈاکٹر حمید اللہ حیدر آبادی : سیاسی وثیقہ جات مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور

۵۶ - مولانا شبلی نعمانی : الفاروق مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور

۵۷ - پروفیسر مقبول بیگ بدخشانی : تاریخ ایران مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور

۵۸ - مولانا محمد صدیق : دانش کدہ مطبوعہ لاہور

بزبانِ انگریزی

H.A.R. Gibb : Shorter Encyclopaedia of Islam (Leiden 1953).

A.J. Arberry : The Legacy of Persia (Oxford, London).

Steingass : Persian : English Dictionary.

سیرتِ سلمانؓ

سیدنا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کی

سیرت و سوانح

از

علامہ فضل احمد عارف

ناشر

نذیر سنز پبلشرز

۴۰۔اے ـــــ اردو بازار ـــــ لاہور پاکستان